



مقاہد ابی حنیفہ

تالیف

امام اہلسنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ صفدریہ

نور در سے نورا العلوم گنبد گھر کراچی

وَلَقَدْ نَزَّلْنَاكَ كَقَدْرٍ مِنْهُمْ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا مِنْكَ الْبُحْرَانِ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

وَدَبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ الْحَدِيثِ (حدیث ثعلبی)
 خدا کے بہت اوجھارے معیار نظر اس کا بوقت فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 رَحْمَةُ تَعَالَى عَلَيْهِ

مقام ابی حنیفہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور علم اسلام کے محسوس جوابات فقہ اور فقہان کی فضیلت اور اس کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے اور فقہاء صحابہؓ اور اہل کوفہ کی حدیث دانی اور فقہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام فقہ، حدیث اور علم کلام میں صریح حوالوں سے بتایا گیا ہے۔ نیز ان کی دیانت، امانت، استقامت اور ثقاہت پر واضح حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ان پر مرجئیہ، اہل الرائی، مخالفین اسلام و حدیث اور قلتِ عربیت وغیرہ کے جتنے اصولی اعتراضات قدیماً و جدیداً کیے گئے ہیں ان کے اصولی جوابات دیئے گئے ہیں اور اس میں معتزلیوں کا تعصب، عناد اور اجتہادی غلطی بھی آشکارا کی گئی ہے۔ نیز ہادیہ فقہ حنفی کی دیگر کتب اور اصناف پر کیے گئے بعض اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں ضمنی ابحاث میں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں واللہ یقول الحق وَهُوَ بِشَيْءٍ رَّئِیْسٌ

احقر البوالزاهد محمد سر فراز خاں صفدر
 خطیب جامع گھنٹہ منڈی مدرس مدرسہ نضرۃ العلوم کوہراوالہ

ناشر: مکتبہ صفدیہ مدرسہ نضرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر، کوہراوالہ

جمہد حقوق بحق مکتبہ صفدیہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں۔

طبع یازدہم جنوری ۲۰۰۷ء

نام کتاب _____ مقام اُبی حنیفہ
مصنف _____ ابو الزاہد حضرت مولانا محمد سرفراز خان دام مجد صفا
کتابت _____ محمد امان اللہ قادری
ناشر _____ مکتبہ صفدیہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
مطبع _____ فائن بکس پرنٹرز، لاہور

قیمت _____ - ۱۲۰/- (ایک سو بیس) روپے

ملنے کے لیے

- مکتبہ صفدیہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
- مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ سید احمد رشید اردو بازار لاہور
- مکتبہ امدادیہ ملتان
- مکتبہ حقانیہ ملتان
- مکتبہ مجیدیہ ملتان
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
- مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
- مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیورود مینگورہ
- دارالکتب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ نغانیہ کبیر مارکیٹ ملی مردت
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ فاروقیہ حنیفیہ عقب فائر بریکسٹ اردو بازار گوجرانوالہ
- کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گھر
- مکتبہ العلم اردو بازار لاہور
-

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۷	تفقہ فی الدین	۱۳	دیباچہ طبع سوم
۲۸	قرآن کریم میں تفقہ کی فضیلت	۱۵	تصدیقات اکابرین ملت و علیٰ عظام امت معالیہم
۲۹	عدم تفقہ مذموم ہے	۱۶	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۰	حدیث میں فقہ کا درجہ	۲۰	حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۰	حضرت امیر معاویہؓ کی حدیث	۲۱	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۰	حافظ ابن حجر سے اس کی تشریح	۲۲	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۱	حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث	۲۳	حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب اہلبیت برکاتہم
۳۲	حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی حدیث	۲۵	حضرت مولانا محمد ایوب صاحب بوری رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	ابن خلدون کا حوالہ	۲۵	حضرت مولانا نضر احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	حضرت جبریل بن مطعم کی حدیث	۲۵	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	ان کی حدیث صحیح بلکہ مشہور و متواتر ہے	۲۶	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	امام حاکم، امام ذہبی، امام سیوطی اور نواب حاکم کے حوالے سے	۲۷	حضرت مولانا فاضل شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۳	حضرت عمرؓ کا حوالہ	۲۸	حضرت مولانا سید امین الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۵	باب دوم	۲۹	حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۶	فقہ و روایت	۳۱	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانی رحمۃ اللہ تعالیٰ
۳۶	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا حوالہ	۳۳	سخنہائے گفتنی
۳۶	ابو بکر بن عبداللہ کا حوالہ		باب اول

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶	امام شعبیؒ کا حوالہ	۴۶	امام احمد بن حنبلؒ کا حوالہ
۵۶	حافظ ابن القیمؒ کا بیان	۴۷	امام ابو ثورؒ کا درجہ
۵۶	نواب صاحبؒ کا بیان	۴۷	امام احمد بن حنبلؒ کا درجہ اجتہاد میں اقل تھا
۵۶	مولانا مبارکپوریؒ کا بیان	۴۷	حافظ ابو عمر بن عبدالبرؒ کا حوالہ
۵۶	اصحاب عبداللہ بن مسعود	۴۷	ایک فقہی مسئلہ میں محدثین کا جواب ہونا
۵۶	امام شعبیؒ کا رتبہ	۴۸	امام ترمذیؒ کا حوالہ
۵۸	کوثر میں صحابہ کرامؓ کا درود	۴۸	امام عیسیٰؒ کا حوالہ
۵۸	حضرت علیؓ کے بیشتر قضایا کوثر میں ہوئے	۴۹	امام وکیع بن الجراحؒ کا حوالہ
۵۸	ان سے پہلے بھی کوثر میں کئی روایات	۴۹	علامہ حازمیؒ کا حوالہ
۵۹	کوثر میں کتنے صحابہؓ فرودکش ہوئے؟	۵۰	امام حاکمؒ کا حوالہ
۶۰	امام حاکمؒ، ابن سعدؒ، دولابیؒ، بخاریؒ اور سخاویؒ	۵۰	ہلال بن العلاء الرقیؒ کا حوالہ
۶۰	کوثر محل الفضلہ تھا۔ امام نوویؒ کا حوالہ	۵۱	امام ابن الجوزیؒ کا حوالہ
۶۰	سفیان بن عیینہؒ کا حوالہ	۵۱	حافظ ابن حجرؒ کا حوالہ
۶۱	ابن عساکرؒ کا حوالہ	۵۱	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ
۶۱	محمد بن یسیرؒ کا حوالہ	۵۲	ابن خلدونؒ کا حوالہ
۶۱	محمد بن عثمان بن مسلمؒ کا حوالہ	۵۲	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	محمد بن ابوبکر بن ابی داؤدؒ کا حوالہ	۵۲	نواب صاحبؒ کا حوالہ
۶۲	الاشیخ کون اور کیسے تھے؟	۵۳	مصنوع بن اسمعیل الشافعیؒ کا حوالہ
۶۲	حضرت امام بخاریؒ کا بیان	۵۳	فقہ سے کوئی چارہ نہیں
۶۳	حضرت امام احمدؒ کا بیان		باب سوم
۶۳	اہل کوثر اور علم حدیث	۵۵	فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم
۶۳	کیا اہل کوثر کی حدیث میں فرق نہیں ہونا؟	۵۵	امام مسروق بن ابیہذیلؒ کا حوالہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۳	علامہ ابن ندیم کا بیان	۶۳	اس کا جواب
۶۴	مجدد بن اثیر کا بیان	۶۴	جہر و حدیث میں نقل حدیث کے الفاظ میں زیادہ سختی نہیں کرتے
۶۴	حافظ ابن کثیر کا بیان	۶۴	قاضی عیاض کا حافظ عراقی اور ابن حجر کا بیان
۶۵	مؤرخ ابن خلدون کا بیان	۶۵	مؤلف نتائج التعلیقہ کی غلط بیانی
۶۵	ابن حجر کئی کا بیان	۶۵	امام دیکھ جا رہی کو ثقہ کہتے تھے
۶۵	حضرت امام شافعی کا بیان	۶۵	اہل کو ذمہ سے کیا مل رہا ہے؟ مبارکپوری صاحب
۶۵	حافظ الدین کردی کا حوالہ	۶۶	مؤلف خیر الکلام کا باطل دعویٰ کہ اہل مذہب کی نقل ہی صحیح نہیں
۶۶	امام فضیل بن عیاض کا بیان	۶۶	تیسرا الحنفیہ کی پہلی جلد سے اہل کو ذمہ کے
۶۹	امام ابو یوسف کا بیان	۶۹	حفاظ حدیث کی فرست
۶۹	امام عیسیٰ کا اقتراہ	۶۹	باب چہارم
۷۱	عبد اللہ بن الدیسیس کا تادب	۷۱	امام صاحب کا مقام علم کلام و فقہیت میں
۷۱	ابو عاصم النبیل کا بیان	۷۱	حضرت امام شافعی کا حوالہ
۷۲	امام یزید بن ہرون کا بیان	۷۲	محدث ابن جریر کا حوالہ
۷۸	امام تاج الدین سبکی کا بیان	۷۸	محدث مسقر بن کدم کا حوالہ
۷۸	امام اوزاعی اور عمری کا بیان	۷۸	محدث اسماعیل کا حوالہ
۷۸	امام عبد اللہ بن المبارک کا بیان	۷۸	ابو جعفر رازی کا بیان
۸۰	عبد اللہ بن داؤد کا بیان	۸۰	علامہ ذہبی کا بیان
۸۰	محمد بن بشر کا بیان	۸۰	امام عبد البر کا بیان
۸۰	ابو نعیم کا بیان	۸۰	علامہ خطیب بغدادی کا بیان
۸۱	عبد اللہ بن یزید ترمذی کا بیان	۸۱	امام ابن معین کا بیان
۸۱	مکی بن ابی ہریم کا بیان	۸۱	امام عبد الرحمن بن مہدی کا بیان
۸۱	یحییٰ بن سعید القطان کا بیان	۸۱	امام حسن بن صالح کا بیان

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۱	مگر وہ پھر بھی قاضی القضاۃ اور وزیر خزانہ نہ بنے	۸۱	یحییٰ بن معین کا بیان
۹۴	فقتاد کا مخلصانہ مشورہ	۸۲	سفیان بن عیینہ کا بیان
۹۵	امام حسن کو نزاریتے وقت خاصے لوگ جمع کر دیے جاتے تھے	۸۳	ابراہیم بن عکرمہ النخزومی کا بیان
۹۶	ابو جعفر منصف کے ہمیشہ بھی امام صاحب کو کوڑوں کی نزاری گئی	۸۴	علامہ محمد طاہر کا بیان
۹۶	امام صاحب کو برہنہ کنکے نزاری جاتی تھی	۸۵	نواب صاحب کا بیان
۹۷	حضرت امام احمد کا تاثر	۸۶	مولانا محمد حنیف صاحب ندوی کا بیان
۹۸	جیل خانہ میں اذیت	۸۷	حضرت مولانا سید ندوی حسین صاحب کا بیان
۹۹	قید خانہ ہی میں زبردستی زہر دیا گیا	۸۸	تابعی کیلئے مجاہد الحدیث کے نزدیک روایت شرط نہیں ہے
۱۰۰	فقہ حنفی کی مقبولیت	۸۹	امام صاحب تابعی تھے۔ ابن ندیم
۱۰۱	اراکین شوری	۹۰	امام صاحب کی بشارت حدیث میں
۱۰۲	امام صاحب کی وسعت نظر	۹۱	حضرت ابو ہریرہ کی حدیث
۱۰۳	تدوین کتب کا سہو امام صاحب کے سر ہے	۹۲	امام سیروطی سے اس کی تشریح
۱۰۴	صدر الکتاب، امام سیروطی، ابن حجر مکی	۹۳	دین کا کیا مفہوم ہے؟
۱۰۵	الفقہ الاکبر اور کتاب العلم والمعلم وغیرہ صاحب کی تالیفات ہیں	۹۴	اس کی تشریح امام نووی شافعی سے
۱۰۶	امام ابن ندیم، وطاش بخاری زاہد	۹۵	حدیث بقرہ کا مصداق ابن حجر مکی سے
۱۰۷	باب حج	۹۶	محمد معین سندھی سے
۱۰۸	حضرت امام صاحب اور علم حدیث	۹۷	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے
۱۰۹	امام ابن عبدالبر کا حوالہ	۹۸	نواب صاحب سے
۱۱۰	محمد ثابین عدنی کا حوالہ	۹۹	امام صاحب کی دیانت
۱۱۱	امام مکی بن ابراہیم کا حوالہ	۱۰۰	امام صاحب کی امانت
۱۱۲	امام عدیلی بن مائان کا حوالہ	۱۰۱	امام صاحب کی استقامت
۱۱۳	امام ابو عبد الرحمن المقرئ کا حوالہ	۱۰۲	ابن ہبیرہ نے ایک دم کھڑے امام صاحب کو لگاتے تھے
۱۱۴	امام اسرئیل کا حوالہ		
۱۱۵	امام عدیلی بن یونس کا حوالہ		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۱	مولانا میر سیال کوٹلی صاحب	۱۱۲	امام عبداللہ بن داؤد الخرمی کا حوالہ
۱۲۲	نواب صاحب	۱۱۳	امام زفر کا بیان
۱۱۱	غزیرۃ الطالبین کی عبارت کا محل	۱۱۴	محدث مہر بن کدائم کا بیان
۱۱۲	حنفی اہل سنت ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ	۱۱۵	امام یزید بن ہارون کا بیان
۱۱۳	مؤلف نتائج التقلید کا باطل دعوے	۱۱۶	امام یحییٰ بن سعید القطان کا حوالہ
۱۱۴	امام صاحب حفاظ حدیث میں سے تھے	۱۱۷	کتاب الامان امام البھینہ کی ہے
۱۱۵	علاقہ ذہبی۔ امام حاکم	۱۱۸	محدثین کرام کے نزدیک ہونے سے حدیث کی آمد و بدل جاتی ہے
۱۱۶	حافظ الصالحی الشافعی	۱۱۹	امام ابراہیم بن سعید الجعفی سے
۱۱۷	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	۱۲۰	کُل صحیح احادیث کی تعداد؟
۱۱۸	امام خطیب تبریزی	۱۲۱	امام صاحب نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں
۱۱۹	ابن حجر عسقلانی	۱۲۲	امام کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟
۱۲۰	مؤلف نتائج التقلید کا نرا تعصب	۱۲۳	احکام الاحکام اطلاق کتاب سے۔
۱۲۱	حضرت امام البھینہ کی ثقاہت	۱۲۴	فقہ حنفی کی بنیاد احادیث و آثار پر قائم ہے۔
۱۲۲	امام علی بن المدینی سے	۱۲۵	کتاب الآثار سفینہ جلد ہے
۱۲۳	امام یحییٰ بن سعید سے	۱۲۶	امام صاحب ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے
۱۲۴	مؤلف ذخیرہ کلام اور نتائج التقلید کا انتہائی تعصب	۱۲۷	امام البراد کا حوالہ
۱۲۵	حدیث میں احتیاط	۱۲۸	عبدالکبیر شہرستانی کا حوالہ
۱۲۶	امام یحییٰ بن سعید سے	۱۲۹	فرقہ مرجئیہ
۱۲۷	سفیان ثوری سے	۱۳۰	ارجار کا معنی؟
۱۲۸	ابو یوسف سے	۱۳۱	امام صاحب اور آپ کے جمہور اصحاب
۱۲۹	علی بن الجعد سے	۱۳۲	کس معنی میں مرجئیہ تھے؟
۱۳۰		۱۳۳	ابن عبدالبر۔ شاہ ولی اللہ صاحب

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۴۹	امام صاحب اور آپ کے صحابہؓ پر بیڑہ کھنسنے کا حکم؟	۱۳۴	دیوخ بن الجراح سے
۱۵۰	علامہ خطیب بغدادی کے پیس کمرہ خوابوں کا حال؟	"	حدیث کے لیے امام صاحب کی شرط
۱۵۱	خواب کا شرعی حکم	"	علامہ قرشیؒ، ابن حجر مکیؒ، شعرائیؒ اور سیوطیؒ سے
۱۵۲	امام نوویؒ، علامہ عینیؒ اور مبارکپوری صاحب سے	۱۳۵	امام بخاریؒ، ابن العربیؒ جن حدیث کے استدلال کے قائل نہ تھے
۱۵۳	امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب	"	جمہور ان کے ساتھ متفق نہیں ہوئے
۱۵۸	امام صاحب کا اہل الرائے ہونا	"	حماد بن سنان سے ایک ہزار حسن حدیث مروی ہے
۱۵۹	رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۳۶	امام صاحب کی شرطیں کلمی ہیں مولانا مبارکپوری صاحب
"	مغرب اور صراح کا حوالہ	۱۳۷	احترام حدیث و حجت حدیثیں
۱۶۰	فتح الملہم اور نہایہ وغیرہ کا حوالہ	۱۳۹	قلت حدیث کا الزام
"	مجمع البحار اور مرقات کا حوالہ	"	ابن خلدون کا مفصل حوالہ
۱۶۱	امام ربیعۃ الرائی	۱۴۰	الحفاظ الصالحی کا مفصل حوالہ
۱۶۲	شہرستانی کا حوالہ	"	صحابہ کرامؓ میں کبھی اور مقتل کا ذکر
۱۶۳	ابن خلدون کا حوالہ	۱۴۲	غلطی کا سبب
	امام احمد بن حنبل کے مقتدیوں کیوں کم ہیں؟	۱۴۳	محقق ابن خلدون سے
۱۶۹	ابن خلدون اور نواب صاحب سے	۱۴۴	حضرت امام شافعیؒ قبیل الحدیث تھے
۱۶۷	حضرت مجدد الف ثانی کا حوالہ	۱۴۵	الواجہم اور محلی کا حوالہ
۱۷۰	اصحاب الرائے کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے	۱۴۶	امام صاحب پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام
۱۷۱	حضرت مجدد الف ثانی سے	۱۴۷	نیج بن حماد کا ترجمہ
۱۷۱	اہل الرائے اور حضرت بھی تھے	"	مولانا میر صاحب کا بیان
"	کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟	۱۴۸	امام صاحب کے مخالفین کا انجام
۱۷۲	امام محمدؒ اور ابن حجر مکی سے	"	مولانا حافظ عبد المنان صاحب کا حوالہ
۱۷۳	حضرت علیؒ کا ارشاد	"	مولانا میر صاحب کا چشم دید واقعہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۹۷	عبداللہ بن داؤد الخرمی سے	۱۷۲	حدیث سے رائے کی عدد کی کا ثبوت
۱۹۸	قاضی الحنفی بن عمارہ سے	۱۷۵	یہ حدیث صحیح بلکہ مشہور اور مستواتر ہے
۱۹۸	امام ابن حنین اور ابن عبدالبر سے	۱۷۷	ایک اور حدیث سے رائے کا ثبوت
	باب ششم		حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۱	مذہب رائے		حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	قرآن میں رائے استعمال کرنا	۱۷۹	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۲	یَقِیْنُونَ اَنْتُمْ وَاَنْتُمْ بِرِیْمِمْ اور اس کا حال		حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۳	اولاد سبیا کی حدیث		حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
۲۰۳	اِنَّكُمْ وَاَصْحَابِ الدِّیْنِ كَاثِرٌ	۱۸۰	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	کون سی رائے اور قیاس مذہب یا محمود ہے؟		حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کام لیتے تھے
	متعدد حوالوں سے اس کا ثبوت		قیاس شرعی حجت ہے
۲۰۵	حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر	۱۸۲	امام صاحب کس وقت رائے قائم کرتے تھے
۲۰۶	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر		نخودان کا اپنا بیان
۲۰۷	حضرت امام بیہقی کا فیصلہ	۱۸۳	ابن حجر مکی کا علامہ ذہبی اور شحرانی کا
۲۰۸	مجتہد کو بصورت خطا بھی ایک اجر ملتا ہے	۱۸۵	دیگر متعدد حوالے
۲۰۹	رافضی کا قول کہ مذاہب اربعہ نواہی عبادہ ہیں۔	۱۹۰	"اہل اللہ کے ہونا موجب قدر نہیں" ابن حجر مکی سے
۲۱۰	شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مسکت جواب	۱۹۱	امام شحرانی کے حوالے سے
۲۱۱	علامہ بدرالدین عینی کا حوالہ	۱۹۲	مخبر واحد قیاس پر مستقیم علامہ ضکفی، شامی کا
	علامہ شاطبی کا حوالہ	۱۹۵	شاہ ولی اللہ صاحب کی تفسیر واجب اور حرام کی علامات
۲۱۳	ترک رائے دوسری صدی کی بدعت ہے	۱۹۷	"ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے"
۲۱۳	ابن عبدالبر کا بیان		علامہ ابن حزم وغیرہ سے
۲۱۴	قاضی شوکانی کا بیان		ام صاحب پر حاسدین نے کلام کیا ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۰	حضرت علیؑ اور امام بخاریؒ نے حج موت کی آرزو کی تھی	۲۱۵	امام شافعیؒ کا حوالہ
۲۲۱	کتنے دنوں میں قرآن کریم پڑھنا چاہیے؟	۲۱۶	امام صاحب پر مخالفت حدیث کا الزام
۲۲۲	متعدد حضرات ایک ہی رات میں قرآن ختم کریں گے تھے	۲۱۷	ایسا ہی الزام حضرت امام بخاریؒ اور
۲۲۳	حضرت امام بخاریؒ کا بھی یہی معمول تھا	۲۱۸	ابن العربیؒ پر بھی عائد ہو سکتا ہے
۲۲۴	کہ نسبت کے درجات	۲۱۹	اور امام مالکؒ پر بھی
۲۲۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے	۲۲۰	اور امام شافعیؒ پر بھی
۲۲۶	مشورہ کے قبول کرنے، نہ کرنا یا حکم	۲۲۱	کیا امام ویسؒ بن الجراح نے امام صاحب
۲۲۷	اُسر اور لشکر کو اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا امر۔	۲۲۲	کو مخالفت حدیث کہا ہے؟
۲۲۸	اہل نظر کے لیے معنی مجرور اور اس کی مثال امام	۲۲۳	الساجیؒ کا کیا مقام ہے؟
۲۲۹	فرونیؒ اور ابن دینق العید سے	۲۲۴	متعصب کی صرح کا قاعدہ "امام ساجیؒ سے
۲۳۰	الحاصل	۲۲۵	امام دیکھ کا امام صاحب پر اعتماد
۲۳۱	امام صاحب پر اجراء قیاس اور طے کا اعتراض	۲۲۶	اشعار بدن کا مسئلہ اور اس کی تحقیق
۲۳۲	امام ابن عبد البرؒ ہی سے اس کا جواب	۲۲۷	امام ابن ابی شیبہؒ کے اعتراضات کا جواب
۲۳۳	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا حوالہ	۲۲۸	باب ہفتم
۲۳۴	امام حاکم، ابو نعیم اصبہانیؒ اور	۲۲۹	مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث
۲۳۵	خطیب بغدادیؒ متعصب ہیں	۲۳۰	بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم
۲۳۶	القومی، الریحانیؒ اور ابن الجوزیؒ سے	۲۳۱	حضرت مابورہؒ کا واقعہ
۲۳۷	حافظ ابن حجر مکیؒ	۲۳۲	ایک لونڈی کا واقعہ
۲۳۸	امام خطیبؒ پر ابن الجوزیؒ کی کٹی صرح	۲۳۳	صلح حدیبیہ کا واقعہ
۲۳۹	علامہ ذہبیؒ کا ناطق فیصلہ	۲۳۴	صوم الدھر کا حکم
۲۴۰	باب ہشتم	۲۳۵	خصائل فطرت کا بیان
۲۴۱	ایک لطیف بحث	۲۳۶	موت کی آرزو کرنے کا حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۴۰	رجوع الحدیث	۲۵۸	فقہ حنفی کے سب مسائل اہم صاحب کے فرمودہ نہیں؟
"	علامہ خطیب بغدادیؒ کا تعصب	"	مرزا حیرت صاحب سے
"	حافظ الصالحی الشافعیؒ سے	"	کیا کتب فقہ میں کمزور مسائل کی وجہ سے فقہ کا انکار کر دینا چاہیے؟
۲۴۱	امام دارقطنیؒ اور ابو نعیم کا تعصب	"	کیا موضوع اور جھوٹی حدیثوں کی بنا پر سب حدیثوں کو ترک کر دیا جائے گا؟
"	ابن عبد السامی الحنبلیؒ سے	"	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے
"	امام دارقطنیؒ اور علامہ خطیب کا تعصب	۲۵۹	مؤلف نسیج التقليد کا صاحب ہونے سے
"	علامہ خطیب کا تعصب	۲۶۰	اور علامہ زلیخیؒ پر غصہ اور اس کا جواب
۲۴۲	علامہ السخاوی الشافعیؒ کا ناطق فیصلہ	"	درایہ نصب الذریعہ کی تخصیص ہے
۲۴۳	امام ابن خلدانؒ کا حوالہ	۲۶۱	مشکوٰۃ اور حجتہ اللہ میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
"	اہم صاحب پر قلت عزیمت کا اعتراض	۲۶۲	غزینۃ الطالبین اور ایماہ العلوم میں جعلی حدیثوں کی بھرمار
۲۴۴	اسکا منکرت جواب حافظ محمد بن ابراہیم الوزیریؒ سے	"	ابن ماجہ میں بھی جعلی حدیثیں موجود ہیں
۲۴۵	مؤلف حقیقت الفیضہ کلبے کا تعصب	"	مسند احمد میں بھی موجود ہیں
"	اس کا دندان شکن جواب	۲۶۳	حقی کہ نسائی اور ابوداؤد میں بھی جعلی حدیث موجود ہے
۲۴۸	کیا احفاد میں بھی کوئی ولی ہوا ہے؟	۲۶۵	تقصیر و تضعیف بھی اجتہادی امر ہے
۲۴۹	حنفی مصطلح کا مقام مشرکین کا دارالاندوہ تھا	"	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے
"	اس کا جواب	۲۶۶	اگر محدثین کی تقلید گمراہی نہیں تو ہفتار کی تقلید کیوں گمراہی ہے؟
۲۸۰	ایک اور اعتراض اور اس کا جواب	"	کتب فقہ اور ہدایہ کا مقام
۲۸۱	غیر متقدمین حضرات کے شیخ الکل	۲۶۷	نواب صاحب اور قمر صاحب سے
"	حضرت میاں صاحب نے اپنے اساتذہ پر اعتماد رکھنے والے کو مردود کہا ہے	۲۶۸	اور مولانا سید نذیر حسین صاحب سے
"	کیا اصحاب ابی حنیفہؒ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟		
۲۸۲	اس کا جواب		

دیباچہ

طبع سوم

مُبَسِّلاً وَمُحَمَّدٍ لَأَوْ مُصَلِّياً: اِقْبَالِد: اللہ تعالیٰ کا ارب اور
 کھرب دفعہ شکر ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت انسان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ
 سراج الأمت، نادرۃ زمان محدث کبیر، حافظ حدیث، سید الفقہاء، مجاہد عظیم، رأس الاقنیاء،
 حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی اور عملی مقام بیان کرنے کے علاوہ ان پر قدیماً و حدیثاً
 کیے گئے اہم اعتراضات کے باحوالہ ٹھوس اور مسکت جوابات اس پیش نظر کتاب میں منظرِ تحریر
 میں لائے، راقم کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو ایسی اعلیٰ مقبولیت حاصل ہوگی کہ اکابر علماء کرام
 اس کو بے حد پسند کریں گے، اور اس پر داد و تحسین دیں گے لیکن قارئین کرام تصدیقات علماء کرام
 میں اس کتاب کے بارے پاک دہندہ کے اکابر ملت کے بیانات اور تصدیقات پڑھیں گے تو
 ضرور یہ محسوس کریں گے کہ اس موضوع پر یہ کتاب بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی معلومات افزا اور
 تحقیقی ہے حتیٰ کہ مؤلف نتائج التقلید (جن کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور جو اب جو ہم
 ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے گناہوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے آمین) یہ
 لکھنے پر مجبور تھے ہیں کہ :- ان میں ایک تو مولانا مولوی محمد رفیع صاحب لکھنؤوی ہیں جو اپنی
 علمی قابلیت، وسعت معلومات اور تدریسی و تصنیفی شہرت کے اعتبار سے دیوبندیوں میں خاصے
 معروف و مشہور ہیں بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ عہد حاضر کے فنِ مخالفہ (یعنی فنِ تحقیق کیونکہ

رکھ لیا ہے نام اس کا آسمان تحریر میں۔ صفدر کے امام مجتہد ہیں تو درست و صحیح ہے چنانچہ ان کی تصنیف احسن الکلام ان کی مجتہدیت اور فنی کمالات پر شاہد ہے نہ صرف یہی بلکہ نتائج التقلید کے جواب میں مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ اور طائفہ منصورہ میں جس انداز سے فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کا ایسا شاہکار ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر شاید ہی پیدا ہو (بلفظہ مقام بلخ ص ۳) موصوف نے آگے اپنی اس کتاب میں چند مقامات میں گکھڑوی صاحب کا عنوان احتیاء کچھ کے مقام ابی حنیفہؒ کی کچھ نامکمل اور اوصوری عبارتیں بھی نقل کی ہیں اور پھر بزعم خویش ان پر تنقید کرنی بے جا سمجھی کی ہے لیکن پوری دیانت کے ساتھ عرض ہے کہ اس تنقید میں بجز دل کی بھڑاس نکلنے کے کوئی علمی اور تحقیقی جان نہیں ہے اور ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں کہ ہم پہلے ان کی پیش کردہ تنقید میں جان ڈالیں اور پھر اس کی تردید کریں، ہم ہر منصف مزاج سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی بے وزن تنقید کا خود ہی انصاف سے جائزہ فرمائیں کہ کیا علمی اور تحقیقی طور پر اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے؟ ہاں ان کی اس کتاب میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو علوم کے لیے موجب شہاب ہو سکتی ہیں اور ان کا جواب بھی ضرور ہونا چاہیے لیکن ان باتوں کا تعلق اس پیش نظر کتاب مقام ابی حنیفہؒ سے نہیں بلکہ تقلید وغیرہ دیگر پہلوؤں سے ہے انشاء اللہ ان کا جائزہ الکلام المنید وغیرہ میں لیا جائے گا، اس کتاب میں غیر متعلق امور چھیڑ کر ہم قارئین کو ان کے اذعان کو بلاوجہ مشغول نہیں کرنا چاہتے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور اہل حق سے وابستہ رکھے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وجميع متبعیہ الی یوم الدین۔

احقر النکس البوالزاهد

۹ ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ

۶ فروری ۱۹۶۰ء

پاک و ہند کے مشہور و مقتدر اور جلیل القدر علماء کرام کی

تصدیقات

①

اساتذہ العلماء۔ راس المحققین سابق وزیر معارف شرعیہ ریاست ملتان و شیخ التفسیر
دار العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و حالاً شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكُنْفَى وَسَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الذِّیْنَ اصْطَفٰی

کتاب مندرجہ صدر حضرت مولانا ابوالزہاد محمد رفیع صاحب کی تصنیف ہے جو نئی تصنیف
کے جواب میں لکھی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جو شخصیت جس قدر باکمال اور مقبول عند اللہ ہوتی
ہے، اسی تناسب سے ان کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، صبحی محمد صافی نے اپنی کتاب
”فلسفۃ التشریح فی الاسلام“ میں لکھا ہے کہ معنیوں کی تعداد جملہ عالم اسلام کی دو تہائی ہے،
مالکیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے، شافعیوں کی تعداد دس کروڑ، حنبلیوں کی تعداد تیس لاکھ
ہے، یہ ایک شافعی مصنف کی رائے ہے، اس سے امام موصوف کی مقبولیت عند اللہ کا اندازہ
لگائیے، امام ابن تین شامی نے امام صاحب پر امام بخاری کے اعتراض کے سلسلے میں بالکل
درست لکھا ہے کہ لا یرعی شجراً الا ذؤنمہ۔ امام ابو حنیفہ پر مخالفین کے جملہ اعتراضات کا خلاصہ تین
امور ہیں۔ (۱) فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب (۲) دوئم قلت حدیث کا الزام (۳)
قیاس و رائے کو حدیث پر ترجیح دینا اور فقہ پر اعتراض۔ زیر نظر کتاب اٹھ ابواب پر مشتمل ہے،
پہلے تین ابواب میں فقہ کا شرعی محمود اور مطلوب ہونا ثابت کیا گیا جس کے لیے قرآنی آیات و

احادیث و تعامل صحابہ سے استدلال کیا گیا اور نقول کا پورا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔ جو تھے باب میں زور و دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مقام علم کلام و فقہ میں تمام ائمہ سے بلند تھا۔ باب ششم و ہفتم و ہشتم میں مخالفت حدیث اور رائے مذمومہ سے امام ابوحنیفہ کی برأت مدلل طریقہ سے ثابت کی گئی ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ کتاب مخالفین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹنے اور امام ابوحنیفہ کے اصلی مقام کو واضح کرنے میں لاجواب ہے، ان امور کے علاوہ ضمنی طور پر یہ کتاب دیگر نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام موصوف پر اعتراض کرنا آفتاب پر پتھر کئے کا مترادف ہے، خداوند تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ / ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء

شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ کی علمی علوم اسلامیہ کوئٹہ

(۲)

استاذ الاساتذہ۔ سند العلماء۔ سید المناظرین علامہ دوران

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

درس عربیہ غیر المدارس عمان (مغربی پاکستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْعَکْرِمِ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ

اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ، اَجْمَعِیْنَ،

اتابعد!

سیدنا امام الائمہ سراج الائمۃ امام عظیم حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف مخصوصہ، علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، امانت و اجتهاد وغیرہ جس طرح تمام اہل ایمان میں ستم ہیں، اسی طرح آپ کی شانِ محدثیت، حدیث دانی، حدیث فہمی بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اس لیے ایک شخص کی علمی خوبیوں کے لیے اس کی درس گاہ، انصابِ تعلیم، اس کے فہم و فراست، اس کے شیوخ و اساتذہ، جلیل القدر تلامذہ، امت مسلمہ کی شہادت پر نظر کرنا اس کی جلالیت شان کے لیے کافی ثبوت ہے۔

سیدنا امام عظیم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ دارالعلوم کوفہ محترمہ تھا۔ جس کے سرپرست اعلیٰ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور اس کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اور دونوں حضرات کے علوم حدیث و فقہ پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بنیاد تھی۔ چنانچہ سراج المند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶ میں فرماتے ہیں وکان ابوحنیفہ الزمہد بزمہد ابراہیم الخثعمی واقربانہ اہ یعنی حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے اقران کے مذہب کو امام ابوحنیفہؒ زیادہ لازم پکڑنے والے تھے۔ اور ص ۱۱۶ میں فرماتے ہیں۔ واصل مذہب فتاویٰ عبد اللہ بن مسعود و قضایا علی و فتاواہ و قضایا شیخ و غیرہ من قضاء الکوفۃ اہ۔ یعنی ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علیؑ کے فیصلے اور فتوے اور قاضی شریحؒ وغیرہ کے فیصلے تھے۔

اور حضرت علیؑ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن قیم اعلم الموقعین ص ۱۶ میں امام مسروقؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

عن مسروق شامت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمہم ینتہی الی سنتہ علیؑ و عبد اللہ و عمر و زید بن ثابت و ابی الدرداء و ابی بن کعب۔ ثم شامت السنۃ فوجدت علمہم انتہی الی علی و عبد اللہ۔ اہ

یعنی حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو دیکھا تو سب کا علم (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوا تھا) چھ صحابہؓ میں موجود پایا۔ پھر ان چھ کو جانچا تو ان کا علم حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں پایا۔

حضرت علیؑ تو باب علم ہی ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعما د تھا کہ آپ نے ان کو چار سندوں سے نوازا تھا۔ سند قرآن، سند حدیث، سند فقہ، سند سیاست، اور لوگوں کو ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور مسائل تمام حدیث کے مطابق ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اپنے مکاشفات میں لکھتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقتہ انیقۃ ہی اوفق

الطرق بالسنة المعدوفة التي جمعت ولقحت في زمان البخاري واحصاه (بعض فضيل المؤمنين)
 یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں مجھے خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے معلوم کرایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عیوڈ طریقہ ہے کہ وہ زیادہ موافق ہے سنت نبوی مشہور کے جو
 جمع کی گئی ہیں امام بخاری اور ان کے زمانہ میں۔

اس زمانہ میں نصاب تعلیم بھی قرآن و حدیث تھا۔ فنون کاروان بعد میں درس گاہوں میں ہوا
 ہے اور فہم و فراست امام ابوحنیفہ کا معروف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں :-

لا نكذب بالله ما سمعنا احسن من ذلك ابي حنيفة اه۔ یعنی اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں کہتے۔
 ہم نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے کوئی اعلیٰ رائے والا سنا بھی نہیں۔ ایسی حدیث کی جامع اور ماہر شخصیتوں کی
 درس گاہ جس کا نصاب تعلیم قرآن و حدیث ہو کبھی حدیث سے خالی ہو سکتی ہے؟ امام عظیم ابوحنیفہ نے
 اسی درس گاہ میں پڑھا و پڑھایا۔ مجھلا اس بابرکت درس گاہ کے طالب علم اور مدرس حدیث سے
 ناواقف ہو سکتا ہے؟۔ فی اللعجب۔

شیوخ و اساتذہ امام ابوحنیفہ اکابر محدثین تابعین، امام شعبی، سلمہ بن کبیل، محارب بن دثار، امام
 باقر وغیرہ جیسے تھے، حسن بن زیادہ کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے یوہزہ
 حدیث سے دو ہزار باقی شیوخ سے۔ امام عظیم ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے صرف
 وہ شاہیر محدثین جن کو امام صاحب سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، وہ بھی کافی ہیں۔ حافظ ابوالحسن شافعی
 نے ۹۱۸ شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ جن میں بعض کے نام یہ ہیں: یحییٰ بن سعید القطان، عبد اللہ
 بن المبارک، یحییٰ بن زکریا، وکیع بن جراح، یزید بن ماروان، حفص بن غیاث، ابوعمام النبیل، عبد الرزاق
 بن الہمام، وغیرہ وغیرہ۔

پہلا شاہیر محدثین اساتذہ کرام اور نقاد حدیث تلامذہ عظام رکھنے والا اور خود صاحب فہم و فراست
 حدیث کے خالی ہو سکتا ہے؟ فی اللعجب۔ جس کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود
 ہوں۔ مگر ہم ان میں سے ایک شہادت مذہب اہل حدیث کے مجدد نواب صدیق حسن خان صاحب
 قزوینی کی امام عظیم کے کبار محدثین میں سے ہونے کی دلیل خود علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں :-

ویدل علی انه من المجتہدین فی علو الحدیث اعتماد مذہبہ بینہم والتعویل علیہ واعتبارہ

مذاق قبولاً۔ (المحلہ ص ۲۳) یعنی امام ابوحنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق و مخالفت رد و قبول کی طرف متوجہ ہیں۔

غیر مقلدین نے حمد و عداوت یا ان کے مدارک علیہ سے ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پر قلت حدیث کا اعتراض کیا، اور ان کے احتیاطی الروایات کو دیکھ کر ان کے ہمز کو عیب سمجھا، جس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہے۔

گر نہ بیند بروز شپہ چہ چشم!
چشمہ آفتاب را چہ گناہ!

مکرم محترم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ علامۃ العصر حضرت مولانا ابوالزہد محمد سر فراز رضوان صاحب خلیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ نے (مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ) لکھ کر ایک طرف تو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عقیدت مندی اور محبت و مودت کا اظہار کیا۔ تو دوسری طرف غیر مقلدین کے تمام اعتراضات اور شبہات و مناقشات کا مدان شکن نہایت ممانت اور تسلی سے عالمانہ جواب دے کر عام احناف پر احسان کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ اور دنیا و آخرت میں ان کی صدق نیت اور اخلاص سے بڑھ کر اپنی رضا و قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں موافقین اور مخالفین سے التجاہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بنظر انصاف ایک مرتبہ ضرور کریں اور تعصب مذہبی کو اس میں دخل نہ دیں۔ امید ہے کہ ان شوہر شمیمہ کے ہونے کوئی انصاف پسند سراج الامتہ امام الائمہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے متعلق غلط فہمی یا ناواقفیت سے خیالات فاسدہ جمائے ہوئے ہیں۔ سب کا فور ہو جائیں گے۔ اور حق واضح ہونے کے بعد فوراً اس کو قبول کریں گے اور اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کرنے میں عار نہیں محسوس کریں گے۔

من آنچه شرط بلاغ است با تو میگویم
ترا ز نصیحت من پند گیسر و خواہ ملال!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ہتم دمک خیر المدارس ملتان

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

شیخ المعقول والمنقول ماہر علم حدیث و طبقات الرجال محقق دوران —

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل محترم مولانا سرفراز خان صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ و عافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے سلسلہ رسالوں کو بغور پڑھا، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، ماشار اللہ، آپ حضرت علم اور مذہب کی خدمت کا فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، ہمیں بھی رسالے قابل قدر ہیں، مگر یہ مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، امام عالی مقام سے بغض رکھنے والوں کی الزام تراشیوں کا ایسا دندان شکن مسکت جواب آپ نے دیا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ اس طرح چاک کیا ہے، کہ اس کے بعد کسی حیا دار کو اس قسم کی حرکتوں کی جرأت نہیں ہو سکتی، پھر ٹری خوبی یہ ہے کہ اس سخت مرحلہ پر بھی سنجیدگی و متانت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھے، اور خدمت دین و مذہب کی مزید توفیق عطا

فرمائے۔

حبیب الرحمن صاحب عظمیٰ

منوہ عظیم گڑھ، ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۸۲ھ

(۴)

فقیرہ دوراں مفتی عظیم پاکستان و سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد رفیع صاحب نور اللہ مرتدہ

علامہ محترم مولانا ابوالزہرہ سرفراز صاحب دارالعلوم علیہ بقائے بالخیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ بہ محترم کی کتاب مقام حضرت امام ابوحنیفہ وصول ہوئی اور ساتھ ہی گرامی نامہ بھی بہت افسوس ہے کہ جواب بہت دیر سے دے رہا ہوں، اتنی دیر کہ عذر کا ذکر بھی اب فضول معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت کی تصنیف لطیف احسن الکلام اس سے پہلے نظر نواز ہو چکی تھی اس لیے اس کے معاملہ میں کچھ زیادہ تنقید و مطالعہ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ میں ایسے ہنگامی مشاغل میں شب و روز مبتلا ہو گیا ہوں کہ پہلی کتاب کو بھی جتہ جتہ کہیں کہیں سے دیکھا تھا اور اس کو بھی اسی طرح، مگر اس کتاب پر کوئی تبصرہ لکھنے کے لیے دل نے یہ چاہا کہ پوری طرح دیکھ کر لکھا جائے و جہ یہ تھی کہ میں خود امام عظیم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت عرض کر چھوڑا کر رہا تھا اور اس کے لیے کچھ علمی مواد بھی جمع کر رکھا تھا مگر انہیں وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس کو کتابی صورت میں مرتب کر سکوں اس لیے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت یوں پڑی کہ اگر اس کتاب نے وہ مقصد پورا کر دیا تو اپنے قلب دماغ کو اس سے فارغ کر لوں اور سب کو اسی کے مطالعہ کا شوق دوں، مطالعہ کے لیے وقت ملتا نہیں۔ اس لیے میں نے اپنے دارالعلوم کے ایک فاضل عالم مدرس حدیث مولانا سلیم اللہ صاحب کو سپرد کیا کہ پورا مطالعہ کر کے مجھے کیفیت سے مطلع فرمادیں۔ آج انہوں نے پورے مطالعہ کے بعد جس اطمینان کا اظہار کیا اس سے بیحد مسرت ہوئی اب خود بھی کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھا بار بار دل سے دعا نکلی، بحمد اللہ میری آرزو پوری ہو گئی بلا مبالغہ عرض ہے کہ میں خود کہتا تو ایسی جامع کتاب نہ لکھ سکتا۔ اس موضوع پر یہ کتاب بالکل کافی مشافی ہے، مولانا موصوف سے بھی اچتر نے ان کی رائے لکھوالی ہے، وہ بھی مرسل ہے مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔

خدا کرے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ شائع ہو کر مفید علاقے بنے۔ والسلام
 بندہ محمد شعیب عفا اللہ عنہ
 ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

(۵)

عالم علوم عقیدہ و نقلیہ حضرت مولانا محمد سلیم اللہ صاحب اہمیت مجالسہم متمم جامعہ فاروقیہ ڈیرگاہی کبریٰ
 غمدۃ و نصلی علی رسولہ الکریم :- احقر نے مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کو از اول تا آخر
 بنور مطالعہ کیا ہے، اس کے مصنف مولانا ابوالزہاب محمد سرفراز کی بعض دوسری کتب بھی احقر کے
 مطالعہ میں رہی ہیں، مولانا موصوف کا تصنیفی انداز بہت سہجہ ہوا اور تحقیقی ہوتا ہے، وہ عام طور پر
 دقیق علمی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں اور نہایت سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ اہل حق کی تائید میں قرآن و سنت
 اقوال صحابہ و ائمہ تابعین و فقہاء سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

”مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ میں مصنف کا رائے سخن غیر مقلدین کی طرف ہے۔ اس جماعت
 کی دیدہ دہنی فہمائے اہمیت کی شان میں گستاخی اور استنزاء، ان پر بے بنیاد الزامات کے حملے
 روزمرہ کی بات ہو گئی ہے، پھر چونکہ سرتاج فہمائے سید الطائفہ امام الامہ حضرت ابوحنیفہؒ کی فقہ ہمارے
 دیار میں رائج اور معمول بہ ہے، اس لیے غیر مقلدین کا زور وطن و تشیع زیادہ اسی بزرگ امام پر صرف ہوتا
 ہے، اس لیے مصنف نے امام عظیمؒ کی شان تقویٰ و ورع اور علمی مقام ان کی مجتہدانہ خصوصیات، اور
 علم فقہ و حدیث و کلام میں ان کی امامت کو نہایت مستند اور ناقابل انکار شواہد اور حوالجات کے ساتھ
 پیش کیا ہے، اسی ضمن میں متعدد اصولی و فروعی دقیق مباحث پر بھی سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، مثلاً
 فقہ و اجتہاد کی اہمیت فہمائے کوفہ اور وہاں کے محدثین تفصیلی تعارف ”رائی“ کا صحیح مفہوم اور اس
 کی شرعی و عمرانی حیثیت امام عظیمؒ کے یہاں رائے و قیاس کے اعتبار کا صحیح معیار اور حدیث کا خواہ وہ
 ضعیف ہی ہو رائے پر رحمان جیسے بہت سے مسائل زیر بحث آگئے ہیں۔ مخالفین نے امام ابوحنیفہؒ
 پر جس قدر اعتراضات کئے ہیں، ان کے کافی و شافی جوابات دیے گئے ہیں، ہر جگہ علماء اہل حدیث
 کے اقوال کو بھی تائید میں پیش کیا گیا ہے، معترضین کے تعصب اور کج فہمی کو آشکار کرتے ہوئے

قدتی طور مصنف کا لہجہ تیز ہو جاتا ہے مگر وہ سنبھل سنبھل کر اس سے بچ سکتے ہیں اور عام طور پر غیر معتدین کی زبان میں گفتگو کرنے ہی سے پرہیز کرتے ہیں لیکن اہل حق کے ذوق کے مطابق اگر لہجہ میں بالکل بھی تیزی نہ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا بہر کیف ان کا یہ علمی شاہکار قابل صد آفریں ہے، حق تعالیٰ اس کو ان کے لیے فیخیرہ آخرت اور دوسروں کے لیے سامان ہدایت فرمائیں، آمین۔ فقط

محمد سید محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۴۲ھ

(۶)

عالم تحریر جامع اصول و فروع۔ مصنف باسع۔ فائق علی الاقران نورۃ اکابر

حضرت ناسیہ محمد یونس صاحب بنوری نور اللہ مقدر

سابق مہتمم مدرسۃ العربیہ۔ نیوٹاون کراچی ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد سيد الانبياء والمرسلين وصحبه

وتبعه اجمعين

امابعد

اس پُر آشوب دور میں جہاں شعائر اسلام اور شعائر دین کا استخفاف روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین اسلام داخلی و خارجی فتنوں سے ہلکا نہ ہوا اسلام کے نام سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہو، کتاب و سنت و احادیث نبویہ کی تحریف و انکار کے فتنے زور و شور سے ملک میں پھیل رہے ہوں اور اسلام کے نام سے پورا کھڑا مسلط کیا جا رہا ہو، اس قسم کے پُر فتن دور میں بعض حضرات اور ناعاقبت اندیش افراد کا یہ مشغلہ کتنا تکلیف دہ ہے کہ امام دین حضرت امام عظیم ابوحنیفہؒ کو ہنر طعن و تشنیع بنانے میں پوری قوت و توانائی خرچ ہو رہی ہو یا صدیق و فاروقؓ کی تکفیر و سب و شتم میں طعن آزمائی ہو رہی ہو، گویا مدعیان اسلام اور خیر خواہان دین محمدی کے جہاد کے لیے یہی میدان رہ گیا ہے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دردناک داستان کی ایک کڑی وہ کتاب ہے جو نتائج التقلید کے نام سے تصنیف

کی گئی ہے جس میں عرصہ دراز کے متعفن و خلاف واقعہ اکاذیب کو جدید سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک عرصہ سے علماء امت ان کا استیصال کر کے دفن چکے تھے، اور ایک ہزار برس تک ان پر خاک افشانی کرتے رہے اسلام کے اس نازک دور میں کفر و الحاد و کمیونزم کے دور میں ان غیر واقعی افسانوں کو علمی تحقیقات کا رنگ دے کر اس کی اشاعت کرنا کتنا دردناک نظر ہے۔

مثل هذا يذوب القلب عن كمد ان كان في القلب اسلام و ايمان

جناب محترم مولانا محمد سرفراز صاحب بارک اللہ فی حیاتہ ہمارے شکریر کے مستحق ہیں کہ وہ جنہوں نے ان خرافات کا عالمانہ و محققانہ جواب دیا اور مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ، تالیف فرما کر امت محمدیہ کی طرف سے فرض کفایہ کا حق نمایاں خوش اسلوبی سے ادا کیا مولانا کا اسم گرامی تو عرصہ سے کانوں میں پڑتا رہا، لیکن ان کو سمجھنے کا موقع اس کتاب کے علاوہ اکثر حصہ حروف و بیجا ماشاء اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مختلف گوشے فقہ میں نادرہ عالم اور فقہ امت ہونے کے نقول حفظ حدیث و وقت نظر کثرت مرویات، قلت روایت کا منشاء اور احتیاط فی الروایۃ اہل الرائے کی تحقیق وغیرہ وغیرہ ہی موضوعات پر مؤثوق مآخذ سے غزرنقول آگئے اور تقریباً اکثر ابجاث پر استیفاء کے ساتھ سیر حاصل تبصرہ بصیرت افزوز محققانہ انداز سے ہو گیا اور معتز ضمیمہ و ناقدرین کے شکوک و شبہات و وساوس و ادبام کا نہایت خوش اسلوبی سے استیصال کیا گیا انداز تحریر عالمانہ ہے، اردو شگفتہ ہے اسلوب بیان مثر ہے، کہیں کہیں ادبیانہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور مثر و نافع بنائے، اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمود یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۲۸ صفر الخیر ۱۳۸۲ھ

(۷)

استاذ العلماء المحققین۔ محقق نبیل، عمدت جلیل، امام علوم اسلامیہ
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہیاریہ سندھ پاکستان

کرمی۔ اشکام علیکم درجۃ اللہ۔

آپ کی کتاب مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ موصول ہوئی، اسی وقت سے اس کو پڑھنا اور دیکھنا
شروع کیا، تمام تو نہیں دیکھ سکا، مگر اہم مقامات کو دیکھا، ماشاء اللہ آپ نے خوب لکھا ہے اور مضمون
کے اعتراضات کا کھوکھلا پن اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے، امام عالی مقام کا علم حدیث میں مرتبہ علیا اور
راستی اور اہل الاثری کا صحیح درجہ خوب واضح فرمایا ہے، جو انک اللہ تعالیٰ عنہا عن سائر المسلمین خیر الجزاء والسلام

ظفر احمد عثمانی صفحہ اللہ عنہ

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہیاریہ سندھ

۲۸ صفر ۱۳۸۲ھ

(۸)

شیخ المشائخ۔ عالم نبیل۔ ماہر لڑ شریعت، پیر طریقت
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب گمگن دھوی قصبہ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على خاتم الانبياء، وعلى آله المجتبي واصحابه

النجباء والائمة الهدى خصوصاً على ابي حنيفة المشيخ محدث لو كان العلم بالنبيا

باعتاد :-

احقر نے کتاب مستطاب مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بغور و نظر معائنہ مطالعہ کیا ہے ساختہ
زبان سے نکلا مثل هذا فليعمل العاملون، جمل جوں کتاب کو آگے دیکھا، شوق مطالعہ
دامنگیہ ہوا گیا کہ اللث يفعل الرجل البصير۔ حضرت مصنف دامت معالیہ دور حاضر کے
محققین مصنفین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس لاجواب کتاب میں جو عرق ریزی اور جانفشانی سے
خدا داد قابلیت کا اظہار فرمایا، چنانچہ باید و مصنف را شاید، باب زرباید نوشتن مخصوصاً باب ششم و

باب مہتمم باب کوڑ بایہ نوشت۔ ایسے جو ہر پائے جمع فرمائے ہیں جو اسفار کے دیکھنے سے کم نصیب ہیں، جس موضوع میں کتاب لکھی گئی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، اردو مطاعن میں وہ دن لنگن جواب ہیں۔ کہ قلم توڑ کر رکھ دی جائے۔ علاوہ ازیں افادیت کتاب کی شان یہ ہے کہ گویا تاریخ و اسما الرجال کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اہل علم حضرات اس کتاب سے مستغنی نہ ہوں۔ بہت معلومات عجیبہ انکشافات غریبہ پائیں گے۔ دعا ہے کہ خدائے قدوس اس محنت کو منظور فرمادیں اور حضرت مصنف کے لیے باعثِ رفع درجات ہو۔ جزاءہ اللہ عتاخیر الجزاء وجعل لمحات حیاتہ فی تقویۃ شریعتہ العلیا۔ وَصَّیْہُ آخِرَتَہُ خَیْرًا مِّنَ الْاٰوٰلٰی۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلٰی اللّٰہِ بَعِیْزٌ

احقر خادم الطلبہ
محمد شفیع عفی عنہ، از سرگودھا

(۹)

عالم باعمل۔ نور سلف حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

از احقر عبد اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ رشیدیہ ساہیوال

مکرم محترم حضرت علامہ مولانا صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ اور ہدیہ کتاب مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسرور فرمایا،
میں حیران تھا کہ میں کیا اور میری رائے کیا، میں نے تو کبھی کوئی تقریظ یا کوئی مضمون کبھی نہیں لکھا، مجھ
کو لکھنے کا سلیقہ ہی نہیں، اور میں کوئی عالم بھی نہیں، یونہی بزرگوں اور احباب کی شفقت میں کہ پردہ
پوشی ہو رہی ہے کتاب کا مطالعہ کیا، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کتاب کے مطالعہ نے میری بہت
اصلاح کی میں خود بعض گھنجلکوں میں تھا، گو محمد اللہ بظنی تو کبھی نہ ہوئی مگر جواب تفصیلی سے جاہل
تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جزا خیر عطا فرماوے، آپ کے لیے دل سے دعا نکل رہی ہے۔

احقر عبد اللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

۱۰

اساتذہ العلماء۔ قائد جماعت حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث جامعہ صلیبیہ علیہ السلام پورہ۔ گوجرانوالہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى ————— اما بعد

احقر حضرت مولانا ابوالزہد محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب (مقام امام ابوحنیفہ) اپنی کم فریبی کے باعث بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا، اس کے کچھ حصے دیکھے جس سے یہ عرض کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ صاحب موصوف نے اہل علم کو اس کی باحسن طریق رہنمائی کر دی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل، زہد، تقویٰ، اخلاص عمل، خوف آخرت، اجتناب عن العیوب والذنوب اور تبعہ عن ابناء الدنیا والملوک اور خشیتہ اللہ والتوکل علی اللہ الغرض ہر علمی اور عملی خوبی جو ایک اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے میں بعد الانبیاء پائی جاسکتی ہے، آپ اس سے موصوف ہیں (آفتاب آمد دلیل آفتاب) اور امام موصوف پر زبان طعن دراز کرنے والے آفتاب کی طرف تھوک ہے میں بہ

حد والفتی اذ لعینا لوافضله فالتاس اعداء له وخصومہ !

كفواثر الحسنة قلن لوجهها حسدا و بغياً انہ لدمیة

سو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب ہذا کی سعی مشکور اور عمل ماجور اور لغزشیں مستور فرمائے اور آپ کو اپنے امثال میں اسی طرح روشن کرے جس طرح انہوں نے سراج الامتہ کی روشنی لوگوں پر واضح کی ہے خصوصاً اس زمانے میں جب کہ کئی ایک لوگوں نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ تخریر اور ہدایتہ النخوطیہ کہ صحیح بخاری اور مسلم میں مہارت کے مدعی بن بیٹھتے ہیں اور ائمہ دین و مجال علوم کی وہ توہین اور مذمت کرتے ہیں کہ کوئی نیک دل مسلمان اس کے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

فالی اللہ المشیک۔

(الجدیس الدین علیہ السلام ناظم مدرس جامعہ صلیبیہ علیہ السلام پورہ گوجرانوالہ)

علم حقیقی، محقق جلیل حضرت مولانا سید امین الحق صاحب خطیب جامع شیخ پورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ابا بعد ا۔ بندہ اہقر نے کتاب مقام ابو حنیفہ مصنف محترم المقام فاضل جلیل صاحب بصیرت صاحب
التحقیق حضرت مولانا ابوالزادہ محمد سرفراز خان صاحب صفحہ کو از اول تا آخر ایک ایک سطر دیکھا کتاب
مذکورہ متلاشیانِ حق کے لیے بصیرت اور مشعل ہدایت ہے حضرت مولانا موصوف نے کتاب سنت
میں فقہ اور فقہاء کی ضرورت اور خصوصاً فقہ حنفیہ کی ترجیح اور تقدیم کی وجہ پر بہتر لطیف اور مبسوط
فرمائی ہے ہتقدیم میں اور متضمن فقہاء اور محدثین میں سراج الامت امام ابو حنیفہ کی علم حدیث میں
امامت و عظمت اور علم فقہ میں فضل و تقدم کو امت مسلمہ کے معروف اور مقبول ائمہ حدیث اور فقہ کے
مستند اور صحیح اقوال و آراء سے ظاہر فرمایا ہے، اور علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کے فضل و تفوق کے
متعصب بد زبان معاند کو نہایت متین و بخیرہ زبان میں مکت اور دندان شکن آخری جواب دیا ہے،
اور نتائج التقلید کے مولف اور دیگر اس قسم کے اندھے اور بد مزاج غیہ مقلدین کی تلبیسات کا پردہ چاک
کر دیا ہے، حضرت مولانا موصوف نے مقام امام ابو حنیفہ میں علم اور فہم و حزم کی بلند یوں میں دوسرے
متعلقہ اہم اوراق مباحث پر جس شان سے کلام کیا ہے وہ حضرت مولانا ہی کی شان کے شایان ہے
اور میرے دل میں سلف صلح کی علمی وسعت احتیاط اور سادگی کی یاد کو تازہ کر دیا ہے، مقام امام ابو حنیفہ
مذکورہ تمام مباحث کی سند اور صحت کے التزام کے ساتھ ان کی جامعیت حضرت مولانا کے فوق العادہ
علم و بصیرت اور اخلاص و محبت کے بے لوث تجلیات اور ہمدردانہ جذبات کے روشن دلائل
ہیں، مقام امام ابو حنیفہ اپنے موضوع میں بے نظیر اور بہترین تازہ تصنیف ہے اور اردو زبان میں ایک
بیش بہا علمی خدمات کے ایک مجموعہ کا اضافہ کر دیا، اہل علم طبقہ عموماً اور فقہ حنفی سے دینی
راہنمائی لینے والے خصوصاً مقام امام ابو حنیفہ کے افاضات سے ضرور استفادہ فرمائیں اللہ تعالیٰ
اس باریف کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے موجب بصیرت و ہدایت بنائے اور فضل مولف

کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین یا رب العالمین۔

(امین الحق خطیب جامع شیخ پورہ)

(۱۲)

فاضل زوجان، عالم بری، قائم علی الحق حضرت مولانا ابوالعجاز محمد زبیر اخیال صاحب ^{رحمۃ اللہ علیہ} خطیب جامعیت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَط

الحمد لله الذي جعل في كل زمان بقايا من اهل العلم. يدعون من ضل الى الهدى
ويبصرون بنور الله اهل العلى والهوى. وينصرون بالبراهين القاطعة الطريقة الخفية
البيضاء. ويرشدون بالدلائل الواضحة اهل الجهالة والردى وجعل طائفة من العصابة
الخفية بالحق قائلين ولاهل الهوى والضلالة مجاهدين لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله
وهم الغالبون. اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون. والصلوة والسلام
على خير الانام خاتم النبيا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين. اقبال

نہ من برآں گل عارض غنزل سزائم و بس

کہ عنذ لیب تو از ہر طرف ہزارانند

اگرچہ امام عظیم البرہینۃ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان اور فقہ حنفی کی شان و توصیف میں آج تک
کثیر التعداد رسائل اور کتب معروض وجود میں آئیں۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی اپنی
بساط کے مطابق طاقت منصوبہ اہل السنۃ والجماعت کے ائمہ کرام نے امانت اور ثقاہت
اور فقہ ہت امام عظیم میں شہادتیں دیں مگر

ہر گلے رازنگ و بولے دیگر است !

نادرة الدرہ۔ النموذج العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صاحب لازالت ثموس

فیوضانہ باز غس نے اپنی کتاب مستطاب میں فقہ حنفی کی قدر و قیمت اور فقہ وحدیث وکلام میں تمام
ائمہ کو جس زلے اور عام غم انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ کہ تری الاول للاخذ
کے اصول کے ماتحت اس کتاب کا وجود ضروری تھا جس میں دور حاضر کے فقہ کی سرکوبی کی گئی

اور ادفع بالتی ہی احسن السینۃ پر بھی عمل کیا۔ اہل حوی (اہل حدیث بزعم خویش) نے فقہ حنفی سے متنفذ کرنے کے لیے امام صاحب پر نہایت سوقیانہ انداز میں رکبیک حملے کئے اور منکرین حدیث نے امام موصوف کو منکرین حدیث کی سرفہرست شامل کیا ہے

کہ من عائب قولاً صحیحاً و آفتہ من الفہم السقیم

ان فتنوں کا ظہور نتائج تقلید اور دیگر کتب کی شکل میں ہوا۔ خصوصاً نتائج تقلید کی صورت پریشانی اور روپڑی تصدیقات کا غلغلہ لگایا گیا تاکہ دلدلاؤ گاں حوی خریدار ہوں۔ اور اہل حق اس کی زہریلی سے بیزار کانوں پر ہاتھ رکھ کر گریز پاتے تھے۔ چونکہ تحریف غالیں و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین سے حق و صداقت کی صیانت اور حفاظت ضروری تھی۔ اس لیے یہ سعادت حضرت شیخ الحدیث صدر مدرس مدرسہ نصرتہ العلوم گوجرانوالہ مولانا ابوالزہاد محمد سرفراز خاں صاحب کو نصیب ہوئی ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست تازہ بخشہ خدائے بخشندہ
مقام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تفسر فی الدین اور فقہ حنفی کی افادیت اور حقانیت کو مدال اور مہربان طریق سے بیان فرمایا ہے قال الشافعی :-

کل العلوم سوی القرآن مشغلة الا الحدیث والا الفقه فی الدین

یہ کتاب مولانا کی تبحر علمی اور وسعت مطالعہ اور فہم و ذکاوت کا خلاصہ ہے، نیز معتز ضیاء کے اعتراضات کا خوب تعاقب کیا، بلکہ یہ کتاب بہت سے علوم کا ذخیرہ ہے۔ خداوند کریم مولانا کی مساعی جمیدہ کو قبول فرمائے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اس عظیم الشان کام کے لیے صرف کیا۔
واللہ سميع علیم۔ (آمین ثم آمین)

حضرت کے تعمیل ارشاد کے لیے اظہار خیال کیا ہے، ورنہ مولانا کی کتاب میری تقریظ و تبصرے کی محتاج نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالاعجاز حفیظ الرحمن محمد نذیر اللہ خاں (فاضل دیوبند)

سرپرست جامع مسجد حیات النبی گجرات (المتوطن بلوچوڑیاں)

تحصیل کھاریاں

(۱۲)

سواء علماء اہلسنت والجماعت حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مفتی جامعہ شرفیہ نیلا گنبد - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبدا و محمد لا و مصليا و مسلما

امتا بعد :-

معلوم نہیں کیوں ہمارے غیر مقلد بھائی جو اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسرے تمام مسلمانوں کو وحدت پاک سے انحراف کے اشارہ سے پراپیگنڈہ پر تھے ہوتے ہیں، تقلید ائمہ اربعہ کو شرک قرار دیتے ہیں حالانکہ شرک صفات خاصہ اکبیر میں غیر کو شرک یک ماننا ہوتا ہے ورنہ اگر قرآن و حدیث کے نسخ و منسوخ راجح و مرجوح قوی ضعیف ظاہر و باطن اور نشا نشا راع میں کوئی کسی بزرگ کی تحقیق کو حضور کے زمانہ سے قریب علم و حافظہ کے سمندر کی غوطہ زنی تقویٰ و دیانت، دین داری کے اعلیٰ مدارج پر ہونے کی وجہ سے اپنی کم مائیگی اعلیٰ ہو اور ہوس کے زمانہ اور عمد شیر سے دوری کی بنا پر قبول کرتا ہے یہ شرک ہوتا ہے تو ہر انسان استادوں ماں باپ اور تمام علوم خصوصاً علم حدیث و رجال کے بتلنے والوں کی باتیں قبول کرنے سے شرک بنے گا اور کم سے کم یہ حضرات تو اپنے مسلمہ قاعدہ میں اگر شرک قرار پایا ہی جائیں گے، دوسرے لوگ تو اس اصل کے ہی منکر ہیں وہ ہر جگہ بری رہیں گے۔ اور گو ائمہ مجتہدین بہت بڑی تعداد میں ہوئے اور بہت بہت لوگ ان کی تقلید سے سرفراز ہوئے ہاں مکمل فروع و جزئیات پر صرف چار مذہب مدٹن ہوئے اور اب انہی تحقیقات پر مسلمانوں کی اکثریت عمل کی بنیاد رکھتی ہے، ان سب کو شرک کہہ کر اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور خصوصیت سے تمام ائمہ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ پر طرح طرح کے الزامات تراشتے بہتے ہیں، جن کا بے بنیاد، دغا خیز اور دھوکہ ہونا صدیوں سے تالیفات میں آیا ہوا ہے مگر علم دین اور تعلقات سے ناواقف یا کم واقف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھر ان باتوں کو دھرا کر مسلمان کو دھوکہ دیا جاتا ہے، قریبی زمانہ میں نتائج تقلید نام سے ایک کتاب اسی گندے پر دیگنڈا کی شاہکار کسی غیر مقلد صاحب نے لکھ ماری ہے، گویا اس میں کئی نئی نہیں اور نہ ہوسکتی تھی وہی فرمودہ الزامات جن کی حقیقت صدیوں سے واضح و آشکار

ہو چکی ہے، ناواقف یا کم واقف یا علوم دین سے بے پردا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی طرف منسوب کر کے شائع کی گئیں اور تہذیب کے حدود پر گہری ہوئی مجتہدانہ گالیوں سے اس کو مزین کیا گیا، شاید اپنے خیال باطل میں اس کو بھی اسلام کی کوئی خدمت قرار دیا ہوگا، اہل ایک خدمت اپنی ذات کی یہ ضرور کی الغیبۃ اشہد من الذنا حدیث پاک کی رو سے بدکاری سے بڑھ کر گناہ غیبت کا ارتکاب کیا اور کہ بڑوں مسلمانوں کو مشرک فاسق گردان کر اپنے لیے ایک راہ طریقہ بنائے آخرت میں سے بدترین انتخاب کر لی۔ اور چونکہ ائمہ اربعہ میں سے صرف امام عظیم تابعی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن صحابہ کے قرن اور تابعین کے قرن کو خیر ہی خیر فرمایا ہے، بعد میں کذب جھوٹ کے پھیلنے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اس قرن خیر کے کسی بزرگ کے خلاف ہرزہ سررائی "آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے" کا مصداق ہوئی ضروری ہے اور کذب و جھوٹ کا مرقع۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مفسد نے جیسے اور بہت سی تحقیق اور عجیب تحقیقات کی کتابیں لکھی ہیں "مقام امام ابوحنیفہ" نام سے سنابیت محنت اور بے حد تحقیقات پر مشتمل وہ کتاب لکھی ہے کہ پڑھنے والا حیرت میں رہ جاتا ہے اور آجکل کے دریدہ و ہن لوگوں کی دیانت و علمیت کا راز فاش ہو جاتا ہے، ہر بات پر تحقیق کا انبار اسلاف سے تحقیق اور خود فرقہ مدعی اہل پریش کے بزرگوں سے تحقیقات کر کے ہر ہر بات کی اصلیت اور اس میں بددیانتی یا غلط فہمی کی راہوں کی نشان دہی موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور کے ارشاد خیر القرون پر ایمان تازہ ہوگا، بدگمانی و غیبت اور مسلمانوں کو مشرک و فاسق بنانے سے نجات حاصل ہوگی۔ قرآن و حدیث کے مضومات میں سے ناسخ و منسوخ، قوی و ضعیف ظاہر و باطن راجح و مرجوح میں ہزار سالہ متفق شدہ تحقیقات یعنی ائمہ اربعہ کے فقہ میں تابعی فقہ اور راجح ترین فقہ معلوم ہو کر صحیح راہ ہدایت معلوم ہوگی، اس فقہ کی دو کشتیوں سے فوقیت سمجھ میں آئیگی اور راہ دین میں ایک بصیرت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائیں اور ایسے کاموں کی مزید توفیق بخشیں اور قبول خاص سے سرفراز فرمائیں۔

(جمیل احمد تھانوی، محرم ۱۳۸۳ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سخنہائے گفتنی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَیْرِ خَلْقِهِ
فَعَالِمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ الَّذِیْنَ هُمْ هُدٰةُ الدِّیْنِ وَعَلٰی
مَنْ تَبِعَهُ مِنْ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ ۔

جوں جوں قیامت قریب ہوتی جا رہی ہے فتنوں اور مصیبتوں کا دروازہ کشاہ تر ہوتا جا رہا
ہے، اور دینی و دنیوی ہر قسم کے فتنوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوتا جا رہا ہے جو کسی طرح ختم ہونے
میں نہیں آتا اور زمانہ بزبان حال گویا یوں کہہ رہا ہے کہ

ہری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپکتے ہیں
میں اپنی سیج روز و شب کا شمار کرتا ہوں دزدانہ

اور اس نازک دور میں ہر صاحب ہوس کی یہ خواہش ہے کہ مذہب اسلام کی پابندی سے
رنگاری حاصل کر لی جائے اور مذہبی قیود و حدود کو تخریب و کجی چاہی اور من مانی زندگی بسر کی
جائے اور اپنی ناقص اور نارسا عقل و رائے ہی کو اپنا امام تسلیم کر لیا جائے اور اعجاب کل ذی رائے
برایہ کا مظاہر کیا جائے اور سلف کے علمی کارناموں پر ہوس کی گرد ڈال دی جائے اور ان پر سے
اعتماد و اعتبار ہٹا کر لوگوں کو مادر پدر آزاد کر دیا جائے کہ نہ ہے بانس نہ بچے بانسری ۔

فَالِی اللّٰهِ الْمَشْکٰی۔

① منکرین حدیث نے مطلب برآری کے لیے محض اپنے بائیں ہاتھ کے کرتب اور شعبہ بازی سے جن حضرات کو منکرین حدیث کی مدین لاکھڑا کیا ہے ان میں ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی بھی ہے۔ چنانچہ (مقام حدیث جلد اول ص ۲۵۹ میں) تین بڑے بڑے منکرین حدیث کی سرخفتا تم کر کے بیچے لکھا ہے: امام ابو حنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ، اور علامہ اقبالؒ، اور "طلوع اسلام" کی ایک اشاعت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایک ذمہ دار شخصیت کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بیس کھم حدیثوں کا عالم اور مالک گردانا تھا، اس لیے بھی اشد ضرورت تھی کہ تاریخی طور پر حضرت امام صاحبؒ کا علم حدیث میں مقام اور رتبہ عرض کیا جائے، اور منکرین کے دجل و تبیس کو آشکارا کیا جائے تاکہ کسی کو مغالطہ نہ رہے اور صحیح بات ذہن نشین ہو سکے۔

④ غیر مقلدین حضرات نے جو بحیال خویش بلا شرکت غیرے اہل حدیث ہونے کے واحد ٹھکانہ بنے ہوئے ہیں، عوام کو یہ باور کرنے کا جماعتی منصوبہ تیار کر رکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور کتب فقہ حنفی پر تحقیراً و تقریراً ہر طرح خوب برس کر یہ سطح ہموار کی جائے کہ امام ابو حنیفہؒ تو حدیث میں ضعیف اور کمزور تھے ان کا سرمایہ ہی صرف سترہ حدیثیں تھیں اور ان کو ائمہ حدیث میں شمار کرنا غلط ہے وغیرہ وغیرہ اور شمع محمدی، بقیۃ الفقہ وغیرہ کتابیں اس پر عرصہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب بے بنیاد دعویٰ ان میں مذکور ہیں۔ مگر نتائج تقلید کے نام سے ان کی ایک مرکزی کتاب اب کچھ عرصہ سے شائع ہوئی ہے جس پر ان کی شنائی اور روپڑی پارٹی کے تقریباً سبھی حضرات کی تصدیقات موجود ہیں، چونکہ فریق ثانی اس طرز و طریق سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ کے اصحاب اور کتب فقہ حنفی سے عوام کو متنفر کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے، اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام مقام ابی حنیفہؒ تجویز کیا ہے اور پورے بسط کے ساتھ ہم نے اپنے دعویٰ پر ٹھوس حوالجات نقل کئے ہیں اور فریق ثانی سے ہم نے محض علمی مناقشہ کیا ہے۔ مؤلف نتائج تقلید اور اس کے اکثر تصدیق کنندگان حضرات کی طرح سو قیانہ اور دل آزار زبان اور لب و لہجہ اختیار نہیں کیا۔ شاید اس انداز میں بھی کوئی زندہ دل جواب دینے کے لیے میدان میں نکل آئے مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ فریق ثانی کی بعض تعصب آمیز باتوں کا جواب ہم نے "طائفہ منصورہ" اور "الکلام المفید" میں دے دیا ہے (جو انشاء اللہ العزیز عنقریب

طبع ہونے والی ہے)

(۳) لفظ فقہ اگر علم اور فن کی صفت ہو تو بلاشک یہ مذکور ہے اور اگر یہ درایت اور سمجھ کے معنی میں استعمال کیا جائے تو یہ مؤنث ہے۔ ہم نے ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ثنائی شقی ہی اختیار کی ہے اور پوری کتاب میں (الامامہ اللہ) ہم نے لفظ فقہ کو مؤنث ہی استعمال کیا ہے، اس لیے ارباب طرز جدید سے ہم معذرت چاہتے ہیں کہ اس پر کوئی گرفت نہ فرمائیں وَاَمْشَاخَةً فِي الْاِصْطِلَاحِ۔

(۴) اس کتاب میں جتنے حوالجات درج ہیں ان میں اکثر براہ راست راقم السطور نے خود کتابوں میں دیکھے ہیں، اور بعض کتابوں میں مثلاً الاعلان بالتبویح لمن ذم التاريخ للضادى عقود الجمان للعلامة الصالحى، مناقب ابى حنيفه وصاحبه للعلامة الذهبى، الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم للذهبي وغيره بعض حوالے ہم نے حضرت مولانا محمد رفیع صاحب نعمانی کی کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" اور "ما تأسس الیہ الملجأ" سے لیے ہیں کیونکہ براہ راست یہ کتابیں ہمیں دستیاب نہیں ہو سکیں، اور وقفہ علی اہل الحدیث کا مسئلہ جو در مختار اور رد المحتار کے حوالے سے آئے گا وہ ہم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کا مصلوٰی کی کتاب "ذہب اہل سنت والجماعت" سے لیا ہے اور بقیہ حوالجات کا بڑی ہی کتابوں کی رہنمائی میں ہم نے اصل کتابوں سے نقل کیے ہیں، والہامشاء اللہ تعالیٰ۔

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ چونکہ اس ضخیم کتاب کی پوری تسوید ایام تعطیلات سالانہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ یعنی تقریباً ۱۰ رجب ۱۳۸۱ھ سے لے کر ۲ رمضان ۱۳۸۱ھ تک میں ہوئی ہے اور گھڑکی تمام مصروفیات کے علاوہ علالت بھی ساتھ ساتھ ہی رہی ہے اس لیے اگر کسی مقام میں کوئی سقم نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ طبع جدید میں اصلاح کر لی جاسکے بعض اکابر کی طرف سے اور خصوصاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی طرف سے کچھ اصلاحات بھی موصول ہوئی ہیں جن کو اس طبع میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) چند مقامات میں حوالجات کا کچھ تکرار بھی ہو گیا ہے، مگر اہل علم بخوبی سمجھ لیں گے کہ ایسا کرنا بھی ناگزیر تھا، اور انشاء اللہ العزیز یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم

سے راقم کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کو دور کرے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
آمین ثم آمین!

ابوالزہاد محمد سر فراز خاں صفدر،

۶ رمضان المبارک ۱۴۸۱ھ

مطابق ۸ فروری ۱۹۶۳ء

باب اول

تفہم فی الدین

عقل و خرد اور فہم و فراست خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و منزلت کو صوف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو ربّ کی قدرت کی طرف سے اس دولتِ غلطی سے کچھ نصیبہ حاصل ہوا ہو۔ بے عقل عقل کی کیا قیمت جانے؟ اور بے خرد، خرد کی شان کیا سمجھے! حقیقت یہ ہے کہ عقل و فہم ایک روشن چراغ ہے، اور قرآن و حدیث اس کے لیے مصطفیٰ روحن ہے جو روشنی دینے میں چراغ کا ٹمٹہ و مہا دن ہے، اور اس خالص روحن کے بغیر چراغ ایک بے کا طرف ہے جس کی سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں جیسا کہ فلاسفہ و ناطقہ اور اس قسم کے دجاہلہ و ابالہ اور ملاعنہ و مراندہ کی عقل و وحی الہی کے روحن سے حوالا نصیب ہو کر وادی ضلالت میں بھٹک رہی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے چراغ و روحن دونوں ہی کی ضرورت ہے اور روشد و اصلاح کے لیے دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں اور وحی الہی اور عقل صحیح میں کوئی مخالفت اور تضاد نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عقل بینائی ہے، اور وحی الہی روشنی ہے جس طرح بغیر بینائی کے روشنی کام نہیں دیتی اسی طرح روشنی کا احساس اور شعور بھی بغیر بینائی کے نہیں کیا جاسکتا اور صریح قرآن و حدیث سے تفہم و تدبیر اور عقل کی بڑی تعریف ثابت ہے، اور فہم و فراست کی توصیف قرآن و حدیث سے ہو رہی ہے اور اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن و حدیث کے ٹھوس و مربوط مضامین اور حکم و قوی دلائل و براہین کی باریکیوں سے بھلا ایک نرالا عقل، بیوقوف یا ایک سطحی اور خام عقل والا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ ان کی تار و پلم

ملک تو صرف وہی حضرات رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کو قیام ازل نے فہم و عقل اور بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے جو قرآن و حدیث کے بحر بیکیاں میں غوطہ زنی کر کے تعلقہ فی الدین کے انمول موتیوں اور جواہر ریزوں سے امت مہر و مہر کی جھولیاں بھرتے رہے ہیں اور انقلابِ زمانہ کی انتہائی نزاکتوں اور نامساعد حالات میں وہ اپنے اس چراغ کو روشن ہی کرتے رہے ہیں سے

ہولہ ہے گو تندر تیز لیکن چسلاخ اپنا جلا رہا ہے

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خیرانہ

جس چیز کا ثبوت قرآن کریم میں ہو اور اللہ تعالیٰ نے **قرآن کریم میں تعلقہ کی فضیلت** اس کے حاصل کرنے کی رغبت اور شوق بھی دلایا ہو

اس کے عمدہ اور خوب ہونے میں کیا تردد باقی رہ سکتا ہے اور اس کے مقبول و محمود ہونے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے؟ پتا پتھر ایک خاص مقام پر اللہ تعالیٰ کا یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً
فَلَوْ لَا فَخْرٌ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

اور مومنوں کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ سب ہی کوچ کر لیتے سو کیوں نہ کوچ کیا ان میں ہر فرقہ سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تعلقہ پیدا کر لیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔

رپلا۔ التوبہ۔ ۱۵

قطع نظر اس سے کہ یہ آیت جہاد کے لیے کوچ سے متعلق ہے جیسا کہ اکثر ارباب تفسیر کا خیال ہے یا طلب علم کے سفر سے وابستہ ہے جس طرح کہ مشہور مفسر علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی اللہ فیہ (۷۴۵ھ) وغیرہ کی رائے ہے اور صرف نگاہ اس سے کہ ایک طائفہ تعلقہ فی الدین کے لیے سفر اختیار کر کے یہ کمال پیدا کر کے واپس آکر قوم کو آگاہ کرے یا گھر ہی میں رہ کر یہ حاصل کرے اور جب مجاہدین یا غیر حاضر افراد رجوع کریں تو ان کو یہ احکام خداوندی سے باخبر کرے، یہ دونوں تفسیریں منقول ہیں۔ ہمارا مقصد اس سے بالکل روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعلقہ فی الدین حاصل کرنے کی ترغیب دی اور بصورت دیگر اس کو ترک کرنے پر فخر لانا نہ تھا کہ ساتھ ملامت اور تہنید فوائی ہے۔ اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی قباحت اور برائی بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد

فرمایا ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الْقَوْمُ لَا يَفْقَهُونَ (پن، انفعال، ۹) بے شک وہ ایسی قوم ہے جو سمجھتی نہیں۔
اور ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فقہاء سے تہی دست لوگوں کا حال ان الفاظ میں بیان

فرمایا ہے کہ :-

فَمَا لَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ الْقَوْمُ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ
حدیث ۵ (پ ۵- النساء- ۷۷)
سو کیا ہو چکا ہے اس قوم کو جو بات سمجھنے کے
قریب نہیں لگتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فہم و عقل اور فہم و خرد اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اس کے
مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور جو لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں وہ تعریف و ستائش کے ٹوکے
مستحق ہوتے ہیں، البتہ وہ طامرت اور مذمت کے سزاوار ضرور ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عقل و خرد اور
فہم و فہم سے مراد عام سمجھ نہیں بلکہ وہ فہم و فراست مراد ہے جو دین سے متعلق ہوا عام اس سے کہ
اس کا تعلق روایت سے ہو یا درایت سے۔ قرآن و حدیث اور اقوال علماء اُمت میں جہاں بھی فہم و
عقل کا لفظ آتا ہے، اس سے یہی مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ خدا و رسول، مذہب و دین اور قرآن و حدیث
سے بے نیاز ہو کر انسانوں کی تباہی و بربادی اور اللہ میاں کے سرسبز و شاداب اور لہلہاتے پھرتے
چمن کو نیست و نابود کرنے کے لیے عقل و سمجھ استعمال کی جائے اور راکٹ و مینزائل وغیرہ تباہ کن اور
موذی آلات ایجاد کئے جائیں۔ یا ایسے محیر العقول چمانہ ایجاد کئے جائیں جن کی بدولت چاند زمین
کی رسائی ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ایسے لوگ اُولُو الْبَابِ نہیں کہلا سکتے بلکہ وہ
لوگ اُولِيَاكَ كَمَا لَا نَعْمَ بَلْ هُمْ اَصْحَابُ كَا مَصْدَقُ هِيَ اور ان کے حق میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ
ہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے فروع نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

فہم و اہل فہم کی فضیلت و منقبت کے لیے ایک دو نہیں بیسیوں
حدیث میں فہم کا درجہ صیح اور صریح حدیثیں موجود ہیں۔ ہم صرف مشتے نمونہ از خردارے

کے طور پر چند صیح احادیث کا میاں باحوالہ ذکر کرتے ہیں، مغز فرمائیے :-

حضرت امیر معاویہ (الموتوفی ۶۰ھ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روا
کرتے ہیں جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں کہ :-

من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین
 (المحدث) (بخاری جلد ۱۹ واللفظ لہ وسلم جلد ۲
 ۳۳۳ والدری جلد ۳ ص ۳۰ طبع دمشق)
 جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ
 فرماتا ہے تو اس کو دین کی کجھ اور فقہانیت
 عطا فرماتا ہے۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ جبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی
 (المتوفی ۶۸ھ) سے بھی مروی ہے۔ (مسند دارمی ۲۶۰ ص ۲۹۷ طبع دمشق)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے متعلق خیر اور بہتری کا
 ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو تعلق فی الدین کی لازوال دولت اور نعمت کے حظ وافر مرحمت فرماتا ہے،
 اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے اس کے اعلیٰ و افضل اور عمدہ ترین ہونے میں کیا کسر باقی رہ
 جاتی ہے؟ حافظ ابن حجر الحنفی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:-

وفی ذالک بیان ظاہر لفضل العلماء علی
 سائر الناس و لفضل التفقہ فی الدین
 علی سائر العلوم (فتح الباری ج ۲ طبع مصر)
 اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ علماء کی سب
 لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت
 بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا کہ:-

خيارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام
 اذا فقهوا۔ (بخاری جلد ۱۹ واللفظ لہ
 مسند جلد ۲ ص ۲۰ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱)
 جو ان سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں
 بھی بہتر ہی رہیں گے جب کہ وہ فقہ سے موصوف
 ہوں۔

اس حدیث میں آپ نے نسب و خاندان کی شرافت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تصریح فرمائی
 ہے کہ جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تصور کیے جاتے تھے اسلام ان کی قدر و منزلت کو گھٹانے کے
 لیے تیار نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد فقہت سے مستغنی ہوں۔ اس میں اسلام کے
 کے اندر ان کی خوبی اذا فقهوا کی شرط سے مشروط ہے۔ اگر یہ کوئی عمدہ نصلت نہ ہوتی یا اس سے
 بہتر کوئی اور نصلت آپ کی نگاہ پاک میں قابل ذکر ہوتی تو آپ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے۔
 حضرت ابوہریرہ (المتوفی ۵۲ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

واکہ وکلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے زور کی بارش جو زمین پر برسی ہو، اور زمین کا ایک وہ بہترین اور قابل زراعت ٹکڑا ہے جس نے پانی کو خوب جذب کر لیا اور ساگ پات اور گھاس و چارہ بکثرت اگایا جس سے انسانوں اور جانوروں کی اکثر ضرورتیں پوری ہو گئیں اور زمین کا ایک حصہ وہ ہے جو سخت ہے، اس سے کوئی چیز اگتی تو نہیں لیکن اس حصہ میں پانی خوب جمع ہو گیا اور اس جمع شدہ پانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع بخشا کہ وہ خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتی کو سیراب کرتے ہیں اور زمین کا ایک اور قطعہ ہے جو بالکل چٹیل ہے، نہ تو وہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ گھاس و سبزہ وغیرہ اگانے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :-

فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ فنہ حہ
بما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلّم ومثل من
لم یرفع بذلک رأساً ولم یقبل ہدی
اللہ الذی ارسلت بہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۰)

پس یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کے
دین میں تقابہت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو
اس چیز سے نفع عطا فرمایا جو چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے
دیگر مبعوث کیا ہے جس کو اس نے سیکھا اور کھلایا
اور مثال ہے اس کی جس نے ہدایت خدائی کی طرف
جس کو میں نے لے آیا ہوں مطلقاً سر ہی نہ اٹھایا۔

آخری چٹیل زمین کی مثال تو ماوشما کی ہے کہ نہ تو محدث ہیں نہ فقیہ کہ نہ روحانی بارش کو محفوظ رکھا اور نہ اس کو جذب کر کے اس سے کوئی خوشگوار نتائج ہی برآمد کئے اور دوسری مثال محدثین کرام کی ہے جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موصلہ دھار بارش کو بھٹاتے تمام اصلی شکل میں مصون رکھا، لوگ آگے آگے ان سے اپنی علمی بیاس بھٹاتے ہیں لوگوں کو وہ مصفی پانی پلا پلا کر سیراب کرتے ہیں اپنے تو کیا جو غیر مسلم اور بیگانے اور اولیٹک، کالانعام کا مصداق ہیں۔ ان کو بھی وحی الہی کی بارش سے وہ سیراب کرنے کے پرتے ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کی اُچڑھی ہوتی بے آباد اور خشک کھیتوں کو اس پانی کے ذریعہ سبز و شا داب کرنے کی فکھ میں بہتے ہیں غرضیکہ فشرلوا، وسقوا، وذرعو ا کے ایک ایک لفظ پر پورا عمل کرتے ہیں۔ اور پہلی مثال فقہاء کرام کی ہے جن کے دلوں کی سرزمین طائفۃ طیبہ کا مصداق ہے، اور وہ اپنے سینوں اور

دلوں میں اس روحانی بارش اور وحی الہی کو اچھی طرح جذب کرتے ہیں اور اگرچہ وہ بارش اس قطعہ ارضی پر اصلی شکل پر تو نہیں رہتی مگر اسی کی وجہ سے اس عمدہ زمین سے ساگ پات، گھاس و اناج، سبزی و ترکاری، پھل و پھول اور دیگر مختلف اجناس کی شکل میں متعدد چیزیں نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان بھی اور حیوان بھی استعمال کرتے اور اپنے مصروف میں لاکر اپنی مختلف قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہرات ہے کہ پانی بھی اپنے مقام میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے مگر نئے پانی سے تمام ضرورتیں تو ہرگز پوری نہیں ہو سکتیں۔ اسی پانی کے ذریعے جب مختلف قسم کے مسرہ زار اور لہماتی ہوئی کھیتیاں معرض وجود میں آئیں گی تو اس سے جو فائدہ مرتب ہوگا وہ ظہور میں ہے، اسی طرح فہمائے کرام بھی اس وحی الہی کو جذب کر کے اس سے سینکڑوں اور ہزاروں مسائل استنباط کرتے ہیں جن سے پوری دنیا کو عظیم فائدہ نصیب ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص زمین کے اس قطعہ پر یوں اعتراض اور حرف گیری کرے کہ اس نے تو پانی کو محفوظ ہی نہیں رکھا، یہ تو بڑی ناکارہ زمین ہے، تو اس اعتراض کی نقلی و مقلی دنیا میں ہرگز کوئی وقعت نہ ہوگی، بلکہ یہ کہنا عین انصاف ہے کہ اس زمین کی قدر و منزلت باقی حصوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس نے مختلف قسم کی ضروریات کی کفالت کی ہے اور یہی حال فقہاء کرام کی ہے لوٹ خدمات کا ہے کیونکہ انھوں نے تمام مسائل و نوازل کی جزئیات کے لیے ناکافی ہیں، چنانچہ اسی ضرورت اور اہمیت فہم پر بحث کرتے ہوئے مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (المتوفی ۸۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والواقائع المتعبدۃ لا توفی بہا النصوص

نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے نصوص (میراث)

(مقدمہ ص ۴۳ طبع مصر)

حضرت جوہر بن مطعم (المتوفی ۵۴ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر

خوش و خرم رکھے۔ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی

اللہ عبداً سمع مقالتي فوعاها ثامداها

اور عطا کیا دیکر پھر وہ بات ان لوگوں کو سنائی جنہوں نے

الی من لم یسمعها فرب حامل فقه لا فقه

(براہ راست مجھ سے) نہیں سنی کیونکہ بسا اوقات خود

له ورب حامل فقه الی من هو افقه منه

حامل فہم کو فہم حاصل نہیں ہوتی اور بہت

المحدث (داوی جلد ۱ ص ۱۵) طبع دمشق واللفظ لہ

ابن ماجہ صلا و مستدرک جلد ۱ ص ۸۱ و مجمع
 الزوائد جلد ۱ ص ۱۳۹ و الترغیب والترہیب ص ۶۴
 قال الہیثمی رجالہ موثقون - وقال الحاکم والذہبی
 وفتح ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ اعلیٰ درجہ کا فقہ
 نہیں ہوتا اور وہ اس طریقہ سے اس کو پہنچانے کا
 جو فقہ تہرہوگا۔
 صحیح علی شرطہما۔

امام حاکم (المتوفی ۳۵۵ھ) اور علامہ ذہبی (شافعی المذہب و حنبلی المقلد المتوفی ۴۳۵ھ)
 لکھتے ہیں کہ یہ روایت نصرت اللہ امداً الخ (مختلف الفاظ کے ساتھ) متعذر صحابہ کرام سے مروی
 ہے (مستدرک جلد ۱ ص ۸۸ و تخیض المستدرک ج ۱ ص ۸۶) بلکہ امام حاکم اس کو مشہور حدیثوں میں شمار کرتے
 ہیں (معرفة علوم الحدیث طبع قاہرہ ص ۹۲) اور امام سیوطی الشافعی (المتوفی ۹۱۱ھ) اس کو متواتر
 کہتے ہیں (مفتاح الجنۃ فی الاجتہاد بالسنۃ ص ۱۵۷)۔ نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۲۴۰ھ)
 اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ظاہر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ (الحزب المکتون من لفظ
 المعصوم المامون ص ۹ طبع بھوپال ۱۲۹۰ھ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث کی تبلیغ کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی
 ایسی حدیث کو اٹھانے والا جس حدیث میں فقہ ہو خود صاحب فقہ نہ ہو لافقہ لہ اس لیے
 وہ حدیث دوسروں کو پہنچانے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی متمتع ہوں اور دوسروں کو بھی
 فائدہ بخشیں اور اگر وہ خود تو صاحب فقہ ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقہ ہو
 اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استنباط مسائل اور استخراج احکام کر کے امت کو نفع پہنچا
 سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نئے محدث جو فقہ حدیث سے بہرہ ور نہیں محض ہرکارے ہیں۔
 اور فقہاء کرام جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل اجتہاد ہو کر فقہ و اجتہاد سے کام لیتے ہیں
 وہی صاحب منزل اور اہل دولت ہیں اگر ڈاکیا جو قیمتی پارسل اور منی آرڈر اٹھاتے ہوئے ہے،
 یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز ہی میری ہے کیونکہ میں اس کو اٹھانے والا ہوں تو کون اس کے بے بنیاد
 دعوے کو قبول کرے گا۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ امانت اس کے مالک کو پہنچائے اور بس۔
 آخر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوامع الکلم کے ساتھ یہ ارشاد فریب حامل فقہ لافقہ

لہذا بلاوجہ تو ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آپ کے ارشادات عالیہ ہی سے دنیا کو ہر قسم کی ہلاکت و اصلاح اور رشد و فلاح نصیب ہوئی ہے اور بنی جنس کے مقصد زیرست ہی معلوم نہ تھا وہ اسی سے زندگی کے آثار چڑھاؤ اور اونچ نیچ سے بخوبی باخبر ہو گئے ہیں اسچ ہے کہ

جنیں شخوڑ نہ تھا بختہ حیات ہے کیا

وہ اک نگاہ کے صدقے سے راز داں ٹھہریں

خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ (الموتی ۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ:-

تفقهوا قبل ان تسودوا قال ابو عبد الله تم سرور بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو، امام بخاریؒ

وبعد ان تسودوا (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۱) فرماتے ہیں کہ سرور بننے کے بعد بھی اس کو حاصل کرو۔

یعنی تفقہ فی الدین ایک ایسی ضروری اور اعلیٰ ترین نعمت ہے جس کو سرور ہی حاصل ہونے

سے قبل اور بعد کسی موقع پر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

باب دوم

فقہ و درایت

قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کا جو مقام ہے وہ کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے وہ مسلمانوں کا مذہبی اثاثہ بھی ہے اور ملحدین بھی مسلمانوں کے بیشتر مذہبی مسائل بھی اس پر موقوف ہیں اور سیاسی بھی۔ ان کی دنیا بھی اس سے وابستہ ہے اور آخرت بھی۔ اس میں روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور جہانی کا بھی مگر حدیث کے سلسلہ میں دو اہم اور بنیادی چیزوں کی سخت ضرورت ہے اور ان کے بغیر حدیث سے استفادہ کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ ایک چیز سند اور روایت ہے اور دوسری معنی و درایت۔ اول چیز کی حفاظت محدثین کرام نے کی ہے، اور دوسری کی فہمائے عظام نے۔ جس طرح ہم حدیث کے صحت و سقم کے معلوم کرنے میں مثلاً امام بخاریؒ وغیرہ کے اور ان کے قائم کردہ اصولوں کے محتاج ہیں اور ان پر ایسا اعتماد نہ تو کفر و شرک ہے اور نہ بدعت ہے بعینہ ہم حدیث کے معنی و درایت میں مثلاً امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے مفتقر ہیں۔ پھر بھلا ان پر اعتماد کیونکر شرک، ناروا اور بدعت قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایک طبقہ اور گروہ نے راستہ کی حفاظت کی ہے تو دوسرا گروہ اور طائفہ منزل کا نگہبان رہا ہے۔ اگر ایک جماعت نے پھلکے اور پوست کی نگرانی کی ہے تو دوسرا حزب میوہ اور خبز کا پاسبان رہا ہے۔ اگر ایک کی محنت و جانفشانی تحمیں کے قابل ہے تو دوسرے کی کاوش و سعی بھی صد آفرین کی مستحق ہے اور یہ دونوں طبقے عالم اسباب میں دین کی حفاظت کا محافظ و مقرر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ان دونوں ضرورتوں پر بحث کرتے

ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ ۱۔

”پس لازم آمد در تحصیل این علم از دو چیزیکے ملاحظہ حال روایت، دوم احتیاط عظیم در فہم معانی آن نریزہ کہ اگر در امر اقل مسابہ رود کاذب با صادق ملتبس شود و اگر در امر ثانی احتیاط نباشد مراد با غیر مراد مشتبه گردد و علی التقدیرین فائدہ کہ ازین علم توقع است میسر نہگردد و بلکہ ضد آن فائدہ بجمول انجامد و موجب ضلال و اضلال باشد معاذ اللہ من ذالک“ (عجالتاً نافہ ص ۷۷)

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ سند اور روایت کی حفاظت اور نقد و پرکھ بھی دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی جتنی بھی تعریف و توصیف کی جائے بالکل کم ہے۔ مگر یہ بات بھی کسی طرح اور کسی لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ روایت و فقہ کو ترک ہی کر دیا جائے اور اس کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو روایت و فقہ کا مقام اور اہل درایہ اور فقہاء کا رتبہ محض طرق و اسانید کے جمع کرنے والے اور فقہ و روایت سے تہی دست محدثین سے کہیں بلند اور ارفع ہے۔

امام ابو یوسف بن عبد اللہ سے دریافت کیا گیا کہ :-

الیش الفرق بین الدرایۃ والحفظ ؟ فقال
الدرایۃ فوق الحفظ (بانیخ بنجد اوجہ ص ۲۳)

علامہ خطیب بغدادی الشافعی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البرائی سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک سائل حضرت امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال و حرام کے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سُننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے ارشاد فرمایا کہ :-

سل عافاک اللہ غیبنا سئل الفقہاء سئل اللہ تعالیٰ تجھے عافیت رکھے کسی اور سے پوچھ

ابا ثور احمد (بغدادی جلد ۶ ص ۶۱)

فقہ سے پوچھو، امام ابو ثور سے پوچھو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سرخیل محدثین مقتدر تھے، طہرت اور امام اہل سنت میں مگر بایں ہمہ وہ پیچیدہ مسئلہ کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تم فقہائے پوچھو اور ابو ثور سے پوچھو۔ (ابو ثور المتوفی ۲۴۰ھ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احد الفقہاء تھے بغدادی جلد ۶ ص ۶۶۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الام المجتہد اور الحافظ لکھتے ہیں تذکرہ جلد ۲ ص ۸۷ امام عسکریؒ ان کو الام الجلیل لکھتے ہیں طبقات جلد ۶ ص ۲۲۷) حضرت امام احمدؒ محدث ہونے کے علاوہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے مگر ان کا اجتہاد جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ اور نواب صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا کہ اجتہاد اوقیل بلکہ اقل بلکہ نیست کے درجہ میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ المالکی (المتوفی ۶۳۱ھ) نے تین آئمہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فضائل پر کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمۃ الفقہاء تصنیف فرمائی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ کا ذکر ان میں نہیں کیا۔ علامہ خطیبؒ اور امام بیہقیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ ہمارے الفاظ میں یوں ہے کہ محدثین کرامؒ کی ایک جماعت تشریف فرما تھی، جن میں خصوصیت سے امام بیہقیؒ بن محییؒ، ابو حنیفہؒ، زہیر بن حربؒ اور خلف بن سالمؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مردہ عورتوں کو سنلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حیض والی عورت مردہ کو نہلا سکتی ہے یا نہیں؟ پوری جماعت سے اس کا جواب نہ بن پڑا اور ایک دوسرے کا منہ تلکنے لگے۔ اتنے میں امام ابو ثورؒ سامنے سے آنکے۔ رہنے اس عورت سے کہا کہ یہ مسئلہ اس آنے والے شخص سے دریافت کرو۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں حالضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ بجالست حیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں پانی ڈال کر سر میں مانگ نکالا کرتی تھیں۔ جب اس حالت میں زندہ آدمی کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا؟ اور اس کو کیوں غسل نہیں دیا جا سکتا؟ امام ابو ثورؒ کا یہ فتویٰ جب ان محدثین نے سنا تو اس حدیث کی اسانید و طرق کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا کہ روایت

فلال سے بھی مروی ہے اور فلال سے بھی مروی ہے۔ اس غاسلہ نے ان سے سختی طلب کی تھی کہ کہا کہ:-
واین کنتم الی الان (بخاری ج ۶ ص ۶۷ و طبقات تم اب تک کہاں تھے؟
الکبری جلد ۱ ص ۲۲۹ صبیح)

اس واقعہ سے ایک توریہ امر ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے جملہ پیش آمدہ مسائل محض طرق حدیث اور
اسانید کو جمع کر لینے ہی سے ہرگز حل نہیں ہوتے، ورنہ امام بخاری بن معین جیسے پختہ کار محدث سے اس میدان
میں کون بڑھ سکتا ہے؟ مگر اس جماعت کے اندر وہ بھی لاجواب ہو کر رہ گئے اور دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ محدثین کرام کی باوقار جماعت بھی فقہاء عظام کی اس فوقیت و برتری کو تسلیم کرتی ہے
اور ان پر اعتماد و اعتبار رکھ کے لوگوں کو ان سے اخذ مسائل میں محتاج گردانتی ہے۔

حضرت امام ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

وَكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بعاني اور اسی طرح فقہار نے کہہ ہے اور وہ حدیث کے
الحدیث۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۸۱) معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

مشہور محدث حضرت سیاج بن مهران الاخشع (المتوفی ۱۲۸ھ) جو الحافظ الثقفہ اور شیخ الاسلام
تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۲۵) نے ایک موقع پر فرمایا کہ:-

يا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة
رجامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۱، ذیل الجوہر جلد ۲
پنہاری ہیں۔

ص ۴۸۵ و مناقب وفق م ۱۳۳، المختار المنان ملا و التفظان

پنہاری کے پاس اگرچہ مختلف قسم کی قیمتی جڑی بوٹیوں اور ادویہ کا تو کافی شاک ہوتا ہے مگر وہ نہیں
جاننا کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ مقدار خوراک کیا ہے؟ پرہیز کیا ہے؟ مفرد قابل استعمال ہیں یا مرکب
وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو طبیب اور حکیم ہی جاننا اور بتا سکتے ہیں، اسی طرح محدثین کرام کے حافظہ میں ہزار ہا
پیش بہا حدیثوں کا خزانہ تو ہوتا ہے مگر وہ ان سے استنباط احکام اور استخراج مسائل پر قادر نہیں ہوتے
یہ کام فقہاء کا ہے اور وہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ فقہاء کرام
کے مقابلہ میں وہ محدثین مراد ہیں جو زے محدث ہیں اور فقہاء ہمت کا ملکہ ان کو حاصل نہیں ہے۔
باقی ہے وہ محدثین عظام جو جامع بین الحدیث والفقہ ہیں یا بالفاظ دیگر جو فقہاء و محدثین میں شامل ہیں

مثلاً امام بخاری وغیرہ تو ایسے حضرات محل بحث نہیں ہیں۔

حدیث شہیر علی بن حشرم (المتوفی ۲۵۷ھ) مسند بن قاسم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ نسائی کہتے ہیں وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۱۱، فرماتے ہیں کہ ہم وکیع بن الجراح کی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک ان دونوں سندوں میں سے کون سی مذہبتر ہے؟ اعش عن ابی واہل عن عبث اللہ بن مسعود؟ اس میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں اور مذہب عالی ہے) یا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمة عن ابن مسعود (اس میں صحابی تک چار واسطے ہیں اور مذہب سافل ہے) ہم نے کہا کہ ہم سے نزدیک تو اعش عن ابی واہل کی مذہبتر ہے۔ امام وکیع نے فرمایا کہ سبحان اللہ، اعش تو زکے شیخ اور محدث ہیں اور ابو واہل بھی شیخ ہیں برعکس اس کے دوسری سند میں سفیان فقہ ہے منصور فقہ ہے، ابراہیم فقہ ہے اور علقمہ بھی فقہ ہے۔

وحديث يتداوله الفقهاء خيري من ان يتداوله الشيوخ (معرفة علوم الحديث ص ۱۱۰ طبع قاهرہ و کتاب الاعتبار ص ۱۵ طبع حیدرآباد دکن) اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہوں اس سے زیادہ مذہبتر ہے جس کو زکے شیوخ بیان کرتے ہوں۔

علامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ الہمدانی الشافعی (المتوفی ۵۸۴ھ) جو الامام الحافظ اور البارع تھے، تذکرہ جلد ۳ ص ۱۵۱ اور امام متقن اور مبرز تھے۔ طبقات سبکی جلد ۳ ص ۱۸۹) دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و تریح کے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ:-

ان يكون رواية احد الحديثين مع تساويهم في المفظ والاتقان فقهائ عارفين باجتهاد الاحكام من ثمرات الالفاظ فان استولى الى حديث الفقهاء اولى اه
دو حدیثوں میں سے ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ و اتقان میں مساوی ہونے کے علاوہ فقہاء ہوں اور الالفاظ کے میووں سے احکام پہننے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو انکی حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے

اس سے اندازہ فرمائیے کہ دو متضاد حدیثوں کی تریح میں بھی جو غلط فی حدیث کا مسئلہ ہے محدثین کو امام نے فقہاء کی برتری کو نظر انداز نہیں کیا اور ایسی حدیث کو جس کے راوی حافظ

اور متفق ہونے کے علاوہ فقہاء بھی ہوں اس حدیث پر ترجیح دی ہے جس کے راوی فقیہ نہ ہوں۔
امام حاکمؒ اپنی بے نظیر کتاب معرفت علوم الحدیث میں حدیث کی صحت و اتقان کے بعد
اس کی فقہی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

معرفة فقه الحديث اذ هو ثمره هذم
العلوم وبه قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام
اصحاب القياس والرأي والاستنباط والمجدل
والتظفر معروفون في كل عصر واهل
كل بلد۔ اور معرفت علوم الحدیث ص ۳۲۱
فقہ حدیث کا سچا پانا کیونکہ وہ ان علوم کا ثمر ہے اور
اسی کے ساتھ شریعت کا قوام ہے، بہر حال فقہاء
اسلام جو قیاس و رائے، استنباط و جدل اور نظر و
فکر سے کام لیتے ہیں وہ ہر زمانہ اور ہر شہر میں
مشہور و معروف رہے ہیں۔

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ ہلال بن العلاء الرقیؒ (المتوفی ۲۵۸ھ) ابو حاتمؒ ان کو صدوق
اور نائی صالح اور لیس بہ بائس کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ تہذیب
التمذیب جلد ۱ ص ۸۳ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت
پر چار شخصیتوں کو پیدا کر کے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک ان میں سے :-

بالشافعی بفقہ احادیث رسول اللہ صلی
علیہ وآلہ وسلم میں فقہ بہت سے کام لیا۔
اللہ علیہ وسلم

اور دوسرے امام ابو عبیدہ (المتوفی ۲۲۲ھ) جو الامام المجتہد اور البحر تھے تذکرہ جلد ۲ ص ۵
نقشہ اور مامون تھے۔ ایضاً ص ۲۶ ص ۱) ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غریب حدیثوں
کی شرح و تفسیر کی ہے، اور تیسرے امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۴۳ھ) ہیں جنہوں نے آپ کی
حدیثوں کو جھوٹ سے پاک و صاف کیا ہے، اور چوتھے حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ)
ہیں جنہوں نے آڑے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل دین اور حکم پر باوجود انتہائی
صعوبتیں برداشت کرنے کے ثابت قدمی کا اظہار کیا۔ لولاہم لذهب الاسلام (معرفت
علوم الحدیث ص ۸۵) اگر یہ نہ ہوتے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ بلاشک اسلام ایک نچاند مذہب
ہے اور یہ تاقیامت ہے گا اور حقیقت اس کا محافظ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم اسباب
کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اپنے وقت میں یہ چاروں حضرات اسلام کے بہترین محافظ

تھے۔ علامہ خطیب بغدادی نے بھی یہ واقعہ اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اور آخر میں لکھا ہے کہ :-
 لو ان ذالک کفر الناس (بغدادی ج ۱۲ ص ۱۷۱) اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ کافر ہو جاتے۔ (معاذ اللہ)
 ملاحظہ کیجئے کہ جہاں اسلام کی حفاظت و بقا کے لیے دیگر امور قابل تائنش سمجھے گئے ہیں
 وہاں فقہ فی الحدیث کی صفت اور خوبی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا گیا اور یہ ایک واضح حقیقت
 ہے کہ بغیر فقہ کے حدیث کی باریکیاں اور نکات سمجھے بھی نہیں جاسکتے۔ یہی ایک ایسا فن
 ہے جس کے ذریعہ سند و معنی، روایت و درایت کی پیچیدگیاں ناخن تدبیر کے ساتھ سمجھائی جاسکتی
 ہیں، چنانچہ امام عبدالرحمن ابن الجوزی الحنبلی (المتوفی ۵۹۷ھ) انشاء فرماتے ہیں کہ :-

اعلم ان فی الحدیث دقائق و افات لا
 تو جان لے کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں
 یعرفها الا العلماء الفقهاء تارة فی نقلها و
 ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو
 تارة فی کشف معناها۔
 فقہاء ہوں کہ بھی تو ان کی روایت نقل میں اور کبھی ان
 کے معانی کے کشف میں یہ دقائق و افات ہوتی ہیں۔
 (دفع شبه التشبه ص ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فقہاء کرام کا اصل میدان تو درایت و فقہ ہے مگر بائیں ہمہ وہ سند
 روایت کے برہنہ اور ناہموار راستہ سے بھی بے خبر نہیں رہتے۔

حافظ الدین امام ابن حجر عسقلانی الشافعی ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

فان علم الحلال والحرام انشا یتلقی من
 حلال و حرام کا علم و مسائل تو فقہاء ہی سے اخذ
 الفقہاء (فتح الباری جلد ۹ ص ۳ طبع مصر) کیے جاسکتے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ حافظ موصوف متاخرین محدثین میں اپنی نظیر صرف آپ ہیں اور علم حدیث
 کے علاوہ دیگر بیسیوں علوم میں ان کی گہری نگاہ ہے لیکن وہ فقہاء کرام کے اس صحیح منصب سے
 جو سچ مچ ان کے شایان شان ہے تسلیم کرنے سے نہ چارہ پاتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اس سے
 بڑھ کر فقہ و فقہاء کی فضیلت و منقبت اور کیا ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی (المتوفی ۷۲۸ھ) نواب صاحب کہتے ہیں: شیخ الاسلام
 المجتہد المطلق شیخ المناہلۃ اہ الجنۃ (ص ۳۳) محدثین اور فقہاء کے مراتب اور خدمات
 بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال احمد بن حنبلٌ معرفة الحديث
والفقه فيه احب الي من حفظه

الى ان قال

وقال علي بن المديني اشرف العلم الفقه
في متون الاحاديث ومعرفة احوال الرواة

اه (منهاج السنة جلد ۴ ص ۴۵۰ طبع مصر)

ام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت اور
اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے اس کے صرف یاد کر
لینے سے زیادہ محبوب ہے۔

اور امام علی بن المدیخیؒ فرماتے ہیں کہ اشرف تر علم
احادیث کے متون میں تفقہ پیدا کرنا اور احوال روایت
کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ نے فقہ کی ضرورت اور اس کی افادیت پر مبسوط بحث
کی ہے، (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدونؒ از ص ۴۲۵ تا ص ۴۵۰ طبع مصر)
اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۶۱ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :-

” وبعدها قرآن وحديث ملا اسلام برفقة استاذ اهل رقعة العينين ملكا طابع مجتنبائي
ان تمام عبارات اور اقتباسات سے فقہ و درایت کا مقام آسانی کے ساتھ معلوم ہو
جاتا ہے کہ نظر شریعت اور علماء امت کے اقوال کے آئینہ میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں
ہے، اور فقہ اسلامی کی توہین و انکار کرنا سلامت دوی کے سراسر خلاف ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

حفظ کا درجہ اور ہے اور ملکہ علمیہ کا مقام اور ہے
جس شخص کا اہتمام ملکہ حاصل کرنے کی بجائے حفظ
میں زیادہ ہو اس کو تصرف فی العلم کے مکہ سے کوئی
فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور اسی وجہ سے تم دیکھو
گے کہ جو شخص حفظ کو پالیتا ہے وہ فن کی کوئی چیز حاصل
نہیں کر سکتا اور اس کا علمی ملکہ قاصر رہتا ہے جب کہ
وہ گفتگو اور مناظرہ کرے اور جس شخص نے یہ گمان
کر لیا کہ ملکہ علمیہ سے صرف حفظ ہی مقصود ہے سو
اُس نے بیشک خطا کی کیونکہ مطلوب تو دراصل

الحفظ غير الملكة العلمية ومن كان
عناية بالحفظ اكثر من عنايتهم الى
تحصيل الملكة لا يحصل الى طائل من
ملكة التصرف في العلم ولذلك ترى من
حصل الحفظ لا يحصل شيئا من الفن و
تجد ملكة، قاصرة في علمه ان فارضا و
ناظرو من ظن ان المقصود من الملكة
العلمية فقد اخطا وانما المقصود هو
ملكة الاستقراج والاستنباط وسرعة الانتقال

من المدوالی الی المدلولات ومن اللزیم الی
الملزوم وبالعکس فان ضم الیها مملکت
الاستحضار فنعہ المطلوب وهذا الایتم
بمجرد الحفظ اه

استخراج اور استنباط اور الفاظ سے معانی کی طرف اور
لازم سے ملزوم کی جانب اور بالعکس انتقال کرنے کا
ملکہ حاصل کرنا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ملکہ حفظ و
استحضار بھی حاصل ہو جائے تو پھر نور علی نور ہے مگر
یہ ملکہ محض حفظ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

(الحظہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۵)

غور فرمائیے کہ نواب صاحب کیا ارشاد فرمائے ہیں! سچ ہے کہ کلام الملوک، ملوک الکلام کہ
مقصود بالذات تو ایسا ملکہ علمیہ حاصل کرنا ہے جس کے توسط سے استخراج احکام اور استنباط مسائل
کی گتھی سلجائی جاسکے۔ محض حفظ سے بھلا یہ ملکہ علمیہ کیسے کس کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی کا نام فقہ اور در
اور رائے واجتہاد ہے۔ جو شخص اس سے موصوف ہو گا گویا وہ ملکہ علمیہ کی مددۃ المنتہیٰ پر فائز ہو گا۔
امت کے لیے جس سے اوپر کوئی اور مقام تصور نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو الحسن منصور بن اسمعیل الشافعی (المتوفی ۲۰۴ھ جو احوال الامتہ المذہب تھے) فرماتے ہیں کہ وہ
عَابَ التَّنْفِیْهِ قَوْمٌ لَا عُقُولَ لَهُمْ وَمَا عَلَیْهِ إِذَا عَابُوهُ مِنْ هَسْبِ
مَاضَرَ شَمْسِ الضُّحَى وَهِيَ طَالِعَةٌ أَنْ لَا یَبْدَى ضَوْءَ هَامِنٍ لَیْسَ ذَا بَصَرٍ

(طبقات مشکی ج ۲ ص ۳۱۱)

ترجمہ :- یعنی فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے محبوب قرار دیا ہے جو عقل سے محروم
ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پر عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں ہے۔
اگر کوئی نابینا آفتاب نیمروز کو جو آب و تاب سے طلوع ہو چکا ہو، نہیں دیکھتا تو اس سے
آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

فقہ سے کوئی چارہ نہیں

کم طرف کو تاہم اور متعصب لوگ تو ہمیشہ فقہ کی اہمیت کو گھٹانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور فقہاء کرام اور کتب فقہ کی تنقیص و توہین میں بلاوجہ اپنا قیمتی وقت صرف کر دیتے ہیں لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کے بعد فقہ و قیاس اور اجتہاد کی حاجت ایسی اہم اور ضروری ہے کہ اس سے کوئی مفرز نہیں اور زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات کو بھی اس کی افادی حیثیت تسلیم کرنے سے کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اعلیٰ صاحب (المتوفی ۱۳۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس ان میں بھی اصل قرآن و سنت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے، کتاب و سنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس الخ (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) اور نیز مولانا موصوف فقہ فی التین کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ قرآن و سنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لامتناہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عمدہ براہونا ممکن نہیں اس لیے لانا اہل اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا قرآن عزیز کا ارشاد ہے :-

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ (محل)

رجوع کرو۔ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف

اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما شفاء العی السوال۔ انجان آدمی کے لیے صحت مند طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا، آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے انصوب یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کئے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا (پیش لفظ معیار الحق ص ۱) الغرض فقہاء کرام نے جو کچھ کیا ہے اسی فطری جذبہ کے تحت آوارگی سے بچانے کے لیے اور وقتی ضرورتوں اور مصالح کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔

باب سوم

فہرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس بات میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ صحابہ کرام شرف صحبت نبوی کے فیض اور برکت سے سب کے سب عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکیزہ تھے مگر فہم قرآن، تدبیر حدیث اور ثقہ فی الدین میں سب یکساں نہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے، چنانچہ امام مسروق رحمۃ اللہ علیہ ۶۳ھ جو الامام الفقیہ اور احد الاعلام تھے، تذکرۃ الحفاظ جلد اول (۱)

فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم سٹ سٹا کر چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر میں نے ان چھ حضرات شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ختم ہو گیا ہے۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۵۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۴۷ و مقدمہ ابن

الصلاح ص ۲۶۷ مع شرح العدائی۔

امام حاکم نے بھی امام مسروق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا نام ذکر کیا ہے۔ مستدرک جلد ۲ ص ۳۶۵ و صکت عنہ الحاکم ثم الذہبی

اور امام شعبی (المتوفی ۱۰۳ھ) جو امام، حافظ، فقیہ، متقن اور علامۃ التابعین تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۷۷) کا بیان ہے کہ صحابہ کرام میں دینی مسائل کے بارے فیصلہ صادر کرنے والے تھے حضرت تھے، مدینہ طیبہ میں حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور کوفہ میں حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو موسیٰ الأشعریؓ (متذکرہ ص ۷۷) دستک عنہ)

حافظ ابن القیم الجنبی (المتوفی ۷۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ اُمت مرجمہ میں بالعموم دین فقہ اور علم صحابہ عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبداللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اہل مدینہ کا علم اصحاب زید بن ثابتؓ اور اصحاب عبداللہ بن عمرؓ کے ذریعہ اور اہل مکہ کا علم اصحاب عبداللہ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔

واما اهل العداق فعلمهم عن اصحاب اور اہل عراق کا علم اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ کے توسط سے پھیلا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود۔

(اعلام الموقنین جلد ۱ ص ۱۷۱ اشرف المطابع دہلی)

اور نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ جن صحابہ کرام سے دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرات ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیش تھے (الجنۃ فی الاسواق الخسنة بالسنة ۵ھ) مولانا مبارک پوری صاحب (المتوفی ۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج و اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرام کے تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل کی ترویج تو ہوئی ہے مگر نسبتاً کم اور دوسرا طبقہ متوسط رہا ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے دین کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (تحفة الھودى ج ۱ ص ۷۷) امام شعبی (عاصم الاصول) کا بیان ہے کہ مجھے اہل کوفہ، بصرہ اور حجاز کی حدیثوں کا امام شعبیؒ سے بڑا کوئی عالم معلوم نہیں تھا۔ جلد ۱ ص ۷۷ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے ایضاً ص ۷۷، ابو حصینؒ کا بیان ہے کہ میں شعبیؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ایضاً ص ۷۷ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ دھواک بن شیبہؒ ابی حنیفہؒ تانکہؒ

کہ امام ابوحنیفہ کے بڑے شیخ اور استاد ہی تھے) کا ارشاد ہے کہ :-

مکان الفقہاء بعد اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بالکوفة فی اصحاب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد فقہاء
کا طبقہ کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود میں بنا
عبداللہ بن مسعود۔ (رایج بخلاف جلد ۱ ص ۲۹۹) ہوا تھا۔

اور پھر ان کے نام یہ بیان کیے ہیں۔ علقمہ بن قیس النخعی، عبیدہ بن قیس المرادی، شریح بن الحارث
الکندی اور مسروق بن الاعدح الہمدانی۔

اور امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب جو قرآن پڑھتے پڑھتے اور جن
کی رائے پر لوگ مطمئن ہو کر تشفی حاصل کرتے تھے، یہ چھ حضرات تھے، علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، عمرو
بن شریح اور الحارث بن قیس۔ (ایضاً)

اور امام شعبی ہی سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ :-

ماكنت اعرف فقهاء الكوفة الا اصحاب
عبداللہ اھرتذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۰
میں کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود کے سوا اور
کسی کو فقہا نہیں جانتا۔

حضرت علیؑ جب کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود لوگوں میں دین
اور لفقہ کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور مسجد کوفہ میں جب چار سو کے قریب دو تائیں کھلی
ہوئی دیکھیں جن سے طلبہ کہ امام کتابت علم میں مصروف تھے، تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ :-

لقد ترک ابن ام عبد یعی ابن مسعود
هلواء صبح الكوفة (مناقب مرفوع ج ۲ ص ۱۴۰)
عبداللہ بن مسعود نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ
بنا کر چھوڑا ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ فقہ میں جن حضرات کو مقام
بلند حاصل رہا ہے، ان میں خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے اصحاب شامل
ہیں اور ان کی فقہ تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم اور ان پر فائق ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ
صاحب لکھتے ہیں کہ :-

قول زین بن ثابت اور فرات بن مقدم باید ساخت بر احوال مجتہدین و قول عبداللہ بن مسعود
راد قرأت و فقہہ (ازالة الخفاء ص ۱۵ طبع صدیقی، بی بیلی)

کوفہ میں حضرات صحابہ کرام کا درود

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اہل حل و عقد نے حضرت علیؓ و المتوفیٰ
 ۳۴ھ) کو خلیفہ راشد تسلیم اور منتخب کر لیا تو کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات اٹھ کھڑے ہوئے جن کی
 وجہ سے خلیفہ چہارم کو خاصی پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور عراق کے اندر اس انداز سے
 شورش اور فتنہ برپا ہوا کہ حضرت علیؓ نے سیاسی طور پر خلافت کے استحکام کے لیے یہ ضروری سمجھا
 کہ مدینہ طیبہ سے دار الخلافہ منتقل کر کے عراق کے کسی موزوں شہر کو مرکز بنالیا جائے۔ چنانچہ یہ شرف
 کوفہ کو حاصل ہوا۔ اور انہوں نے اپنی خلافت کا بیشتر حصہ جو چار سال تھا (حاشیہ نفع الطیب
 جلد ۲ ص ۱۰۰ طبع مصر) بن حجر عسقلانی) وہیں گزارا تھا اور اس اثنا میں علاوہ دیگر علمی ضیاء
 پاشیوں کے جو ان کی اور دیگر حضرات صحابہ کرام کی وجہ سے خوب پھیلیں جتنے بھی اہم
 قضایا اور فیصلے ان کے ذریعے صادر ہوئے وہ کوفہ ہی میں ہوئے۔ چنانچہ شیخ الاسلام
 ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:-

وإنما ظهر علمه علیٰ وفقهه فی الکوفة بحسب
 یعنی حضرت علیؓ کا علم اور ان کی فقہ کوفہ میں ان کی
 مقامه فیہا عندہ مدۃ خلافته ۱۱
 خلافت کی مدت میں ظاہر ہوتی رہی۔
 (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۷ طبع مصر)

اور حضرت شاولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

كان اغلب قضایاہ بالكوفة
 ان کے بیشتر فیصلے کوفہ ہی میں صادر ہوئے۔
 (حجة البالغة ج ۱ ص ۱۳۲ طبع مصر)

اور یہ کوئی معجزے چند فیصلے نہ تھے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-
 "قضایائے بسیار در ایام خلافت بردست اظہار شدند" (قرۃ العینین ص ۱۳۷ طبع مجتہدائی دہلی)
 مگر یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ کے کوفہ جانے سے پہلے بھی وہاں علم و عرفان کی بارش برستی
 رہی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت علیؓ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت
 عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے" (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۹)

اور لکھتے ہیں کہ "جب حضرت علیؓ کو فہ تشریف لے گئے تو ان سے پہلے ہی اہل کوفہ حضرت مسعود بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ وغیرہ سے جن کو حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجا تھا، دین و علم حاصل کر چکے تھے" (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۷) اور جو علوم اہل کوفہ نے حاصل کیے تھے وہ بھی سن لیجیے کہ :-

فان اهل الكوفة التي كانت داره كالوا
قد تعلموا الديان والقران وتفسيدوا الفقه
والسنة عن ابن مسعود وغيره قبل ان
يقدم علي على الكوفة ۱ هـ
اہل کوفہ نے جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ تھا حضرت
عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر فقہ
اور سنت کا علم حضرت علیؓ کی کوفہ میں تشریف
آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔
(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۲)

اور ان اکابر صحابہؓ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرامؓ عراق کے اس بابرکت شہر کوفہ میں تشریف
لے گئے تھے۔ چنانچہ امام حاکمؒ (المتوفی ۳۰۵ھ) جو الحافظ البکیر امام الحدیث تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۷) نے
۲۹ صحابہ کرامؓ کے نام مع ولایت بیان کیے ہیں جو کوفہ میں نزیل ہوئے۔ (ملاحظہ ہو معرفت
علوم الحدیث ص ۱۹۱ طبع القاہرہ)۔

علامہ ابن مسعودؓ (المتوفی ۲۳۰ھ) جو الحافظ العلماہ اور کثیر العلم تھے۔ تذکرہ ج ۳ ص ۱۲۰ لکھتے
ہیں کہ "ستر بدری اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کوفہ میں تشریف فرما
ہوئے تھے" (طبقات ابن مسعود ج ۶ ص ۷۰ طبع مصر)
اس سے انداز لگایجیے کہ دیگر صحابہ کرامؓ جو کوفہ میں فروکش ہو کر اس کو بابرکت کر چکے ہوں گے
ان کی تعداد کیا ہوگی؟

امام ابو بکر الدوبلی الحنفیؒ (المتوفی ۲۱۰ھ) جو الحافظ اور العالم تھے تذکرہ ج ۲ ص ۲۹۱) سند کے
ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ (المتوفی ۱۱۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ :-

نزل الكوفة الف وخمسون رجلا من
اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم واربعة
وعشرون من اهل بدر كتاب الكافي والاسماء
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ایک
ہزار اور پچاس (دیگر صحابہؓ) اور چوبیس بیسی صحابہؓ
کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

جلد ۱ ص ۱۷۷ طبع حیدرآباد دکن)

امام احمد بن عبد اللہ العیسیٰ (المتوفی ۲۶۱ھ جو الامام الحافظ اور القدوة تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۷ اکابرین
ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ نازل ہوئے تھے (بحوالہ فتح القدير حافظ ابن ہمام جلد ۱ ص ۲۲ طبع
نئی کشتور شرح نقایہ جلد ۱ ص ۲۱ ملّا علی نقاری)۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی ۹۰۲ھ) کوفہ میں فرود کش ہونے والے بعض صحابہ کرامؓ
کے نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ :-

وخلق من الصحابة - (الاعلان بالتوزيع لمن ذم اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ وہاں اترے۔

التاریخ ص ۱۲۹ طبع دمشق)

غور فرمائیے کہ جو مقام خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا دار الخلافہ ہوا اور جس میں عام صحابہ کرامؓ کے علاوہ
بدی اور اصحاب الشجرہ (جن کو رضائے الہی کی سند بذریعہ قرآن پاک اور حضرت کا پروانہ بنو سہیل
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چکا ہو) نازل ہوئے ہوں اور جس میں فقہاء صحابہؓ میں سے
علیؓ مخصوص حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ فضل خصوصاً اور تعلیم کے ذریعہ علم دین، ایمان
اور فقہ سے لوگوں کے دلوں کو مالامال کر چکے ہوں اس کی فضیلت کے لیے یہ مناقب و
مزایا بھلا کیا کم ہیں؟

امام نووی الشافعی (المتوفی ۶۷۶ھ جو الامام الحافظ الاوحد القدوة اور شیخ الاسلام
تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۵) لکھتے ہیں کہ :-

وهي دار الفضل ومحل الفضلاء

(شرح مسلح ج ۱ ص ۱۵۵)

اور امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ کو معدن العلم والفقہ فرمایا ہے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۵۵)
امام سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ جو العلما الحافظ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۳)
نے فرمایا کہ افعال حج اور مناسک تو تم اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرأت اہل مدینہ سے سیکھو لیکن :-
وخذوا الحلال والحرام عن اهل الكوفة حلال اور حرام کے مسائل تم اہل کوفہ سے لو۔
(معجم بلدان یا قوت حموی لفظ کوفہ)

اور نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو مغازی اور جگلوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور مناسک حج اہل مکہ سے سیکھے۔

ومن اراد الفقه فالكوفة
اور جو فقہ چاہتا ہے تو اُس کے لیے کوفہ ہی ہے۔
(مناقب صدر الائتہ ج ۲ ص ۶۷)

حافظ ابوالقاسم بن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) جو الحافظ الامام الحافظ الکبیر، فخر اللہ اور ثقہ الدین تھے، تذکرہ جلد ۴ ص ۱۸۸) اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم نماز کے مسائل اہل مدینہ سے، مناسک حج اہل مکہ سے اور طعام وغذوات کے حالات اہل شام سے حاصل کرو۔ اور

والدای عن اهل الكوفة
لئے وقتہ تم اہل کوفہ سے حاصل کرو۔

(تاریخ دمشق جلد ۳ ص ۳۱۶ طبع دمشق)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ کوفہ صرف فقہ ہی کے لیے مشہور نہ تھا بلکہ وہ علم حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا اور ہزاروں طلبہ حدیث وہاں حاضر ہو کر اپنی آفتاب شوق بجھایا کرتے تھے، چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین (المتوفی ۱۷۷ھ) جو الامام الربانی، فقیہ، امام، غزیر العلم، ثقہ، ثابت اور فن تبحر کے علامہ تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۶۳) فرماتے ہیں کہ:-

قدمت الكوفة وبها اربعة الاف يطلون
میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث
المحدث (تدیب الدلوی ص ۲۷۵ طبع مصر) موجود تھے۔

محدث بغدادی بن مسلم (المتوفی ۱۷۷ھ) ابوہمیر فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور امام تھے۔
بغدادی جلد ۱ ص ۱۲۶ اور عیال فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثابت اور صاحب سنت تھے۔ ایضاً۔
اور یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثابت اور متقن تھے۔ ایضاً ص ۲۷۷ اور علامہ ذہبی ان کو الحافظ اور محدث بغدادی لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۷۷) فرماتے ہیں کہ:-

فقد منا الكوفة فاقمنا اربعة اشهر ولو ادنا
ان نكتب مائة الف حديث لكتبناها
فما كتبنا الا قد رضخنا الف حديث
ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے
تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے
مگر ہم نے (کمال احتیاط کے ساتھ) صرف پچاس

الى ان قال وما رأينا بالكوفة حتى نأجوزا اه
 شرح الفية العراقي ج ۳ ص ۹ طبع مصر وتقدمه
 نصب الأربعة ص ۳۵

ہزار حدیثیں ہی لکھیں (پھر فرمایا) کہ ہم نے کوفہ میں
 عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روکنا کھنے والا
 کوئی نہیں دیکھا۔

امام أبو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد المتوفی ۳۱۶ھ جو الحافظ العلامة اور قدوة المحدثین تھے ،
 تذکرہ جلد ۲ ص ۲۹ اور وہ اپنے دور کے بڑے زاہد اور عابد تھے ، تین لاکھ سے زیادہ لوگ
 ان کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۳۰) فرماتے ہیں کہ :-

وقال دخلت الكوفة ومعى درهم واحد
 فاشترت به ثلاثين مئةً باقلا وفكنت
 اكل منه واكتب عن الاشيج فافترغ
 عن الباقلا رحتي كتبت عنه ثلاثين
 الف حديث مابين مقطوع ومرسل
 وتذكرة الحفاظ جلد ۲ ص ۲۹۹ وتاريخ بغداد
 ج ۲ ص ۱۵۷ وطبقات سبکی ج ۲ ص ۲۳۳

میں جب کوفہ میں داخل ہوا تو میرے پاس صرف
 ایک ہی درہم تھا جس کا میں تیس مئة (تقریباً
 ایک رطل اور پونڈ کا مئة ہوتا ہے) باقلا خرید لیا پھر
 میں اس کو کھاتا رہا اور محدث اشج سے حدیثیں
 لکھتا رہا۔ اس طرح میں نے باقلا کے ختم ہونے
 سے پہلے ہی تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں
 مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں۔

اس عبارت میں جس الاشج کا تذکرہ آیا ہے وہ ابو سعید عبد اللہ بن سعید بن حصین الکنذلی الکوفی
 (المتوفی ۲۵۷ھ) ہیں جو الامام شیخ الاسلام، الحافظ اور محدث الکوفہ تھے۔ امام ابو حامد کا بیان
 ہے کہ ہوا علم اہل زمانہ۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۳)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے طلب حدیث کے
 سلسلہ میں بہت سے اسلامی شہروں کا سفر اختیار کیا تھا لیکن کوفہ اور بغداد میں تو وہ بار بار حاضر ہوتے
 رہے ، چنانچہ خود ان کا اپنا ارشاد ہے کہ :-

لا احصى كم دخلت الى الكوفة وبغداد
 مع المحدثين لهدى السارى مقدمه فتح الباري

میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ
 اور بغداد کو کتنی مرتبہ گیا۔

جلد ۲ ص ۲۹۹ طبع مصر

امام عبد اللہ بن احمد (المتوفی ۲۹۰ھ جو الامام الحافظ اور المجتہد تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۳) نے

اپنے والد ماجد حضرت ام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ طلب علم کے لیے ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنا چاہیے، یا دیگر مقامات میں بھی جا کر علم حاصل کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:-

یرحل ویکتب من الکوفیین والبریین سفر اختیار کرنا چاہیے اور کوفیوں، بصریوں، اہل
واهل المدینة ومكة (تدریب اللوی مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھنا چاہیے۔
ص ۳۱۱، اوفتح المغیث ص ۳۱۱)

ملاحظہ کیجئے کہ امام اہل سنت اور مقتدائے ملت نے جن مقامات اور جن حضرات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے، ان میں اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے نمبر پر کیا ہے، کیا خوب کہا گیا ہے کہ نہ میری انتہا لے نکارش یہی ہے ترے نام سے استدا کر رہا ہوں
اہل کوفہ اور علم حدیث

چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ کوئی تھے، اس لیے سابق زمانہ میں حاسدین اور متعصبین اور کچھ حقیقت ناشناس حضرات نے اور اس دور میں غیر معتقدین حضرات نے خاصی قوت صرف کر کے یہ ہم شروع کر رکھی ہے کہ اہل کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا اور کوفہ والوں کی حدیث میں ٹور ہی نہیں اور کوفہ والوں کی نقل ہی معتبر نہیں اور اگر جابر جعفی کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے وہ اس عنوان کو ادا کرتے ہیں چنانچہ مصنف حقیقت الفقہ حصہ اول ص ۸۵ میں یہ عرضی قائم کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی اور پھر کچھ تو دعویٰ سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں ہمیں ان کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں اور ایک حوالہ ابو داؤد ۲۶ ص ۲۵ طبع مجتہبی کا یوں نقل کیا ہے۔ (ہم صرف ان کے ترجمہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں)۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث میں ٹور نہیں ہے ۱۵ھ
مگر صد افسوس کہ مصنف مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھا ہے تو خیانت سے کھم لپا ہے، ہم ابو داؤد کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابوالعلی سمعت ابا داؤد قال قال النقیلی ابوعلی کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد سے سنا کہ نقیلی
حیث حدث بهذا الحدیث واللہ انہ عندی جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے

تھے کہ بخدا یہ حدیث جسمیں حدیثنا اور حدیثی کے (سماح
 کیلئے صریح) الفاظ آتے ہیں مجھے شہد سے بھی زیادہ
 لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ابو علیؑ نے ابو داؤدؒ سے یہ روایت
 کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمدؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ
 اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں اور میں نے اہل بصرہ کی طرح کوئی
 اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو کیونکہ انہوں نے
 شعبہ سے یہ حاصل کیا ہے۔

احلی من العسل یعنی قولہ حدیثنا و حدیثی
 قال ابوعلی سمعت ابا داؤد یقول سمعت
 احمد یقول لیس لحدیث اهل الكوفة
 نور قال و ما رأیت مثل اهل البصرة كانوا
 تعلموه من شعبۃ (انتہی) جلد ۲ ص ۳۳۱

(بایں ہمہ حضرت شعبہؒ کا علم بھی اہل کوفہ کا فیض تھا چنانچہ بغدادیؒ لکھتے ہیں :- و علمہ

کوفی جلد ۹ ص ۲۵۷)۔

بات صرف اتنی ہے کہ اہل بصرہ حدیثنا و حدیثی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔
 اور اہل کوفہ اس فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکی (المتوفی ۷۵۷ھ)
 اور حافظ عراقی الشافعی (المتوفی ۳۸۶ھ) نے اجماع نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم ص ۵۷ وغیرہ)
 حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ، مالکؒ، ابن عیینہؒ، یحییٰ القطانؒ اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ
 اور اسی طرح اہل مغربہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجب نے مختصر میں ترمیم دی ہے اور امام
 حاکم نے ائمہ اربعہ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اور بعض نے
 ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۵ طبع معصر)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرم روایت کے اس دقیق فرق کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں
 کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لیے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی سند کے لحاظ
 روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ فرق اہم شعبہ سے حاصل کیا ہے، یہ مطلب ہرگز
 نہیں کہ کوفروالوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے جیسا کہ مؤلف تحقیق الفقہ کا یہ
 باطل اور بے بنیاد مدعی ہے اور مؤلف منتج التقليد نے تو اس سے بھی بڑھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے
 چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رئیس المحدثین امام ترمذیؒ کا قطعی وناطق فیصلہ بھی سننے چلیے، لولا جابر الجعفی
 لکان اهل الكوفة بغیر حدیث ولولا حماد لکان اهل الكوفة بغیر فقہ (ترمذی ص ۲۹)

اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو حنفی مذہب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوئی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے سنی دست ہوتی۔ جابر جعفی کو امام ابوحنیفہؒ سے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حمادؒ بھی متکلم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں۔ لطف یہ کہ فقہ حنفیہ کا سرمایہٴ حیات لے دے کہ بقول امام ترمذیؒ جابر جعفی اور حمادؒ کوئی ہی ہیں۔ (انتہی بلغظہ ص ۹ و ۱۰)

مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور بھی کئی وجوہ سے جہالت کا شکار ہو گیا۔ اولاً اس لیے کہ یہ قول امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ وکیع بن الجراحؒ کا ہے اور وہ جابر بن یزید جعفیؒ کی توثیق کر رہے ہیں۔ (اگرچہ جمہور ان کی تضعیف کرتے ہیں) چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال وکیع مہما شککم فی شیئ فلا تشکوا
فی ان جابراً ثقۃ حدیثا عنہ مسعود سفیان
وشعبۃ وحسن بن صالح
(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۵)

وکیعؒ فرماتے ہیں کہ تم اگر کسی اور چیز میں شک کرتے ہو تو شوق سے کرو مگر اس میں بالکل شک نہ کرنا کہ جابر ثقہ ہے۔ ہم سے مسعود، سفیان، شعبہ اور حسن بن صالح نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔

اور ترمذیؒ کی اس عبارت میں بھی مقصود بالذات یہی نکتہ ہے۔ دوسرا یہ مؤلف نے اہل کوفہ سے کیونکر علی التعمین حنفی ہی سمجھ لیے ہیں، کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو مولانا مبارکپوری صاحبؒ ہی کی سن لیجئے:-

قلت الصحیح ان الترمذی اراد باہل الکوفۃ
من کان فیہا من اہل العلم کالامام ابی حنیفۃ
والسفیانین وغیرہم واراد ببعض اہل
الکوفۃ بعضهم ولم یرد باہل الکوفۃ او
ببعض اہل الکوفۃ الامام ابی حنیفۃ وحده
(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۰۱)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم و مال بہتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذیؒ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابوحنیفہؒ ہی مراد نہیں لیے۔

کیا اس حوالہ کے پیش نظر ہم سبھی سمجھ لیں کہ جلد اہل کوفہ کی حدیث دانی جابر بن یزید جعفی پر قائم ہے؟ اور بقول مؤلف نتائج التقلید لے دے کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایہٴ حیات ہی جابر جعفیؒ ہیں؟ وثائق امام حمادؒ کو علی الاطلاق متکلم فیہ سمجھنا اور متکلم فیہ کا معنی غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے۔ درندہ

اکثر روایات متکلم فیہم مضمون ہے۔ (مزید تحقیق تعلق المغنی ج ۱ ص ۱۵۱ میں دیکھئے) اور کیا امام حاد محمد بن اسحاق سے بھی زیادہ متکلم فیہم ہیں؟ جن کی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے اور غیر مقلدین حضرات کے دور حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ایک مقام پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”پھر یہ مسل کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت

نہیں ہے“ (ملفوظ خیر الکلام ص ۲۹۵)

یعنی اہل کوفہ کی نقل اور روایت سے گلو خلاصی کے لیے کیا ہی تیر بہدف اور زود اثر نسخہ دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟ بتائیے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیر عظیم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں کوئی کوئی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا دو اور یقین جانئے کہ کوفہ کا کوئی کوئی راوی پہلے اس کا اثر نمایاں ہوگا اور اہل کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہوگی وہیں ختمت و بے ہوش ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال ہے کہ مسئلہ رفع یدین، آئین بالجہر اور فوق الصدور وغیرہ میں کہیں سفیان ثوری اور ایسے ہی دیگر کوئی نہ ہوں، ورنہ یہ سودا سسر مہنگا پڑے گا اور یہ کہتا پڑے گا۔

جاؤ وہ جو سر پر چڑھ کر نکلے

راقم الحروف نے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کے سن وفات ۲۵۶ھ تک جب محدثین کوفہ کی تلاش تاریخ خطیب، طبقات صبی، تذکرہ الحفاظ، معرفت علوم الحدیث تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ وغیرہ وغیرہ کتب اسما الرجال و طبقات میں شروع کی تو ان کی تعداد سیکڑوں سے بھی متجاوز نکلی، خوف طوالت سے سب کو نظر انداز کر دیا، البتہ غیر مقلدین حضرات کو دعوت فرمائی کہ یہ تذکرہ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظام کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو علامہ ذہبی نے الکوفی یا نزہل الکوفہ کے لقب سے یاد کیا ہے عام اس سے کہ وہ بولد کوئی ہوں یا سکنا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں مستقل عنوان صرف انہی حضرات کے ناموں سے قائم کئے ہیں جو حفاظ حدیث ہیں۔ کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے الامام القدرۃ، الحدیث اور کسی کے نام کے ساتھ الحفاظ، الحجۃ، الشیخہ اور کسی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور محدث

الکوفہ وغیرہ کے تصنیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور ان کا صحیح بہ طور مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے اور حتیٰ الوجود ہر ایک کا سن وفات بھی عرض کر دیں گے۔

المتوفی ۱۰۳ھ	۲۱ امام شہجی	المتوفی ۶۲ھ	۱ علقمہ بن قیس
۱۲۷ھ	۲۲ ابوالسخت البیہقی	۶۳ھ	۲ مسروق بن الاحمد
۱۱۹ھ	۲۳ حبیب بن ابی ثابت	۷۲ھ	۳ عبیدہ بن عمرو المرادی
۱۱۵ھ	۲۴ الحکم بن عتیبہ	۷۵ھ	۴ اسود بن زید
۱۱۶ھ	۲۵ عمرو بن مرہ	۸۱ھ	۵ سوید بن غنملہ
۱۱۱ھ	۲۶ قاسم بن مخیرہ	۸۲ھ	۶ زر بن ہیش
۳۶ھ	۲۷ عبدالملک بن عمیر	۹۳ھ	۷ ربیع بن العثیم
۱۳۰ھ	۲۸ منصور بن معتمر	۷۳ھ	۸ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ
۱۳۰ھ	۲۹ مغیرہ بن مقسم	۷۳ھ	۹ ابو عبدالرحمن السلی
"	۳۰ حسین بن عبدالرحمن	۷۸ھ	۱۰ شریح بن الحارث
۱۳۰ھ	۳۱ ابوالسحاق اشجینی	۸۲ھ	۱۱ ابوداؤد شقیق بن سلمہ
۱۴۰ھ	۳۲ اہمیل بن ابی خالد	۹۷ھ	۱۲ قیس بن ابی حازم
۱۴۸ھ	۳۳ سلیمان بن مران عمش	۷۵ھ	۱۳ عمرو بن میمون
۱۴۵ھ	۳۴ عبدالملک بن سلیمان العزیمی	۸۴ھ	۱۴ زید بن وہب الجبلی
۱۴۸ھ	۳۵ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ		۱۵ معمر بن سوید
۱۴۹ھ	۳۶ حجاج بن اطاعة	۹۸ھ	۱۶ ابوعمر و الشیبانی
۱۷۵ھ	۳۷ مسعر بن کدام	۱۰۱ھ	۱۷ ربیع بن خراش
۱۶۰ھ	۳۸ المسعودی	۹۲ھ	۱۸ ابراہیم التیمی
۱۶۱ھ	۳۹ سفیان بن سعید ثوری	۹۵ھ	۱۹ ابراہیم النخعی
۱۶۲ھ	۴۰ اسرائیل بن یونس		۲۰ سعید بن جبیر

- ٦٣) أبو معاوية المتوفى ١٩٥ هـ
 ٦٤) مروان بن معاوية " ١٩٣ هـ
 ٦٥) خصص بن غياث " ١٩٢ هـ
 ٦٦) وكيع بن الجراح " ١٩٤ هـ
 ٦٧) الأشعبي " ١٨٢ هـ
 ٦٨) عبدة بن سليمان " ١٨٨ هـ
 ٦٩) المحاربي " ١٩٥ هـ
 ٧٠) محمد بن فضيل بن غزوان " "
 ٧١) أبو أسامة " ٢٠١ هـ
 ٧٢) محمد بن بشر " ٢٠٣ هـ
 ٧٣) يحيى بن سعيد بن ابان " ١٩٢ هـ
 ٧٤) يونس بن بكير " ١٩٩ هـ
 ٧٥) عبد الله بن نمير " "
 ٧٦) شجاع بن الوليد " ٢٠٢ هـ
 ٧٧) محمد بن عبيد " "
 ٧٨) يعلى بن عبيد " ٢٠٩ هـ
 ٧٩) عبد الله بن داود الخزيمي " ٢١٣ هـ
 ٨٠) حسين بن علي الجعفي " ٢٠٣ هـ
 ٨١) زيد بن الحباب " ٢٠٣ هـ
 ٨٢) عبيد الله بن موسى " ٢١٣ هـ
 ٨٣) اسحاق بن سليمان القيسري " ٢٠٠ هـ
 ٨٤) أبو أحمد النسيري " ٢٠٢ هـ
 ٨٥) يحيى بن آدم " ٢٠٣ هـ

- ٣١) زائدة بن قدامة المتوفى ١٦١ هـ
 ٣٢) الحسن بن صالح بن حي " ١٦٤ هـ
 ٣٣) شيبان بن عبد الرحمن " ١٦٢ هـ
 ٣٤) قيس بن الربيع " ١٦٤ هـ
 ٣٥) ورقان بن عمرو بن كليب " بعد ١٦٠ هـ
 ٣٦) شريك بن عبد الله القاسمي " ١٤٤ هـ
 ٣٧) زهير بن معاوية " ١٤٣ هـ
 ٣٨) قاسم بن معن " ١٤٥ هـ
 ٣٩) أبو الأوصم سلام بن سليم " ١٩٤ هـ
 ٤٠) عبيد بن القاسم " ١٤٨ هـ
 ٤١) سفيان بن عيينة " ١٩٨ هـ
 ٤٢) البربر بن عياش " ١٩٣ هـ
 ٤٣) يحيى بن زكريا بن ابى زائدة " ١٨٢ هـ
 ٤٤) عبد السلام بن حرب " ١٨٤ هـ
 ٤٥) جريه بن عبد الحميد " ١٨٨ هـ
 ٤٦) أبو خالد الأحمر " ١٩٨ هـ
 ٤٧) أبو اسحاق الفزاري " ١٨٥ هـ
 ٤٨) عيسى بن يونس " ١٨٤ هـ
 ٤٩) عبد الله بن ادريس " ١٩٢ هـ
 ٥٠) يحيى بن ميان " ١٨٩ هـ
 ٥١) حميد بن عبد الرحمن " ١٩٠ هـ
 ٥٢) علي بن مسهر " ١٨٩ هـ
 ٥٣) عبد الرزاق بن سليمان " ١٨٤ هـ

۹۲	یحییٰ بن ابی بکر	المتوفی ۲۰۸ھ
۹۳	زکریا بن عدی	۲۱۲ھ
۹۵	احمد بن عبداللہ بن یونس	۲۲۷ھ
۹۶	ابو عثمان	۲۱۹ھ
۹۷	خالد بن مخلد قطوفی	۲۱۳ھ
۸۷	داؤد بن یحییٰ بن یمان	المتوفی ۲۰۳ھ
۸۸	ابو جابر الحسن بن عبداللہ بن زید	۲۱۳ھ
۸۹	ابو نعیم فضل بن وکیع	۲۱۹ھ
۹۰	قیصہ بن عقبہ	۲۱۵ھ
۹۱	موسىٰ بن داؤد الضبی	۲۱۷ھ
۹۲	خلع بن تمیم	۲۰۶ھ

یہ یاد ہے کہ ہم نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی حضرت امام ابو حنیفہ اور قاضی ابویوسف (المتوفی ۱۸۲ھ) کا راجد وجودیکہ ان کو تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں مستقل عنوان دے کر علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے (تذکرہ نہیں کیا تاکہ ان کے نام سے مزاج یار کہیں برہم نہ ہو جائے۔

اس سے آپ اندازہ لگالیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسیوں دیگر اسناد احوال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظ دیگر کوفہ کے حدیث دانوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم مصنف حقیقت الفقہ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا ان محدثین کوفہ یا کوفہ کے حدیث دانوں کی بیان کردہ حدیثوں میں ٹور کی کوئی گران اور جھلک ہے یا نہیں؟ صحاح ستہ اور خصوصیت صحیحین میں تو ان بیس اکثر حضرات کی حدیثیں آفتاب نیروز کی طرح چمک رہی ہیں اور کیا ہم مولف نتائج التقلید اور ان کے جملہ مصدقین حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کا نام جھجھتی ہے؟ اور کیا ان سب بزرگوں کو روایتیں صرف جابر جعفی کے طریق ہی سے حاصل ہوتی ہیں؟ اور کیا ان تمام حضرات کا سرمایہ حیات لے کر جابر جعفی پر ہی ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا ہم جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب نے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ان اہل کوفہ حضرات کی نقل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا ان اکابر حفاظ حدیث کی روایت کی دوسرے روایت حدیث کی بیان کردہ حدیثوں سے تطبیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی نقل اور پیش کردہ روایات و احادیث پر کوئی اعتماد و اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! آپ نے بخوبی یہ ملاحظہ کر لیا کہ غیر متقدمین حضرات کا اصل اختلاف تو صرف حضرت

اہم ابوحنیفہؒ کوئی سے ہے، لہذا ان کے لیے صرف یہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نہ تو اہم ابوحنیفہؒ کو (معاذ اللہ) ثقہ مانتے ہیں اور نہ ان کی نقل کو اور اگر اس سے بھی آگے نوازش کرنا چاہتے تھے۔ تو یہ کہہ دیتے کہ ان اہل کوفہ کی نقل کو بھی ہم نہیں مانتے جو حنفی ہیں۔ اگرچہ کئی طور پر یہ بھی قطعاً باطل ہے۔ مگر صدافونس تو یہ ہے کہ اہم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کی عدالت کے پر وہ میں سب اہل کوفہ کو کو سا جا رہا ہے اور سب پر سے اعتماد مٹایا جا رہا ہے۔ اس سے جڑھ کر تعصب کی مثال بھی دُنیا میں کوئی ہو سکتی ہے؟ اور اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ اہل کوفہ سے ہماری مراد ہی حنفی ہیں تو یہ بھی باطل ہے۔ ہر مسم مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے اس کی تردید لکھ آئے ہیں اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے۔ تو کیا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام یحییٰ بن سعیدؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ویح بن الجراحؒ، امام ایبٹ بن سعدؒ اور امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ وغیرہ وغیرہ سب کی نقل صحیح نہیں؟ اگر ان کی نقل صحیح نہیں تو محدثین کرامؒ میں کس کی نقل صحیح ہے؟ ہم نے اپنی کتاب "طائفۃ منصور" میں تاریخ کے محسوس حوالجات سے ان اکابر کا حنفی ہونا ثابت کیا ہے۔ الغرض غیر مقلدین حضرات کا اہل کوفہ کی حدیث دانی کا انکار کرنا پھر وہیں رات کے نصف ساد چاند اور آفتاب نیم روز کا انکار کرنا ہے جس کو کوئی بھی منصف مزاج تسلیم کرنے پر کبھی بھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ متعصبین کی بات ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کا اس جہاں میں کسی پاس کوئی علاج نہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ۔

بش کہ تا طبل قیامت نزنند

آن تو نیک آید و یا اس ما

باب چہارم

امام صاحب کا مقام علم کلام اور فتاہست میں حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی ولادت سنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ جب کہ حضرات سجاد کرام کی بعض بزرگ شخصیتیں موجود تھیں اور انہوں نے اکابر تابعین سے علم دین حاصل کیا اور فقہ میں تو حضرت امام ابوحنیفہ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اکثر محدثین عظام، فقہاء کرام اور جمہور اُمت کی موافق اور کیس مخالف سب اُن کے فقہی کمال پر متفق اور اُن کی اس خوبی اور کمال میں ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ومن اراد الفقه فهو عيال على ابي حنيفة
 (الانتقاء ۱۳ لابن عبد البر)

فقہ چاہنے والا امام ابوحنیفہ کا غوشہ چہن ہے۔ (الحی
 سندیں نہ تو احمد بن محمد بن الصلت ہے اور نہ الحارثی)

اور نیز فرماتے ہیں کہ :-

كان ابوحنيفة وقوله في الفقه مستلها فيه
 (الانتقاء ۱۲۵)

نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں لقمہ تجھ (یعنی جلد ۱۳ ص ۳۳۸ و اکمال ص ۶۲۵) تو وہ ضرور اپنی جنت میں کامیاب رہیں۔

حضرت روح بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریر کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات کی خبر آگئی۔ ابن جریر نے انا لله الخ پڑھ کر صدر کے ساتھ

یہ فرمایا کہ :-

• کتنے بڑا علم نصرت ہو گیا ہے۔

اسی علم ذهب۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۲۳۸)

حضرت معمر بن کلام فرماتے ہیں کہ کو فرمیں مجھے دو آدمیوں پر شک آتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ پر ان کی

فتہ میں اور حسن بن صالحؒ پر ان کے زہد میں۔ (اليض)

حدث اسرئیل فرماتے تھے کہ نعمان بن ثابتؒ کیا ہی خوب مرد تھے جو ہماری ہی حدیث کے

حافظ تھے جس میں فتہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث و تمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فتہ

کی تہ تک پہنچتے تھے۔

حدث عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معمر کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں امام عبدالنیرؒ

بن المبارک تشریف لائے۔ ہم نے امام معمر سے یہ سنا، وہ فرماتا ہے تھے کہ مجھے تو ابوحنیفہؒ سے بڑھ

کر فتہ کی مہارت رکھنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کے لیے فتہ و قیاس کے ذریعہ راہِ نجات

بتانے والا ہو اور میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ محتاط کوئی شخص نہیں دیکھا جو خدا تعالیٰ کے دین میں

شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ ہو۔

ابو جعفر رازی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں پایا۔ (بغدادی

جلد ۱۳ ص ۲۳۹)

علامہ ذہبی ان کو الامام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل مہتمم اور کبیر الشان لکھتے

ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف کی اور ان کو صاحب

فضیلت تسلیم کیا ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع مصر)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوف سے روایت کی اور ان کی توثیق و تعریف

کی ہے، وہ ان لوگوں سے بدجہاز زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں دبلادجیم کلام کیا ہے۔ (مختصر کتاب العلم

علامہ خطیب بغدادیؒ باوجود امام صاحب پر انتہائی عجز و نفل کرنے کے ان کی ذاتی خوبیوں

اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے۔ ان کو امام اصحاب الرائے اور فقیہ اہل العراق فرماتے ہیں اور

اپنی تاریخ میں امام صاحب کے بہت سے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۳)

ص ۳۲۳ تا ۳۶۸) اور بحوالہ امام شافعی نقل کرتے ہیں کہ لوگ علم عقائد و کلام میں امام ابو حنیفہ کے خورشید
چسپیں ہیں۔ (بخاری جلد ۱۳ ص ۱۶۱)

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ علماء تو صرف چار ہیں، سفیان ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور اوزاعیؒ
(البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۱۱)

امام صدر الامم مکی الحنفیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرحمن بن مہدی سے
روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف نقال حدیث تھا، اور سفیان ثوریؒ علماء کے
امیر المؤمنین تھے، اور سفیان بن عیینہؒ امیر العلماء تھے اور شجرہ عیار الحدیث (یعنی حدیث کی
تحصیل کے لیے طواف و حرکت کرنے اور سرگردان رہنے والے بلکہ کسوٹی) تھے اور عبداللہ بن
المبارک صرف الحدیث تھے اور یحییٰ بن سعید قاضی العلماء تھے اور فرماتے ہیں کہ:-

وابلحنیفۃ قاضی قضاة العلماء ومن قال
لک سوی هذا قارمہ فی کنا سۃ بنی سلیم
ابو حنیفہؒ علماء کے قاضی القضاة تھے جو شخص تھے
اس کے علاوہ کوئی اور بات کے تو تم اس کو بنو سلیم
کی غناطت اور گندگی ڈالنے کی جگہ (یعنی کوڑی میں)

ڈال دو

حسن بن صالح بن عیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ مجھ در علم اور تثبتت فی العلم تھے۔ (الانتقاء
ص ۱۲۸ و تانیب الخطیب ص ۱۵۴)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن زبیرؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-
والعلم بکراً و جراً و شرقاً و غرباً بعداً و قدراً
تدوینہ رضی اللہ عنہ (فرست ابن ندیم ص ۲۹۹)
علم بر بوجہ، مشرق و مغرب اور بعد و قرب میں مہینا
بھی مدون ہوا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کا مدون کیا
ہوا ہے۔

علامہ محمد بن اشیر الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص
لطف اور بھیدا اس میں مضمّن نہ ہوتا تو امت محمدیہ کا تقریباً نصف حصہ کبھی امام ابو حنیفہؒ کی پیروی
نہ کرتا اور اس جلیل القدر امام کے مسلک پر عامل ہو کر اور ان کی تقلید اختیار کر کے کبھی تقرب
خداوندی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ (محصلاً جامع الاصول، بحوالہ تقدیرہ نصب اللہ ص ۳۹)

حافظ ابن کثیر الشافعی (المتوفی ۷۴۶ھ) امام صاحب کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرماتے

ہیں کہ الإمام، فقیہ العراق، احد الأئمة الاسلام والتاوة الاسلام احد اركان العلماء احد
الأئمة الاربعة، اصحاب مذاهب المتبوعة (البدایة والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۰۰)

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :-

ومتاسا في الفقه لا يدق شهاده بذلك
اهل جلدته وخصوصاً مالك والشافعي
(مقدمہ ص ۴۴۷ طبع مصر)

فہتہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان
کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان کے ہم عصر علماء نے
ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً امام
مالک اور امام شافعی نے۔

امام ابن حجر مکی الشافعی (المتوفی ۷۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قال بعض الأئمة لم يظهر لاحد من أئمة
الاسلام المشهورين مثل ما ظهر لابن حنيفة
من الاصاب والتاميز ولم ينتفع العلماء
وجميع الناس بمثل ما انتفعوا به وباصحابه
في تفسير الاحاديث المشبهة والمسائل
المستنبطة والنوازل والقضاء والاحكام
جزاهم الله خيرا (الخيرات الحسان ج ۲ ص ۲۴۱ طبع مصر)

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مشہور ائمہ اسلام کے علاوہ
شاگرد جتنے کہ امام ابوحنیفہ کے ہیں اتنے اور کسی
کے نہیں اور علماء و اکثر لوگوں کو شہدہ احادیث کی
تفسیر اور مسائل قیاسی اور قضاء اور احکام میں جتنائی
امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے حاصل ہوا ہے
وہ اور کسی سے حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان
کو جزائے خیر دے۔

مزید تائید: حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ سبھی لوگ فہتہ میں امام ابوحنیفہ کے خوش چین اور عیال ہیں۔
ان کو منجانب اللہ فہتہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ :-

من اراد ان يعرف الفقه فليزره بالحنيفة
واصابه فان الناس كلهم عيال عليه في
الفقه - (تاريخ بغداد ج ۱ ص ۳۷۷ و مناقب صفی ص ۱۲)

جو شخص فہتہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابوحنیفہ
اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ
فہتہ میں امام صاحب کے خوش چین ہیں۔

امام حافظ الدین کردری الحنفی (المتوفی ۸۲۶ھ) امام شافعی سے اپنی سند کے ساتھ نقل

کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

ماثلت افتہ منہ (مناقب کبریٰ ص ۹)

اگر کہانی مفتاح السعادة ص ۷۱ و کمال ص ۶۲۵) میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کسی کو فقیہ نہیں پایا۔
 حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقیہ تھے اور فقہ دور ع کے ساتھ مشہور تھے۔
 امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور
 فقہی نیکات کو پرکھنے اور ان کے مواقع کا علم رکھنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے
 جب بھی امام ابو حنیفہ سے کسی منکر میں مخالفت کی ہے تو غور کرنے کے بعد ان کی رائے اور مسلک
 ہی آخرت کے سلسلہ میں زیادہ نجات دہندہ پایا۔ (تقویٰ تو انہی کے قول میں تھا۔ یہ الگ
 بات ہے کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے از روئے فتویٰ امام ابو یوسف نے بہت سے مسائل
 میں امام صاحب سے اختلاف رائے بھی کیا ہے۔ صفحہ ۷۱) اور فرماتے ہیں کہ:-

میں یہاں اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاؤں گا
 معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ صحیح حدیث کو کبھی سے زیادہ
 و کنت ربما املت الی الحدیث و کان
 هو ابصر بالحدیث الصیح منی -
 جانتے ہیں۔

امام اعش نے قاضی ابو یوسف کو طعن دیتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارے ساتھی ابو حنیفہ نے حضرت
 ابن مسعود کا یہ قول عتق الامۃ طلاقھا الخ (لو نڈی کی آزادی ہی اس کی طلاق تصور ہوگی) کہیں
 ترک کیا ہے؟ وہ فرمے گئے۔ آپ کی بیان کردہ اس حدیث کی بنا پر جو آپ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ
 عن عائشہ کی سند سے امام ابو حنیفہ سے بیان کی ہے کہ جب حضرت بربرہ آزاد ہوئیں تو ان کو
 اپنے خاندان (حضرت مغیرہ) کے نکاح میں بستے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس پر
 اعش فرمے گئے کہ واقعی ابو حنیفہ بڑے ہی سمجھدار ہیں۔

عبداللہ بن ادریس ایک موقع پر امام ابو حنیفہ کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔
 اس پر ان کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابو حنیفہ بن عیاض بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس
 شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے
 اگر میں ان کے علم کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو ان کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہونا اور اگر عمر کا لحاظ بھی
 نہ کرتا تو قیمت لقمہہ دان کی فتنہ کے لیے کھڑا ہوتا۔ اگر فقہ کے لیے بھی نہ کھڑا ہوتا تو ان
 ذمہ کے لیے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۴۴)۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ جامع الکلمات ہیں اس لیے ان کی ایک ایک خوبی بزبان حال لگی
تعظیم و تکریم کی دعوت دیتی ہے اور حق یہ ہے کہ ۷۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ابو مطیع الحکم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صاحب حدیث امام سفیان ثوری سے
بڑھ کر فقہیہ نہیں دیکھا مگر ابوحنیفہ ان سے بھی بڑھ کر فقہیہ تھے۔

ابو عاصم النبیل سے سوال کیا گیا کہ سفیان بڑے فقہیہ ہیں یا ابوحنیفہ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ
کے شاگرد اور غلام بھی فقہ میں سفیان سے بڑھ کر ہیں۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۴۲) نیز انہوں نے یہ فرمایا
کہ ابوحنیفہ فقہ اور تمام الفقہ ہیں اور سفیان تو متفقہ میں (ایضاً صفحہ ۲۴۳)۔

امام یزید بن ہارون (المتوفی ۲۰۶ھ جو الحیظ القدوة اور شیخ الاسلام تھے اور وہ اپنے وقت
کے عابد و زاہد حضرات میں شمار ہوتے تھے) اچالیس سال سے زیادہ عرصہ انہوں نے عشاء کے وضو
سے صبح کی نماز پڑھی ہے (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۹۲) سے سوال کیا گیا کہ سفیان زیادہ ائمہ ہیں، یا ابوحنیفہ؟ تو
انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ زیادہ ائمہ ہیں۔ (بخاری ج ۱۳ صفحہ ۲۴۲)

ابو مسلم المستملی نے امام ابوحنیفہ یزید بن ہارون سے دریافت کیا کہ آپ کی ابوحنیفہ اور ان کی کتابیں
دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:-

انظر واظہا ان کنتم تریدون ان تفقہوا
فانی ما رأیت احد امن الفقہاء یکسہ
الظفر فی قوله۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۴۲)

اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور
دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا
نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔

نیز امام یزید بن ہارون نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر حکیم کوئی نہیں دیکھا،
وہ صاحب فضل و دین اور متورع تھے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے تھے اور صرف وہی کام اور
باتیں کرتے تھے جو لایعنی نہیں ہوتی تھیں۔ (الخصایر الحسان صفحہ ۵۳)

امام یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ آدمی فتویٰ دینے کا مجاز کب ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب
ابوحنیفہ کی مثل اور ان کی طرح (فقہیہ) ہو جائے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ لے ابوحنیفہ آپ ایسی بات
کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں اس سے بھی زیادہ کہتا ہوں کیوں کہ میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقہیہ اور متورع کوئی

اور نہیں دیکھی۔ میں نے اُن کو دھوپ میں ایک شخص کے دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے سوال کیا کہ آپ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں چلے جاتے، وہ کہنے لگے کہ مالک مکان پر میرا قرضہ ہے۔ میں نہیں پسند کرتا کہ مقرض و مدیون کے مکان اور دیوار کے سلیے کے بیچ بیٹھ کر اس سے مستفیع ہوں۔ اس سے زیادہ تقویٰ اور ورع اور کیا ہوگا؟ (مناقب موفی ج ۱ ص ۱۴۱ و مناقب کمرہ جلد ۱ ص ۲۱۹)

امام یزید بن ہارونؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

میں نے ایک ہزار استاد سے علم کھا اور حاصل کیا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی قسم میں نے ان سب میں ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر صاحب ورع اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

کثرت عن الف شیخ حملت عنہم العلم فما رأیت واللہ فیہم اشد ورعاً من ابی حنیفۃ ولا احفظ للسانہ

(مناقب موفی ج ۱ ص ۱۹۵)

حضرت یزید بن ہارونؒ بطریق مغیرہؒ امام ابراہیمؒ کا کوئی قول سنائے تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر یہ سوال کیا کہ اے شیخ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کیجئے، لوگوں کے قول چھوٹیے، یزید بن ہارونؒ نے برہم ہو کر فرمایا، اے احمق، یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تفسیر ہے، اور تو آپ کی حدیث کو کیا کرے گا جب تو نے ان کا معنی اور تفسیر ہی نہ سمجھی۔

لیکن تمہارا مقصد تو صرف من لینا اور حدیثوں کو جمع کر لینا ہی ہے۔ اگر تمہارا مطلوب علم کا حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی بھی طلب کرتے اور ابو حنیفہؒ کی کتابوں اور ان کے اقوال کو دیکھتے اور تمہارے سامنے حدیث کی تفسیر منکشف ہوتی، یہ کہتے ہوئے اس شخص کو پھر تک کہ مجلس سے نکال دیا۔

ولکن ہمتک التماع والجمع لوکان ہمتک العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیہ ونظرت فی کتب ابی حنیفۃ وفی اقادیلہ فینسركم الحدیث وزبر النجل واخرجہ من مجلسہ۔ (مناقب موفی جلد ۲ ص ۴۸)

یہی یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو صرف ذکی لوگ ہی پسند کرتے

اقادیل ابی حنیفۃ لایحبہا الا الذکی من

التجالی ولا یضبطها الا الفہیم منہم
 (مناقب موفی جلد ۲ ص ۴۸)
 علامہ تاج الدین السبکی الشافعی (المتوفی ۷۳۵ھ) کہتے ہیں کہ :-
 ابو حنیفہ کی فقہ گری اور بائیکا ہے۔
 وفقہ الی حنیفۃ دقیق۔

رہنما الشافعیۃ جلد ۲ ص ۴۸ (طبع مصر)
 یہی وجہ ہے کہ بعض کم سواد اور نااہل لوگ اس کی وقت اور بائیکا تک رسائی حاصل نہیں کر
 سکتے اور اس سے نالاں ہو کر اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ مُتَنَبِّئُیْنِیْ نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے :-
 بِذِی الْعِبَادَةِ مِنْ اِنْشَادِهَا مَسْرُکٌ کَمَا تَقَرَّرُ رِیَاحُ النُّوْمِ دِیَابِ الْجَعْلِ
 ترجمہ :- یعنی غبی لوگوں کو ان (اشعار) کے پڑھنے سے ضرر پہنچتا ہے، جیسے گلاب کے پھول
 کی خوشبو سے فلاطت کی گولیاں بنانے والے کیڑوں کو ضرر پہنچتا ہے۔

امام خزینہ بن ہارون ہی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ ملاقات کی ہے لیکن
 میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ مصلحتدار، افضل اور توسع نہیں دیکھا۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۶۳)
 امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہ جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔
 ابو یوسفی الحنفی کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔
 امام ابو بکر بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ افضل اہل زمانہ ہیں۔ (مناقب موفی جلد ۲ ص ۲۸)

امام اوزاعی اور عمری دونوں فرماتے ہیں کہ :-

ھومن اعلم الناس بمعضلات المسائل
 ابو حنیفہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو سب لوگوں سے زیادہ
 (مناقب کروری جلد ۱ ص ۲۸) و توفیق الصیغۃ ص ۲۸ جانتے ہیں۔

حضرت امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے بڑا عابد، سب سے
 بڑا متقی، سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا فقیہ دیکھا ہے، اعب الناس تو عبد العزیز بن ابی رواد ہیں اور
 اوسع الناس فضیل بن عیاض ہیں اور اعلم الناس سفیان ثوری ہیں اور افضل الناس امام
 ابو حنیفہ ہیں۔ اور فرمایا کہ :-

میں نے فقہ میں ان کا کوئی نظیر نہیں دیکھا۔

ما رأیت فی الفقہ مثله

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اگر حدیث اور اثر میں ہفتہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں امام مالکؒ، سفیانؒ اور ابوحنیفہؒ کی رائے معتبر ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :-

وَالْبُحَيْفَةُ احْسَنُهُمْ وَادْقَهُمْ فَظَنَةُ
 ابُو حَنِيفَةَ اِنْ سَبَّ فِي عَمْرٍ اَوْ بَارِكٌ بَعْرُكَ مَالِكٌ
 میں اور ہفتہ کی باریکیوں میں غابر لگاہ رکھنے والے اور
 تیغوں میں بڑے فہیمے ہیں۔
 (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۴۳)

نیز انہوں نے فرمایا کہ جب امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کسی فتویٰ پر متفق ہو جائیں تو پھر ان کے فتویٰ کے آگے (علمی دنیا میں) کون ٹھہر سکتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کسی فتویٰ پر مجتمع ہو جائیں تو یہ قوی بات ہے، فذلک قوی، اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارکؒ نے فرمایا، جب یہ دونوں بزرگ کسی قول پر اتفاق کر لیں تو میرا یہی قول ہوگا فذلک قوی (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۴۳) وتبویض الصحیفة مکت

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر ہفتہ میں اچھا کلام کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنی رائے سے کوئی بات کرنی مناسب ہے، تو ابی حنیفہؒ کے لیے یہ مناسب ہے۔ (بجنادی جلد ۱۳ ص ۲۴۳) امام ابن المبارکؒ نے یہ بھی فرمایا کہ :-

افقه الناس ابوحنیفة ما رأیت فی الفقه
 مثلہ وقال ابوعبید لولہ ان اللہ تعالیٰ اعاشنی
 بابی حنیفة وسفیان کنت کما سائر الناس
 لوگوں میں سب سے بڑے فہیمے ابوحنیفہؒ ہیں، میں نے ان کی مثل ہفتہ میں کسی کو نہیں دیکھا نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کے ذریعہ میری امداد فرماتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔
 (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۵)

امام عبداللہ بن المبارکؒ کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیراز کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویدک۔ تعجب سے تجھ پر تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور جو رات کو پورا قرآن کریم دور کھتوں میں ختم کر رہا ہے، اور پھر فرمایا کہ :-

وتعلمت الفقه الذی عدی من ابی حنیفة
 میں نے جو علم ہفتہ حاصل کیا ہے تو وہ ابوحنیفہؒ ہی سے

(بخاری ص ۳۵۵ و مناقب موفی ص ۲۳۶ و تبيين الصيغه ص ۲۵)
 امام عبداللہ بن المبارک نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ٹیبی تعریف اور صحیح کی ہے اور بہت سے
 اشعار بھی انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف میں کہے ہیں، چند یہ ہیں۔

لقد زان البلاد ومن عليها
 بلاشبہ شہروں اور ان پر بسنے والوں کو
 امام المسلمین ابوحنيفه في زينته
 امام المسلمین ابوحنیفہؒ نے زینت بخشی ہے
 باآثار وفقه في حديث
 کائنات الرموز علی الصیغہ

احادیث اور حدیث کی دایت کے ساتھ جو اپنے روز اور اسرار میں نشانہ کی طرح صحیفہ پر جکتے ہیں۔

(تبيين الصيغه ص ۲۵ و مقدمه عدة الرعاية ص ۲ مولانا عبدالحی)

عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ جب تم آثار یا حدیث دورع حاصل کرنا چاہو تو سفیان ثوریؒ

سے حاصل کرو۔

واذا اردت تلك الدقائق فالبحريفة
 اور جب تم فقہ کی باریکیاں حاصل کرنا چاہو تو ابوحنیفہؒ

سے حاصل کرو۔

محمد بن بشر کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔
 تو جب میں سفیانؒ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے، تم کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہؒ کے
 پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ:-

لقد جئت من عند افقه اهل الارض
 واقعی تم تو زمین کے فقہ تر انسان کے پاس آئے ہو۔

ابو نعیم فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل کے بارے میں نہایت ہی باریک بین واقع ہوئے
 ہیں۔ (صاحب خوض فی المسائل)۔

عبداللہ بن داؤد الخریزی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے

یہ دعا کریں کیونکہ انہوں نے حدیث و فقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔ (بخاری ص ۲۳۳)

عبداللہ بن یزید قرنی فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نوجوان ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر بڑا فقہیہ

نہیں دیکھا۔

شہاد بن حکیم کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہؒ سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ اعلم اہل زمانہ تھے۔
نضر بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر و فحنت تھے۔ ابوحنیفہؒ نے ان کو جگایا ہے
امام یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے
کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے لیے ہیں۔ (بخاری جلد ۱۳ ص ۲۴۵)

امام یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ قرأت میرے نزدیک حجرہ کی معتبر ہے اور فقہ ابوحنیفہؒ کی۔ میں نے
اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔ (بخاری جلد ۱۳ ص ۲۴۶ و مناقب جلد ۲ ص ۳۱ و مناقب کو رومی ص ۱۹)

امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے بارے میں میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ کوئی کپل
سے تجاوز کریں گی حالانکہ وہ تو آفاق تک پہنچ چکی ہیں ایک حجرہ کی قرأت اور دوسری ابوحنیفہؒ کی فقہ۔
ابراہیم بن عکرمہ الحزونیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو متورع اور بڑا فقیہ نہیں دیکھا
(بخاری ج ۱۳ ص ۲۴۷)

علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۸۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی
مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا تو امت کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا۔
(تکملة مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو فی سبب چنانکہ در علم دین منصب
امامت دار و پیمان در زہد و عبادت امام سالکان است نہ نقصان جز الاعراض نہ تکالیف جز الابرار ص ۹۳
حضرت مولانا محمد عین صاحبؒ ندوی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ علیہ جنہیں فہم و فہم کا خارقہ
کہنا چاہیے اس میں پیدا ہوئے، اھ (الاعتصام ص ۲۰ کالم ۹ ہندی سال ۱۹۷۱ء)

حضرت میاں سید نذیر حسین صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے
متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "کیونکہ آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت
کے لیے کافی ہے اور آیتہ اِنَّ اَسْأَلَ مَكَوْنَهُ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَائِمُ کی بشارت آپ کے لیے خود
قرآن مجید میں موجود ہے مگر اکثر اہل نقل حضرت کی تابعیت کے قابل نہیں اس لیے تابعیت کا دعویٰ
کرنا فضول ہے۔ (الحیات بعد الممات ص ۵۹۳)

ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں چوٹی کے محدثین کرام مثلاً امام خطیب بغدادیؒ، امام ابن عبد البرؒ

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ وغیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ روایت کے لحاظ سے تابعی ہیں، اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہاں روایت کے بارے میں انکار تابعیت لگ بحث ہے، لیکن صحابیت اور تابعیت کے ثبوت کے لیے صرف روایت کافی ہے نہ کہ روایت ہم نے احسن الکلام میں بھی اس پر باحوالہ بحث کی ہے۔

حضرت ملا علی نقاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ صرف صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے طول صحبت اور نقل روایت شرط نہیں ہے۔ (ذیل الجواہر جلد ۲ ص ۵۳۲)

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیم فرماتے ہیں کہ ۱۔

وكان من التابعين لقي عدة من الصحابة
وكان من الورعين الذاهدين ۱ھ
امام ابوحنیفہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے
کسی صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور وہ متذرعین
اور زاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔

(فہرست ابن ندیم ص ۲۹۷)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم و فضل، تقویٰ اور ورع وغیرہ صفات حمیدہ پر متعدد حوالے اور اقتباسات آئندہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ الشار اللہ العزیز آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام پیش کردہ حوالوں سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہانیت اور علمی برتری اور فوقیت کے گیت صرف احناف کرام ہی نہیں گاتے بلکہ ممالک و شوافع احنابلہ وغیرہ کے محدثین و فقہاء عرفاء و صوفیاء وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) ہر مسک اور ہر طبقہ کے حضرات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اُمت کی اکثریت نے جس طرح حضرت امام عظیم ابوحنیفہؒ کے علم و دیانت پر اعتماد کر کے ان کی خوش چینی کی ہے وہ حضرات صحابہ کرام اور کبار تابعین کے بعد اور کسی کو فطیب نہیں ہو سکا اور علم و عرفان اور حدیث و فقہ کی ہزاروں شمعوں کے ہوتے ہوئے جس طرح آتش علم بجھانے کے لیے پروانے ان کے گرد جمع ہوئے ہیں وہ اور کسی پر جمع نہیں ہوئے۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ ۲۔

سرِ زرم فلک شب بھر ہزاروں شمعیں جلتی ہیں
گر اس محفلِ گردوں میں پروانے نہیں دیکھے

بشارت :-

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مناقب و فضائل کے سلسلہ میں بعض غلط کار اور نادان دوستوں نے کچھ جعلی حدیثیں بھی گھڑی اور پیش کی ہیں مگر امام موصوفؒ کے فرمایا اور کمالات ثابست کرنے کے لیے ہمیں تنکوں کے اس پل کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور نہ موصوفؒ کی فضیلت و منقبت اس کی محتاج اور مستحق ہے کیوں کہ عیاں را چہ بیاں :-

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر دست مبارک رکھ کر پھر یہ ارشاد فرمایا کہ :-

لو كان اليمان عند الثيالي لاله بحال
اور جل من هؤلاء (بخاری جلد ۲ ص ۲۷۷)
واللفظ له، ومسلم ج ۲ ص ۲۱۱)

اگر ایمان ثریا کے پاس بھی پہنچ جائے تو کوئی مرد
یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس
کو ضرور پسے گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

لو كان الدين عند الثريا لذهب به
رجل من فارس او قال من ابناء فارس
حتى يتناولہ :-

اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو تو لا محالہ فارسی نسل
کا ایک آدمی اس کو حاصل کر لے گا۔

(مسلم ج ۲ ص ۲۱۱)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا فارسی الاصل ہونا تاریخی طور پر ایک کھلی حقیقت ہے اور یہ صحیح حدیث جس طرح اور متعدد فارسی نسل کے علماء ربانی اور خادمان دین کی فضیلت ثابت کرتی ہے (کیونکہ رجال من هؤلاء بصیغۃ جمع آہے) اسی طرح اس کا ایک مصداق یا الفاظ دیگر اولین مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ والمتوفی ۹۱۱ھ) کہتے ہیں کہ :-

اقول قد بشره الله عليه والم وسلم
بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی
اخرجه ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی بشارت دی ہے
جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابو ہریرہؓ

قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس - واخرج الشيرازي في القاب عن قيس ابن سعد بن عبادۃ قال قال رسول الله عليه وسلم لو كان العلم معلقاً بالثريا لتناوله قوم من ابناء فارس وحديث ابى هذيفة اصله في صحيح البخاري ومسلم (تبييض الصميحة ص ۴۲)

سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا میں بھی ہوتا تو لایسی ہے کہ ابناء فارس اس کو حاصل کریں گے اور شیرازی نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادۃ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم ثریا میں بھی لٹکا ہوا ہو تو ابناء فارس ایک قوم اس کو ضرور حاصل کریں گی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اصل حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

موارد الظمان اور منہ احمد کی روایت یوں آتی ہے کہ :-

لو كان العلم بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس ومنه احمد ج ۲ ص ۲۲۲ و

اگر علم ثریا میں بھی ہو تو ضرور اس کو ابناء فارس میں سے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔

موارد الظمان ص ۵۴

راقم کتا ہے کہ اگر لفظ علم نہ بھی ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کا ثبوت بھی نہ ہو تو بھی لفظ ایمان اور دین جو بخاری اور مسلم کی روایت میں موجود ہے کیا کم ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

الدين النصيحة قلنا لمن قال لله وكتابه ولسوله ولانتمة المسلمين وعامتهم (بخاری ج ۳ ص ۱۳۱ في ترجمة باب ومسلم ج ۴ ص ۴۲)

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور امت المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

(اور البوداؤد ج ۲ ص ۳۲ میں ان الدين النصيحة تین مرتبہ آیا ہے)

الغرض دین کا لفظ اتنا اور ایسا جامع و مانع لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہستی کتاب اللہ، امت المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا ہی دین ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہوگئی اس کو اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور یہ خوبی کتاب اللہ اور ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی

ہیں؟ اس کے بغیر علم اور کیاشے ہے؟ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:-

وقد يتناول (وفي نسخة يتاول) ذالك
 على الائمة الذين هم علماء الدين وان
 من نصيحتهم قبول ما روه وتقليدهم
 في الاحكام واحسان الظن بهم اهـ
 (شرح مسلم جلد ۱۵)

اور کبھی اس کا مصلق وہ ائمہ دین بنتے ہیں جو دین کے
 جاننے والے ہیں اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو
 کچھ انہوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کیا جائے
 اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ
 حسن ظنی کی جائے۔

جو حضرات امام نوویؒ کو غیر معتقد ثابت کرتے ہیں وہ اس حوالہ کو پیش نظر رکھیں، مزید بحث
 طائفہ منصورہ اور الکلام المفیدہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ ایک متعل عنوان قائم کر کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بشارت کی حدیث امام بخاریؒ، مسلمؒ،
 ابو یوسفؒ، زہبیؒ اور طبرانیؒ وغیرہ کے حوالے سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ:

قال الحافظ المحقق الجلال السيوطي هذا
 اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة بابي حنيفة
 وفي الفضيلة التامة الى ان قال ، قال بعض
 تلامذة الجلال وما جزم به شيئا من ان
 الامام ابا حنيفة هو المولد من هذا الحديث
 ظاهر لا شك فيه اهـ
 (الخيرات الحسان ص ۱۰۷ ج)

حافظ محقق جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ
 کی بشارت اور فضیلت تامہ کے لیے یہ ایک صحیح اور
 قابل اعتماد اصل ہے (پھر فرمایا کہ) جلال الدین کے بعض
 شاگرد فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد اور شیخ نے
 جزم کے ساتھ جو یہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ ہی اس حدیث
 سے مراد ہیں یہ بالکل واضح اور ظاہر بات ہے۔
 اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

فیض الباریؒ میں ہے لم یکن مقلداً الا ان الله لم یکن متعباً۔ اہم او پیر بدیع الدین شاہ صاحب لکھتے
 ہیں: نیز سندھ میں کئی اکابر علماء گزرتے ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین الدین بٹھوی مصنف دراست
 اللیب اہ۔ تنقید سعید ص ۱۰۷۔

اور علامہ محمد معین السدی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) باوجود شیعہ اور قیاس و تقلید کے منکر ہونے کے
 فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں متصبتوں کی کوئی جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ:-
 وعظیم منقبہ الذی نال بها العلم فی وہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں

الثريا على ما يشهد اليه قوله صلى الله عليه
 نے ثریا سے علم حاصل کیلئے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ

وصله لو كان العلوف في الثريا لنالها حال
 علیہ وآلہ وسلم کا قول اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگر
 علم ثریا میں بھی ہو تو اس کو ضرور فارسی نسل کے کچھ لوگ
 من قادمس ۱۱۰۔

(درامات البیروت ۲۸۹ طبع لاہور)

حضرت شاہ احمد بن عبدالرحیم ولی اللہ الصلوی الحنفی (المتوفی ۱۰۶۱ھ) اپنے ایک مکتوب
 میں لکھتے ہیں کہ :-

” دروزے در حدیث لو كان الیسان عند الثريا لنالها رجال اوجبل من هؤلاء یعنی اہل
 فارس وفی روایت لنالہ رجال من هؤلاء بلاشک مذکورہ کریم فقیر گفت امام ابوحنیفہؒ دریں حکم
 داخل است کہ ندائے تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع ساخت و جمع از اہل اسلام را بآں فتنہ مہذب
 گردانیدہ خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است و بس و در مجمع بلدان جمیع اقلیم بادشان
 حنفی اند و تضاوت و اکثر مدرسان و اکثر عوام حنفی“ (کلمات طیبات یعنی مجموعۃ مکتاتب
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ۱۶۸ طبع مجتہبی دہلی)

نیز حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

” بلکہ امام ابوحنیفہؒ و یاران ماوراء النہر و خراسان او نیز از اہل فارس اند و در میان این اشارت
 داخل“ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۱۱ طبع صدیقی دہلی)

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

” صواب آنست کہ ہم امام (ابوحنیفہؒ) دران داخل است و ہم جملہ محدثین فرس باشا قاض
 (تحف النبوء ص ۲۲۷)

ان صاف اور صریح حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ لوکان
 الدین عند الثریا وغیرہ کے الفاظ سے جو حدیث آتی ہے، اس کا اولین مصداق ہیں
 اور یہ دروازہ کسی اور کے لیے بھی بند نہیں ہے، اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ دیگر خادمان بن
 اور علماء ربانی بھی اس میں شامل ہیں۔ جنہوں نے روایت و درایت، لفظ و معنی کی امانت
 کو سینوں اور سینوں میں محفوظ کر کے امت کو ہمہ تنک پہنچانے کی سعی کی اور جو زبان حال یوں کہتے ہیں کہ :-

اٹھاتے کیا زمین و آسماں بار امانت کو !
ہیں دونوں جہاں میں حامل بار گراں ننگے

دیانت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خوبیاں اور کمالات انسان کو حاصل ہیں، ان میں ایک عمدہ خوبی اور نصلت دیانت بھی ہے، اور دیانت دار آدمی کو جس قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ مخفی نہیں ہے، یہ خوبی بھی خالق کائنات نے حضرت ابوحنیفہؒ کو علی وجہ الائمہ رحمت فرمائی تھی۔ کتب تاریخ اور مناقب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ہم صرف اپنے دعوے کی تزییر کے لیے چند مثالیں عرض کرتے ہیں:-

امام ویح بن الجراح فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک عورت ریشمی کپڑے لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ کپڑا آپ فروخت کر دیں۔ امام صاحب نے سوال کیا، کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگی، تو میں۔ اپنے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے۔ پھر فرمایا کہ کتنے میں یہ کپڑا چلا جائے؟ اُس نے ایک سو روپیہ اور زیادہ کیا حتیٰ کہ چار سو تک اُس نے قیمت بتائی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اُس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہنے لگی، آپ مجھ سے استنار نہ کریں کام کریں۔ فرمایا کہ سچ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کپڑے کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے میں بیکا۔ (مناقب موفی ج ۱ ص ۱۲۲) اگر ہمارا زمانہ یا ہمارے دور کا کوئی بڑے سے بڑا صاحب علم و فضل تاجر بھی ہوتا تو اغلب یہ کہ جب اُس عورت نے سو کہا تھا تو اس کو اسی یا تو سے پرٹھا دیا جاتا مگر امام موصوف کی دیانت اس خوب مخفی اور حیلہ سازی سے بالکل بے نیاز تھی۔

مسٹر بن عبدالملک کا بیان ہے کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحب کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا۔ اپنے پوچھا۔ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ بولا، ایک ہزار، امام صاحب نے فرمایا کہ اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے، حتیٰ کہ آٹھ ہزار درہم پر ان کا معاملہ طے ہوا۔

(ایضاً ص ۲۱۹)

ایک دفعہ حضرت امام صاحب کے ایک شاگرد نے ان کی غیر حاضری میں مدبرینہ طریقہ کے

ایک ہاشندہ پر چار سو روپے کی قیمت کا گرم کپڑا دھو کر سے ایک ہزار درہم پر فروخت کر دیا جب حضرت امام صاحب کو اس کا علم ہوا تو شاگرد کو سخت تنبیہ کی اور اس کو دوکان کے سلسلہ سے الگ کر دیا اور اس خریدار کا ٹھلہ پوچھ کر اس کے پیچھے ہو لیے، جب اس سے مدینہ طیبہ میں جا بیٹے تو کافی اصرار و تکرار کے بعد :-

فرد علیہ الستمائة وتترك عليه الثوب
چھ سو درہم ہے واپس کر لیے اور کپڑا اس کے پاس
ودع إلى الكوفة اھ (مناقب موفقی ج ۱ ص ۱۹۸)
چھوڑ کر پھر کو فروٹ آئے۔

اس سے زیادہ دیانت و خدا پرستی اور خیریت الہی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟
ایک دفعہ ان کے غلام نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار روپیہ نفع کھایا مگر اس میں
امام موصوف کے خیال میں فرما بی تھی :-

فندق ذلك حكمة وهو ثلاثون الف
یہ تیس ہزار درہم انہوں نے سب کے سب فروٹ کر
درہم علی الفقراء اھ (البیہر ج ۱ ص ۲۰۳)
پہنچا کر دیے۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بجزیاں ایک دفعہ کو فروٹ لیں اور کو فروٹ والوں
کی بجزیوں سے ان کا احتلاط ہو گیا۔ امام صاحب نے دریافت کیا کہ :-

كده عيش الشاة قالوا سبع سنين فترك
بجری زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ زندہ رہتی ہے؟
اكل لحم الغنم سبع سنين -
لوگوں نے کہا سات سال چنانچہ امام صاحب نے
سات سال تک بجری کا گوشت ترک کر دیا۔
(مناقب موفقی ج ۱ ص ۲۰۵)

امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں کہ صرف ایک بجری اس سے بجزیوں میں مل جل گئی تھی اور
پھر یہ واقعہ نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ :-
تورعامنہ لاحتمال ان تبغی تلك الشاة الخوام
امام موصوف نے محض ورع کی بنا پر ایسا کیا کیونکہ احتمال
تھا کہ وہی حرام بجری اس مدت تک باقی رہ جاتی
اور اس کو کھانے کی وجہ سے ان کے دل میں تاریکی
اھ (الخصایر الحسان ص ۱)

پیدا ہو جاتی۔

غور فرمائیے اس تورع و اتقار اور زہد و دیانت پر کہ انہوں نے محض اس شبہ کی بنا پر سات

سال تک بجزی کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں اسی حرام بجزی کا گوشت ہی اس طرح نہ کھا جائیں حالانکہ سینکڑوں جائز اور حلال بجزیاں بھی روزانہ کوفہ میں ذبح ہوتی تھیں اور ایسے موقع پر بجزی کے گوشت کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہ تھی، مگر امام موصوف کی نظر صرف فتویٰ ہی پر نہ تھی، تقویٰ پر بھی تھی، اور ان کو ان کا وسع و تقویٰ اس پر مجبور کرتا تھا پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو پارسانی کے اس بلند مقام پر فائز ہو، وہ قصد و ارادۃ خدا تعالیٰ کے دین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعزیت کو بدل ڈالنا ہوگا اور عزت و بے باکی کے ساتھ بے دھڑک فتوے صادر کرتا ہوگا اور دین اسلام کی ایک ایک کڑی اور کڑی کے ایک ایک حلقہ اور گھنڈی کو توڑنا ہوگا؟ کوئی بھی منصف مزاج اور دیانتدار انسان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس پر یقین نہیں کر سکتا اور نہ اس کے اذعان پر اپنے کو آمادہ کر سکتا ہے۔

وہ ذات کہ ہے عالم تعبیر سے اونچی
اس کے لیے آئین ہمار اور خصال اور

امانت

امانت کی عمدہ نضلت اور صفت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو دانسر حصہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ سفیان بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ:-
كان أبوحنيفة عظيمة الأمانة -
ابوحنیفہؒ بہت بڑے امانت دار تھے۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲)

ایک دفعہ ایک تیلی نے ایک لاکھ اور تین سو تتر ہزار روپیہ بحدہ امانت امام موصوفؒ کے پاس رکھا تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲۲) جب امام صاحبؒ کی شہادت ہوئی تو آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ:-

مات أبوحنيفة وفي بيته للثاس
ودائع خمسين الف الف
جس وقت امام صاحبؒ کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲)

حافظ محمد بن ابراہیم الزبیری (المتوفی ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

انه ثبت بالتواتر فضله وعدالته وتقواه
وامانته اھ والروض الباسعہ ام ۵۵ طبع
امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور
امانت تو اتر کے ساتھ ثابت ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جو بزرگ ہستی لوگوں کی امانتوں میں امین اور محتاط ہو وہ خدا تعالیٰ کے آخری
دین اور اسلام جیسی امانتِ عظمیٰ کے ساتھ کس طرح خیانت روا رکھ سکتی ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جس
طرح انہوں نے لوگوں کی ان فانی اور دُنوی امانتوں کو محفوظ رکھا ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر انہوں نے
خدائی امانت اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی اور بتائی ہوئی شریعت کی امانت کپوری
طاقت اور وسعت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے اور دین اسلام کے اس صحیح عشق میں انہوں نے
انتہائی مصائب کا سامنا کیا ہے، کیونکہ

نیازِ عشق میں ذوقِ خودی ہوتا ہے جب پیدا
تو پھر فرقِ جبین و استمال باقی نہیں رہتا!

استقامت

ظالم سے ظالم اور جابر سے جابر بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہہ دینا تو کوئی مشکل بات نہیں
ہوتی، ہاں مگر اس حق بات پر ڈٹ جانا اور عزم و دلیری سے ہر قسم کی تکلیف و مصیبت کو خندہ
پیشانی سے برداشت کرنا حتیٰ کہ اپنی جان عزیز سے بھی ہاتھ دھو ڈالنا یہ بڑی ہی مشکل بات ہوتی
ہے، اور یہ خوبی صرف اُن اولوالعزم النابون کو نصیب ہوتی ہے جو صحیح معنوں میں انجوائے
حدیث الامثل فالامثل کا مصداق ہوتے ہیں۔ ان بلند شخصیتوں میں ایک حضرت امام
ابوحنیفہؒ کی شخصیت بھی ہے، جن کو بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحجاج (الموتی ۱۴۲ھ)
کے عہدِ حکومت میں عراق کے جابر گورنر زید بن عمرو بن بیہر نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو زیادہ سے
زیادہ مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے عہدہ قضا پیش کرنا ضروری سمجھا مگر اہم ہوش
نے حکومت و وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں و بے عنوانیوں کے پیش نظر اس عہدہ کے
قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمرو الرقیؒ (جو ایک ثقہ راوی ہیں۔

سنن الکبریٰ ۲ ص ۱۶۶) کا بیان ہے کہ:

حکم ابن ہبیدۃ اباحیفۃ ان یلیٰ له قضاء
ابن بیہر نے امام ابوحنیفہؒ سے کوئی قضا کے بارے

میں گفتگو کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، چنانچہ ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کے لیے ایک سو دس کوڑے سزا تجویز کی کہ روزانہ دس کوڑے سزا دی جائے۔
 بائیں ہر امام موصوف نے یہ بات تسلیم نہ کی۔

الكوفة فإلى عليه فضربه، مائة سوط و عشرة اسواط في كل يوم عشرة اسواط وهو على الامتناع اه

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۳)

نظر یہ ظاہر ہے صرف کوفہ کی قضا پریش کی گئی مگر بعد کو قاضی القضاة (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا، اور تاریخ بتلاتی ہے کہ بعض دفعہ قاضی القضاة وزیر خزانہ اور وزیر مالیت کے عہدے ایک ہی شخصیت کے سپرد کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ امام صدر الاممہؒ لکھتے ہیں کہ:-

امام ابوحنیفہؒ کو کئی دن قید کر کے ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کو قاضی القضاة کا عہدہ دیا جائے مگر وہ اس سے بالکل منکر ہو گئے۔

حس اباحنيفة في السجن اياما يطلب منه ان يكون قاضي القضاة فامتنع اه
 (مناقب موفی ج ۲ ص ۱۴۳)
 اور یہ پیش کش بھی کی گئی کہ:-

وہ قاضی القضاة کا عہدہ قبول کریں اور تمام قاضی ان کے حکم سے تمام اسلامی شہروں میں مقرر کیے جائیں۔

ان يتولى القضاء يخرج القضاة من تحت يده الى جميع كور الاسلام اه (ايضا جلد ۲ ص ۱۴۲)

اور نہ صرف قاضی القضاة کا عہدہ ہی پیش کیا گیا بلکہ بیت المال بھی ان کے سپرد کرنے کی پیش کش کی گئی، چنانچہ لکھا ہے کہ:-

کہ ذمہ داری کی عمران کے سپرد کی جائے گی اور کوئی دستاویز اور بیت المال سے کوئی مال نہیں برآمد کیا جائے گا مگر ان ہی کے حکم اور ہاتھ سے۔

يكون على خاتمه ولا ينفذ كتاب ولا يخرج شيئ من بيت المال الا من تحت يده
 (معجم ج ۲ ص ۱۴۱)

اور صدر الاممہؒ لکھتے ہیں کہ:-

بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو ان کی پشت اور پیٹ پر سزا کے کوڑے برسوں اور یا وہ وزیر خزانہ

وغیره السلطان على ان يوجع ظهره و بطنه او يجعل مفاصله خدائن الاموال بيده

فلختار عذابہم علی عذاب الذخيرة ۱۵
 (من قبہ برقی ج ۲ ص ۱۷۱)

کا عمدہ منجھال لیں، امام موصوفؒ نے آخرت کی سزا
 پران کی سزا کو ترجیح دی اور یہ عمدہ قبول نہ کیا۔
 حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھے بنو امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد کے
 عراقی گورنر یزید بن عمر دین ہبیرو نے بھیجا تاکہ میں امام ابو حنیفہؒ کو اس کی خدمت میں
 حاضر کروں۔

فأراده علی ببیت المال فابی ففسد بہ
 اسواطا ۱۵ (الخیرات الحسان ص ۵۵)

اور ان سے بیت المال کے سپرد کرنے کی پیشکش
 کی مگر وہ نہ ملے اور ان کو اسس کوڑوں کی سزا دی۔
 علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی الشافعی (المتوفی بعد ۴۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

واراده السلطان علی ان یتولی مناصب
 خزائنہ او یضرب ظہرہ فاختر
 هذا بہو علی عذاب اللہ تعالیٰ۔

بادشاہ نے امام ابو حنیفہؒ کو خزانہ کی چابیاں سپرد
 کرنے کی اور بصورت انکار سزا پینے کی دہکی دی
 مگر انہوں نے اس کی سزا کو اللہ تعالیٰ کی سزا
 پر ترجیح دی۔

(اکمال ص ۶۲۴)

تفاریق کرام ملاحظہ فرمائیے کہ اسلامی مملکت میں قاضی القضاة اور بیت المال کا عمدہ
 کتنی بڑی چیز تھی جس منصب کے لیے لوگ زمین کی خاک چھانٹتے اور خون و پسینہ
 ایک کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے اور ایسے ذریعے مواقع کی تلاش و جستجو میں لوگ
 سرگرداں رہتے ہیں مگر امام موصوفؒ نے اس عمدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا
 اور غور کیجئے کہ اگر موصوفؒ اپنے مذہب و مسلک کو بھجور پھیلانے کی سعی اور کوشش کرتے
 جیسا کہ متعصب لوگوں کا خیال ہے تو کیوں وہ قاضی القضاة نہ بن جاتے اور اپنے شاگردوں اور
 متوسلین کو قاضی بنانا کہ اطراف مملکت میں بھیجتے جتنے گروہ ان تمام مفروض عیوب سے پاک تھے
 اس لیے اس عمدہ کو مہر تہ قبول نہیں کیا۔ امام صاحبؒ کو ان کی والدہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ
 قبول کر لو انہوں نے فرمایا کہ اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں
 جانتی ہیں۔ (صفوة الصفوة ج ۲ ص ۶۳ لابن الجوزیؒ) اور ان کے عمدہ داؤ خیر خواہانہ تھا
 نے بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا کہ:-

خلفت ان لم يقبل ضربه على رأسه
عشرين سوطاً
ابن ہبیرہ نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ اگر یہ عمدہ انہوں
نے قبول نہ کیا، تو ان کے سر پر پینٹل کوڑے لگائے
جائیں گے۔ (مناقب علی بن القاری ج ۲ ص ۵۵)

مگر اس عزم و استقلال کے ہمالیہ نے ان ہاشمیین کے ان مشوروں اور ہمد دیوں کی مطلقاً کوئی
پرورانہ کی اور قید و بند کی تمام مصیبتوں اور صعوبتوں کے برداشت کرنے کے لیے گویا یہ فرماتے ہوئے
میدان عمل میں لکل آئے کہ

مصیبت آشنا ہوں میں ازل سے لئے چمن والو
مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آئے گا!

اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ:-

نکیت وهو یزید منی ان یکتب بضر
عنق رجل واختم علی ذالک، فوالله لا
ادخل فی ذالک ابداً۔
میں کیسے اس عمدہ کو قبول کروں جبکہ وہ کسی کی
گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مہر تصدیق
ثبت کروں گا؟ بخدا میں ہرگز اس عمدہ کو تسلیم نہ
کروں گا۔ (مناقب صدر الاممہ ج ۲ ص ۲۴)

ابن ہبیرہ نے جب یہ سنا تو غیض و غضب میں اس کا سیلابِ حرارت اپنے آخری
درجہ پر پہنچ گیا، اور ابن صیاد کی طرح غصے سے بھر پور ہو کر کہنے لگا کہ بخدا میں اپنے ارادہ کو جاننا
پہنکا کر رہوں گا۔ اور ابو حنیفہؓ کو سخت سزا دوں گا لیکن وہ جو نظر یہ قائم کر چکے تھے ایک انچ اس
سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اور صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ:-

ضربه لی فی الدنیا اسهل علی من مفاع
الحدید فی الآخرة واللہ لا فعلت ولو
قتلنی۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۲ و
ابن ہبیرہ کی دینی سزا مجھ پر آشتی کے ہتھوڑوں
اور گردنوں کی مار سے بہت آسان ہے، بخدا
میں یہ عمدہ ہرگز نہیں قبول کروں گا اگرچہ وہ مجھے
قتل ہی کر ڈالے۔ (مناقب کوری ج ۲ ص ۲۱)

اس کے بعد قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شہر مہ اور داؤد بن ابی ہبندہ وغیرہ کا ایک وفد حضرت
ام ابو حنیفہؓ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور

حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں یہ کہا کہ :-

ان انشأ اللہ ان تہلک نفسک
فانا اخوانک وکلنا کارہ لہذا الامر
ولم نجد بذا من ذالک فقال ابو حنیفۃ
لو اردنی ان اعدلہ ابواب مسجد واسط
لم ادخل فی ذلک امر (مناقب موفق
جلد ۲ ص ۲۴۷ واللفظ لہ وللغیرات الحسن^{۵۵}
ومناقب کورنی جلد ۲ ص ۲۷۰)

ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ
اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں ہم سب آپ کے
بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس عمدہ کو
پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں، امام موصوف^{۵۶}
نے فرمایا کہ ابن ہبیر اگر مجھے واسطہ کی مسجد
کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی
آمادہ نہیں ہوں۔

کتنی بڑی جرأت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کھلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ
کسی مرحلہ پر بھی شریک ہونا گوارا نہیں کرتے۔ ہر قسم کے طغیان و تعدی اور ظلم و جور کے بے پناہ فائلوں
کے مقابلہ میں ٹٹ کر خود داری و بلند ہمتی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے گویا
یہ فرماتے ہیں کہ سہ

جناکی تیغ سے گرون و فاشعاروں کی

کٹی ہے بر سر میدان مگر بھگی تو نہیں!

اور سزا بھی کس طرح دی جاتی تھی، اندرون جیل نہیں اور نہ کسی معنی مقام میں بلکہ تصریح
موجوہ ہے کہ :-

كان یمنج کل یدوم فینادی علیہ
حتی یجتمع الناس فیضرب عشرة اسواط
ثلاثہ یطاف بہ حتی ضرب مائة وعشرون
سوطاق اثنی عشر یوما فیضرب کل
یوم عشرة اسواط ویطاف بہ فی الاسواق

ہر روز ان کو باہر نکالا جاتا اور سزا دی کرائی جاتی جب
لوگ جمع ہو جاتے تو ان کے سامنے ان کو روزانہ دس
کوڑے سزا دی جاتی، پھر ان کو گھمایا جاتا، اسی طرح
بارہ دن سزا دی جاتی رہی، اور ایک سو بیس کوڑے
پڑے کئے گئے، اور بازاروں میں ان کو پھرایا جاتا رہا۔

انصاف سے فرمائیے کہ ایک معمر اور بوڑھے شخص پر یہ مظالم کیا کم ہیں؟ اور اس سے بڑھ کر تدریل و تہذیب اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر اس جہت کے پہاڑ نے نہایت صبر آزمائے طریقے پر ایک ایک کوڑا اپنے گمزور اور نازک جسم اور ضعیف داناواں سر پر برداشت کیا اور اس ظلم و جور کے ناپید کنار دریا کی موجوں اور موجوں کے طلاطم خیز تھپڑوں سے ٹکریلتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے منزل مقصود کی طرف قدم بڑھاتا رہا کہ :-

پہاڑی کون سی منزل نہ ساحل ہے نہ دریا ہے

شاد و بحرِ عمر کا اب کہاں ٹوٹے کہاں نکلے

ناظرین کرام یہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید بنو امیہ کے دور ہی میں امام موصوف کے مصائب کے دن کٹ گئے، جبر و استبداد کے طوفان ہٹ گئے اور سزا و تعذیب کے سیاہ اور گھٹن گھوڑ بادل چھٹ گئے مگر یقین کیجئے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۵ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے امام ابو حنیفہؒ کی علمی اور عملی شہرت کو اپنے لیے آلہ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس نے بھی امام صاحب کو عہدہ قضاہ پیش کرنا ضروری سمجھا چنانچہ خلیفہ نے اسی کو قید کر لیا :-

دعا ابو جعفر اباحنیفۃ الی القضاہ
 فابی علیہ فجنسہ (بخاری ۱۳۶۵/۲۲۵)

ابو جعفر نے امام ابو حنیفہؒ کو عہدہ قضاہ قبول کرنے کی دعوت دی مگر وہ نہ مانے تو اُس نے ان کو قید کر دیا۔

اور یہ قضاہ بھی معمولی قضاہ نہیں بلکہ قاضی القضاة کا عہدہ پیش کیا۔

ان یکون قضاة بلاد الاسلام من
 تحت امرہ فامتنع ۱ھ (الحدیث الحسن)

کہ تمام بلاد اسلامیہ کے قاضی ان کے ماتحت ہوں
 مگر وہ صاف انکار کر گئے۔

کاش کہ ابو جعفر منصور جو خلفاء عباسیہ میں بڑا عالم اور علم دوست یاد کیا جاتا ہے امام مظلوم کو قید کرنے پر ہی اکتفا کر لیتا تو پھر بھی ایک حد ہوتی لیکن اس کی آتش غضب اس پر کب

ٹھنڈی ہو سکتی تھی؟ چنانچہ اُس نے امام موصوفؒ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔
ملا علی بن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان المنصور لتعارض علیہ القضاء و
امتنع ضریہ ثلاثین سوطاً حتی
سال الدم علی عقبیہ ام
رفیل الجواهر ج ۲ ص ۳۹۲

منصور نے جب امام موصوفؒ پر عمدہ فضا پریش
کیا تو انہوں نے انکار کر دیا، اور اس نے تیس کوڑے سزا
ان کو دی، یہاں تک کہ خون ان کے بدن سے
نکل کر ان کی اڑیلوں پر بہتا رہا۔

مگر یہ یاد رہے کہ امام موصوفؒ کو زندگیا کر کے یہ سزا دی گئی تھی، چنانچہ امام موفق العینؒ لکھتے ہیں
کہ :-

لتعارض المنصور اباحنیفة رحمہ اللہ
ثلاثین سوطاً علی القضاء بعد ماجتہ من
شیابہ فسال التماء علی عقبیہ ام
د مناقب صدر الاممہ ج ۱ ص ۲۱۵

غور فرمائیے کہ آخر امام موصوفؒ نے کیا جرم کیا تھا کہ یہ ظالمانہ سزا ان کو دی گئی؟ صرف یہ جرم
تھا کہ وہ ظالم کے ساتھ ظلم میں تعاون و اشتراک نہیں کرنا چاہتے تھے اور بس۔ کیا اس سے بڑھ کر
تقویٰ اور ورع، خدا خونی اور روحانیت کی کوئی مثال اُمتِ مسلمہ میں بغیر معدنئے چند افراد کے اور
کسیں ملتی ہے؟ دیکھئے کہ حکومتیں بدل گئیں، حکام اور شخصیتیں بدل گئیں، زمانہ بدل گیا، اگر نہ بدلا
تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا عزم و استقلال نہ بدلا اور خدا خونی اور استقامت نہ بدلی، پھیلے
میں کوڑوں سے پینے نا تو ان بدن کو زخمی کروا دیا، برسبر عام سزا برداشت کی، مصائبِ آلام
کے پھیلے جھیلے مگر ظالموں اور بے دردوں کے سامنے آہ بھی نہ کی، اگرچہ دل میں
یہ کہتے رہے کہ :-

جو ہو بے درد اُس کو درد کا احساس ہو کیوں کر

سنگ کی بلا جانے استم سے ہم پہ کیا گندری

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کو بے مروتی وقت نے معترضہ کی لیشہ دوانی

سے جب مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیا اور کوڑوں سے ان کے مظلوم بدن کو سولہ ماں کیا گیا، تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس ہمت و عزیمت اور استقلال و پامردی کو ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

وكان احمد بن حنبل اذا ذكر ذلك
بكي وترحم على ابي حنيفة وذلك بعد
ان ضرب احمد - (بعد اسی جلد ۱۳ ص ۲۲۷)
ابن خلكان جلد ۲ ص ۱۶۷، مناقب موفق جلد ۱
سابقہ پڑھا تھا۔

ص ۱۶۹ والخيرات الحسان ص ۵۹

افسوس ہے کہ اگر اس پر بھی بس ہو جاتا تو ظلم و جور کی ایک حد ہوتی مگر ابوحنیفہؒ منصور کو امام موصوف کا اس بڑھاپے میں بھی چار سال قید و بند میں رہنا کھٹنے کی طرح کھٹکتا رہا اور جب اُس نے محسوس کیا کہ امام صاحبؒ کسی اذیت اور دکھ سے ڈر کر اور مرعوب ہو کر ظالم حکومت کا تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہیں تو بالآخر امام صاحبؒ کی بے خبری میں جیل خانہ کے اندر ہی ان کو زہر دلوادیا گیا۔ ثورسقاہ صحائفات (بعد اسی جلد ۱۳ ص ۲۲۷) کہ پھر ان کو زہر پلوادیا گیا، اور اس سے ان کی وفات ہو گئی۔ امام موصوفؒ نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں ان کی رُوح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اُنہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور جب ان کی وفات اور شہادت ہو گئی تو جیل خانہ کے عملہ نے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ اہم موصوفؒ کی وفات طبعی ہے مگر بصیرت والے دیکھ لیتے تھے اور کانوں والے یہ سن لیتے تھے کہ امام موصوفؒ کے بدن کا ایک ایک رُنگٹا بزبان حال ان ظالموں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ :-

خونِ ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے

کیوں وہ نیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

جیل خانہ کے اندر جو رویہ اور طرز عمل امام موصوفؒ کے ساتھ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابلِ

حیرت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

خَبِثُوا عَلَيْهِ الْأَمْرُ فِي الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ
وَالجِسْمِ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۶۱)

اور جب اُن کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پینا گیا تاکہ زہر کی سرایت بدن میں جلدی جلدی ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کروری لکھتے ہیں کہ:-

ثُمَّ امْرَأَتُهُ يَضْرِبُ مَصْلُوبًا هَتَّيْ
يَتَفَرَّقُ التَّمُّ عَلَى أَعْضَانِهِ فَعَلَّ بِه
ذَلِكَ (مناقب کروری ج ۲ ص ۲۵۰)

عام مؤرخین تو زہر خوردگی کے واقعہ کو امام صاحب کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی جماعت اس رائے سے اختلاف کرتی ہے:-

وَدِدِي جَمَاعَةٌ أَنَّهُ رَفَعَ إِلَيْهِ قَدَحَ فِيهِ سَمٌ
لِيَشْرَبَ فَاذْتَمَعَ وَقَالَ إِنِّي لَأُخَلِّعُ مَا فِيهِ
وَلَا أَعِينُ عَلَى قَتْلِ نَفْسِي فَطَرَحَ نَضِيبَ
فِي فِيهِ قَهْرًا فَوَاتَ - (التهذبات الحسان ج ۱)

ایک جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تاکہ وہ اس کو زہر شس کر لیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے اس کا علم ہے، اور میں اس کو پی کر خود کھشی نہیں کر سکتا، چنانچہ ان کو زمین پر لٹا کر زہر بردستی زہر پلویا گیا اور اس سے ان کی وفات ہو گئی۔

اور امام صدر الامم لکھتے ہیں کہ جب اُن کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار اُن کو نوش کرنے کے لیے کہا گیا تو امام موصوف نے فرمایا کہ:-

لَا أَشْرَبُ إِنِّي أَعْلَمُ مَا فِيهِ وَلَا أَعِينُ عَلَى
نَفْسِي فَطَرَحَ ثُمَّ صُتِّبَ فِي فِيهِ -

کے مزہ میں پیالہ اُنڈیل دیا گیا۔ (مناقب ج ۲ ص ۱۶۲)

غرضیکہ کہ اس مظلومانہ طور پر ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، پہلی مرتبہ کم و بیش پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نمازِ جہ زہ پڑھی۔ آنے والوں کا ماتا بندھا ہوا تھا، چہرہ

مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بھی ہیٹلس دن تک لوگوں نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (مسیرۃ النعمان ص ۳۳ مولانا شبلیؒ)

یہ ہے دُنیا اور دُنیا والوں کی داستان کہ اہم مظلوم کو محض اس لیے شہید کر دیا گیا کہ وہ ان کے ساتھ بے انصافی اور سحرِ عمری میں ہم پیالہ دہم نوالہ نہیں ہونا چاہیے تھے مجموعی طور پر پڑھ کر گڑا بھی اپنے سر اور باقی اعضا پر گوارا کیا ہے، قید و بند کی پابندی زندگی بھی برداشت کی۔ لنگے بدن پر تازیلنے بھی کھائے، بازاروں اور شاہراہوں میں آپ کو گھمایا گیا، آپ کی تذلیل و تحقیر کی خاصی تشہیر بھی کی گئی۔ جیل خانہ میں آپ کے لیے عرصہٴ حیات بھی تنگ کیا گیا، کھانے اور پینے وغیرہ میں بھی انتہائی سختی کی گئی اور بالآخر دیرِ سستی زہر دے کر اس حالت میں بھی ظالموں نے سفید ریش کر مصلوب کئے کہ خوب پیٹا اور زمین پر گرا اور لٹا کر ظلم ان کے دہن مبارک میں زہر کا پیالہ بھی انڈیل دیا مگر بایں ہمہ وہ ظلم اور ظالموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح فانی و عارضی اور ناپائدار دنیا کو چھوڑ کر گت ان علم اور بوستانِ عمل کا وہ خوشبودار اور کھلا ہوا پھول اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

اے ابوحنیفہ! تجھ پر پروردگارِ عالم کی کردوڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گونے حق کے لیے جان دے کر آنے والی نسلوں کے لیے استقلال و استقامت کا بہترین نمونہ قائم کیا اور حق پر قائم و دائم رہنے والوں کے لیے عمدہ اسوہ پیش کیا اور اس طرح باغِ دُنیا کے سینکڑوں کانٹوں کے سامنے تجھ جیسا خوشبودار اور پورا پورا پھول توڑ ڈالا گیا۔

چمن میں خار کو حاصل ہے اک حیاتِ دراز
ستم ہے زندگی و گل مگر دراز نہیں!

فتہ متحفی کی مقبولیت

تاریخِ اسلام اس بات کے لیے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتدبہ اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی فتہ کی دلدلہ رہی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابو یوسفؒ اور اس قسم کے دیگر اکابرِ حنفیہ اسلامی حکومتوں میں

قاضی القضاة تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظ دیگر اثر در سوخ اور گنہ پروردی کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے بہت سے غلط کار لوگوں نے فقہ حنفی کی مقبولیت سے گھبر کر بالکل یہ باطل نظریہ قائم کیا ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک حوالہ پر حواشی در حواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکثر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفا راشدین کی مدینے تو شمار نہیں کیے جاسکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں اور مجبور ہوئے؟ اگر آئے دن سنت نئے حوادث و فوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فقہ میں ان کے لیے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گردید اور دلدلادہ کیوں ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور سلطنت کی ترقی زمانہ کے ساتھ نئی نئی مشکلات کو بغیر فقہیہ لبریا شین مولوی اور زاویہ نمول میں تصوف کی ضربیں لگانے والا غیر عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ تابعین اور ائمہ دین کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور اپنے فقہ و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے اور ملکی حالات اور مسلمانوں کے جدید مسائل سے بھی خاصا واقف ہو۔ باقی وہ سطحی قسم کے حضرات جو ان چیزوں سے مطلقاً دلچسپی ہی نہیں رکھتے، تو وہ بیچائے لکیر کے فقیر کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے۔ یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ جب پاکستان کے ہر دل عزیز و وزیر عظیم لیاقت علی خان صاحب مرحوم راولپنڈی میں شہید کئے گئے تو لگھڑ میں میرے پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کم و بیش تیس پینتیس سال تک کامیاب مناظر ہے) ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر لکات در لکات بیان کیے پہلے جاتے ہیں (موجود تھے۔ چنانچہ انہی کے توسط سے ہم نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت منگوائی اور

ہم سب آمین کہتے ہے۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ حضرت مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ کیا علی صاحب کون بزرگ تھے جن کے لیے یہ کہرام مچ گیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو پاکستان کے وزیر اعظم اور قوم کے خیر خواہ تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت اچھے آدمی ہوں گے؟ بھلا غور فرمائیے کہ ایسے حضرات جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ کامیاب مناظر محقق و اعطاء وجہ عالم ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور مذہب کے شیدائی ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک اور بزرگ جو چوٹی کے محدث، فقیہ اور صوفی ہیں اور سینکڑوں علماء کے استاد ہیں، وہ ایک دفعہ فرمانے لگے، کیا یہ ذرا کم تر خواہیں بھی لیا کرتے ہیں؟ غور کیجئے کہ اگر تجزاہوں اور سستی شہرت کا سوال نہ ہوتا تو اس سبلی ہال کی کرسیاں ایک دو سکر کے سر پر کاہے کو برستیں اور مکتا بازی کا مظاہرہ کیوں ہوتا؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ایسے علماء ربانی کی تذلیل و تنقیص کی جائے، اور نہ یہ مراد ہے بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں کچھ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ دنیوی امور کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ اگر نگاہ بصیرت سے دیکھا جائے تو مسلمان اور عادل بادشاہوں کا فہم تنفی کو اپنا محض اس لیے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ میں نظر نہ آتا تھا، اس میں یا اس کے پیش اور قائم کردہ کلیات اور قواعد میں پالیتے تھے (اور فقہاء کرام کی باریک بین نظروں نے ان اصول و کلیات کو قرآن و حدیث ہی سے استنباط کیا ہے) اس لیے وہ اس کے گرد بڑھے، اور یہ فہم تنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک تھل دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی ترقی پذیر ہی رہی اگرچہ سہ

کانٹوں میں ہے گھمرا ہوا چاروں طرف سے پھول

پھر بھی کھلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے!

مگر فہم تنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ اس کی قبولیت کے کئی اور وجوہ ہیں، مثلاً ایک یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں، اور ان کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال حاصل تھا کیونکہ الولد سزاویہ ایک مشہور مثال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوکان الدین عند الثریا

(الحديث) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بشارات اور خوشخبری دی ہے امام صاحبؒ اس کا اولین مصداق ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بھی گزر چکا ہے، اس لئے بھی ان کی فقہ کو پوری حاصل یہی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی فقہ اس لیے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول و ضوابط شوری کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے اندر کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین اور صل عداوت و نوازل کے لیے ایک مجلس شوری قائم تھی جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں مسائل پر غور و غوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث و تمحیص اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے متفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں لائے جاتے تھے اور منضبط لکھے ان کی تدوین کی جاتی تھی، اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ اجتماعی سعی، انفرادی کوشش سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہی رہتی ہے، اور اس طریق سے جو مسائل طے کئے جائیں گے، ظاہر بات ہے کہ ان میں غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہوگی۔ اگرچہ یہ طریق بھی معصوم عن الخطا کا درجہ اور مقام تو حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ ہے آخر یہ بھی اجتماد ہی مگر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے، اور شوری کا ستمن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے مثلاً **اَمْرٌ مِّنْ شُورَىٰ يَبْتَغِيهِ** اور نیز متعدد صحیح احادیث اور خلفاء راشدینؓ کے عمل اور دیگر دلائل شرعیہ سے بالکل روشن اور ہویا ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

اراکین شوری

امام صاحبؒ نے جو یہ مجلس شوری اور محفل مذاکرہ قائم کی تھی، اس کے اراکین اپنے وقت میں چوٹی کے فقیہ، محدث اور قیاس دان حضرات تھے جو آزادی رائے کے ساتھ مسائل میں رائے زنی کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ غلیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن ابیہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

كان أصحاب أبي حنيفة الذين يذكرونه
 ابو يوسف و زفر و داود الطائفي و اسد
 بن عمرو و عافية الودعي، والقاسم بن
 اصحاب ابی حنیفہ جو ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ
 کیا کرتے تھے یہ تھے امام ابو یوسفؒ، زفرؒ، داؤدؒ،
 طائیؒ، اسد بن عمروؒ، عافیۃ الودعیؒ، قاسم بن

معنی، علی بن مسرور، منقل بن علی اور جابر بن علی، اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث و تمحیص شروع کرتے تو اگر عافیہ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو جب عافیہ آجاتے اور ان کی رائے سے وہ متفق ہو جاتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے اب اس مسئلہ کو کھلو اور اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے یہ مسئلہ مت کھلو۔

معنی، علی بن مسرور ومنقل بن علی وعبان بن علی
وہاذا یخوضون فی المسئلة فان لم یخصر
عافیة قال ابوحنيفة لا ترفعوا المسئلة حتی
یخصر عافیة فاذا خصر عافیة فان وافقہ
قال ابوحنيفة انتبہوا فان لم یوافقہم قال
ابوحنيفة لا تثبتوها۔

(ماریج بغداد ج ۳ ص ۱۰۵ طبع مصر ۱۳۴۹ھ)
۱۹۳۱ء

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فتنہ کے مسائل میں اپنے شاگردوں کا شعور بیدار کرنے اور ان کی مخفی قوتوں کو اُبھا کر کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے، اور امام صاحب صرف اپنی ذاتی رائے ہی کو درج نہ کرواتے اور نہ اپنی انفرادی رائے کا کسی کو پابند ٹھہراتے بلکہ ان مذکورہ حضرات کی خوب بحث و تمحیص سے جب آخری رائے قائم ہو جاتی تو اس کو اصول اور قوانین کی کت ابوں میں درج کروا دیتے جن کو ہم اپنی اصطلاح میں اطلاق کت ابوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام صدر الامر لکھتے ہیں کہ :-

امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب ان میں بطور شوری رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول بہت اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا ہے چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بیکر ضرورت پڑتی

فوضع ابوحنيفة رحمه الله مذهبه شوری
یبنہم لم یستبد فیہ بنفسہ دونہم اجتهاداً
منہ فی الدین وباللغة فی النصیحة لله و
رسوله والمؤمنین فكان یلقى مسئلة مسألة
ولیسع ما عندهم ویقول ما عنده و
یناظرهم شهرًا او اكثر من ذالك حتی
یستقر احد الاقوال فیہا ثم یشئہا ابو یوسف
فی الاصول حتی انتہت الاصول کلہا ۱۱

(مناقب موفقی ۲۷ ص ۱۳۳)

تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں منظرہ
اور مباحثہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر
سب کی رائے جمع جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ
اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب
اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

اور اگر امام ابو یوسفؒ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنے اُستاد محترم کی رائے بدوں متفق اور
تحقیق کے لکھ دیتے تو امام ابو حنیفہؒ ان کو تنبیہ فرماتے کہ :-

لا تکتب کل ما سمع منی فانی قدری ہر وہ چیز جو تم مجھ سے سنتے ہو مت لکھا کرو کیونکہ
السرایم الیوم واترکہ غذا واری الدای غذا اگر میں آج کوئی رائے تم کرتا ہوں تو کل
واترکہ ف غذا ۹ اہ اُسے پھیر دیتا ہوں اور کل کی رائے پر سوں ترک

(تقدمة نصب الدایہ ص ۱۰۰)

اور اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ اُس وقت تک اپنی رائے کو تدوین کرنا پسند نہیں کرتے
تھے جب تک کہ خود بھی اچھی طرح اُس پر غور و خوض نہ کر لیتے اور مجلس شوریٰ کے ذریعے بھی
اس کی خوبی یا خرابی عیاں نہ ہو جاتی۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض غیبِ مقلدین
حضرات نے امام صاحبؒ کے اس حزم و احتیاط اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول
اور مسلمانوں کے ساتھ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو متلون مزاجی
اور رائے کی بے ثباتی کا طعنہ اور نشتر لگا کر ان کا یہ عیب گرداننے کی ناکام کوشش
کی ہے مگر یہ عیب کچھ سوہ ظن اور تعصب و حسد کا نتیجہ ہے، اور ان کی بے بنیاد تاویلات
سے ان کے مسلک کے فروغ میں رتی بھر رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی اور نہ انشاء اللہ ہوگی،
کیونکہ ع

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

امام عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم

مسئلہ درپیش ہوا۔

فخاضوا فيها ثلاثة ايام بالغداة والعشي
 (مناقب مرفوع ج ۲ ص ۵۴)

تو ارکان مجلس عین دن تک صبح و شام اس میں خود و
 غرض کرتے رہے۔

اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کر لیتی اس کو معرض التوائیں نہ
 ڈالتی۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ:-

اذا وقعت لهم مسألة يديرونها حتى
 يضيئونها۔ (مناقب کردی ج ۲ ص ۳)

جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو
 اس کو آپس میں خوب گردش دیتے یہاں تک کہ
 بالآخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روشن کر لیتے۔

اس طرز عمل سے حضرت امام صاحب نے جو مسائل طے اور حل کئے ان کی تعداد
 میں متعدد روایات اور عوالمجات پیش نظر ہیں مگر اختصاراً ہم حضرت ملا علی نقاری کا حوالہ
 لکھتے ہیں کہ:-

انه وضع ثلاثة الاف وثمانين الف
 مسألة منها شانوية وثلاثون الف في العبادة
 وبالباقي في المعاملات ۱

کہ امام صاحب نے ^{۱۳۳۰}تراسی ہزار مسئلے طے کئے ان میں
 سے اٹیس ہزار عبادت سے متعلق اور باقی معاملات
 سے متعلق تھے۔

(ذیل الجواهر جلد ۲ ص ۴۲)

امام ابو حنیفہ کی وسعت نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لیے امام محمد بن جریر
 طبرانی (المتوفی ۳۲۰ھ) اور خطیب بغدادی کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے
 ہیں کہ:-

وكان أبو حنيفة اقل من عادلين بالقب
 (طبری ج ۲ ص ۲۴ طبع مصر و تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱)

امام ابو حنیفہ سب سے پہلے وہ شخص جنہوں
 نے بانس کے ذریعہ اینٹوں کے گننے کا طریقہ
 ایجاد کیا۔

خوفنا ہے کہ پیمائش کے اس عمل سے خشت شماری کا طریقہ کس قدر سہل اور
 آسان ہو گیا ہے اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی یہ رائے بھی کتنی کارآمد اور مفید ثابت ہوئی ہے
 کہ آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمول برقرار رکھ رہی ہے۔ بغرض یہ کہ

حنفی میں صرف نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات و سیاسیات، معاملات و اخلاق وغیرہ وغیرہ سب کے علوم و فنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب و اذنان پر استیلا کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے۔

تیرا ہر نظارہ ہے آئینہ دارِ زندگی
قص کرتی ہیں ترے دامن میں ہو عینِ علم کی

تدوین کتب کا سہرا امام صاحب کے سر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علمائے اُمت کی سہولت کے لیے سب سے پہلے تدوین کتب اور ابواب کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس میں ایک بہترین مثال قائم کی۔ چنانچہ صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ :-

والبُحیْفہ رَحْمَہُ اللّٰہُ اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ
ہذَہُ الشَّرِیْعَۃِ لَعِیْبِقَہُ اَحَدٌ مِنْ قَبْلِہُ،
(مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۳۲)

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی
تدوین کی ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی)
تدوین نہیں کی۔

اور امام سیوطیؒ، امام صاحب کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ :-
سب سے پہلے انہوں نے علم شریعت کی تدوین
کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب ہی ہے
پھر امام مالکؒ نے موطا میں ان کی پیروی کی ہے امام
ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات
صحابہ کرام اور تابعین نے علوم شریعت میں ابواب
اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو
صرف اپنے ہاں نظر پر اعتماد کرتے تھے جب امام ابوحنیفہؒ
نے علوم کو مندرجہً لکھا اور اس کے ضائع ہونے کا
خوف کیا تو ابواب میں اس کو مدون کر دیا۔
۱۵ (تبیض الصحیفہ)

اور امام سیوطی ہی علامہ ذہبی کے حوالہ سے ۱۲۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس سن میں وَصَفَتْ ابُو حَنِيفَةَ الْفَقْهَ وَالرَّاهِي (تاريخ الخلفاء من ۱۸۱ طبع مجتبیٰ دہلی) امام ابو حنیفہ نے فقہ وراثت تصنیف کی۔

اور امام ابن حجر مکی؟ امام صاحب کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

انه اقل من دقن علم الفقه ورتبه البواب
وكتبا على نحو ما هو عليه اليوم وتبعه
مالك في موطنه ومن قبله، انما كانوا
يعتمدون على حفظهم وهو اقل من
وضع كتاب الفرائض وكتاب الشروط۔
انہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اور اس
کو ابواب اور کتب میں مرتب کیا ہے جیسا کہ آج
ہے، پھر ان کی پیروی امام مالک نے اپنے موطا میں کی
ہے اس سے قبل لوگ حافظ پر بھروسہ کرتے تھے، اور
سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی
امام ابو حنیفہ ہی نے وضع کی ہے۔

(الخصایب المسان ۲۵)

یہ بات ملحوظ خاطر ہے کہ علم و دین کی باتیں اور مسائل پہلے دور میں بھی لکھے جاتے تھے اور اس
کا حدیثی اور تاریخی طور پر کافی ثبوت موجود ہے اور ہم نے اپنی کتاب شوق حدیث میں اس پر پہلے شمار
حوالے دیے ہیں لیکن بائیں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین اور اتباع تابعین کے زمانہ میں زیادہ تر
وارد در حفظ پر تھا اور قرآن و حدیث کی طرح اکثر دینی مسائل بھی لوگوں کو بغیر صرف یاد ہوتے
تھے، جب خیر القرون سے زمانہ دور ہوتا گیا اور دینی جذبہ اور حفظ میں کمی واقع ہونے لگی تو سلف
صالحین کو بتائے دین کی فکر ہوئی اور انہوں نے علم دین کو کتابی شکل میں لکھنے کی سعی کی اور
اس طرح قرآن و حدیث کے علاوہ فقہی مسائل کا بھی معتد بہ حصہ ضبط تحریر میں آ گیا لیکن
ان کی ترتیب اور ابواب و فصول کی صورت میں تدوین پھر بھی نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ
مسائل کی تلاش میں خاصی وقت ہوتی اور ایک ایک مسئلہ اور جزئی کی تلاش کے لیے
خاص قیمتی وقت صرف ہو جاتا اس اہم ضرورت کو یہ پیش نظر رکھ کر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور اسی
طرح دیگر بزرگوں نے فقہ وغیرہ علوم کی ترتیب اور ابواب و فصول پر تدوین کا بیڑا اٹھایا اور ان
کا یہ مفید کام آج تک قابل قدر لگا ہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس طرح قیمتی وقت کی بچوت
ہوتی ہے اور ذہنی پریشانی سے بھی نجات ملتی ہے جس باب کا مسئلہ ہوتا ہے کتاب کی فہرست

مضامین دیکھی اور فوراً باب یا فصل نکال کر مسئلہ دیکھ لیا جاتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کا محدثین کرام اور فقہاء عظام وغیرہم پر یہ بھی ایک بہت بڑا احسان ہے ہاں جو احسان کو سمجھتا ہی نہ ہو تو اس کا کیا کہنا؟ اور جس کی چشم ہی بینا نہ ہو اس کو طور کیا نظر آئے گا؟

سچ کہا گیا ہے کہ

چشم بینا تو پہلے کہ پیدا پھر یہ کنا کہ کوہ طوئیں

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقہ الاکبر ان کی نہیں لیکن یہ ان حضرات کا زاوہم ہے ہم نے البیان الاذہر کے مقدمہ میں اس پر بقدر ضرورت بحث کی ہے مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق بن زیدؒ اپنی کتاب الفہرست بن النديم ص ۲۹ میں (جس کو انہوں نے ص ۳۷ میں تصنیف کیا ہے) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ تابعی تھے اور کئی حضرات صحابہ کرام سے آپ کی ملاقات ہوئی پھر آگے لکھتے ہیں کہ الفقہ الاکبر کتاب الرسالة الى البستی کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرد على القديمة ان کی تصانیف ہیں (محصلہ الفہرست لابن النديم ص ۲۹ طبع مصر) اور علامہ طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں کہ خود امام ابوحنیفہؒ نے اپنی کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب العلم والمتعلم میں علم کلام کی اکثر بحثیں کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ انہی تصانیف نہیں بلکہ یہ ابوحنیفہؒ البخاری کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کے محترعات میں سے ہے ان کا یہ باطل خیال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ان کے مسلک پر تھے علامہ حافظ الدین البرزازیؒ نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہؒ میں لکھا ہے کہ میں نے خود یہ دونوں کتابیں علامہ شمس الدین المکرزی البرہقیؒ العادوی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف ہیں اور اس امر پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے جن میں سے امام فخر الاسلام نردویؒ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے امام شیخ عبدالعزیز بخاریؒ بھی ہیں جنہوں نے شرح الاصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

باب پنجم

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور علم حدیث

امام الامہ، سید القتار، ذلی الامت، رأس الاقتیاد مجاہد کبیر حضرت نعمان بن ثابت الکوفیؒ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافرحصہ مرحمت فرمایا تھا۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ فن روایت اور علم حدیث میں ان کا رتبہ اور پایہ باحوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہر ایک منصف مزاج کو صحیح حقیقت معلوم ہو سکے اور متعصب و غلط کار لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈا سے متاثر نہ ہو کر خدا تعالیٰ کے نیک اور پارسا بندہ سے عداوت اور دشمنی اختیار کر کے محاربت خداوندی کا شکار ہو کر کہیں وہ اپنی آخرت ہی ضائع نہ کرے۔

شیخ الاسلام ابن عبدالبر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ودوی حماد بن نید عن ابی حنیفۃ لعادیت حماد بن زید نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں
کشیۃ۔ (الانتشار ص ۱۳) روایت کی ہیں۔

اگر حضرت امام حنیفہؒ کے پاس حدیثیں تھیں ہی نہیں یا صرف سونے، سترہ کے قریب تھیں جیسا کہ بعض متعصب لوگوں نے کہا ہے تو احادیث کثیرہ کا کیا مطلب ہو گا؟ اور جب خود ان کے پاس ہی زیادہ حدیثیں نہ تھیں تو حماد بن زید سے انہوں نے بھلا احادیث کثیرہ کیا روایت کی ہوں گی؟

اور حافظ ابن عبد البر ہی امام وکیع بن الجراح کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان يحفظ حديثه، كله وكان قد سمع
من أبي حنيفة حديثاً كثيراً -
کہ وکیع بن الجراح کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سب
حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت
سی حدیثیں سنی تھیں۔ (مجمع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۳۹)

انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا کہ امام وکیع بن الجراحؒ بلند قدر اور پختہ کار محدث تھے۔
اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بیان کردہ حدیثیں ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوتیں تو وہ ہرگز ان کو یاد
نہ کرتے؟ اور بہت سی حدیثیں بھی ہی وہ ان سے روایت کر سکتے ہیں جب کہ خود امام
ابو حنیفہؒ کے پاس بھی بہت سی حدیثیں ہوں۔

محدث ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) امام اسد بن عمرو (المتوفی ۱۹۰ھ) کے ترجمہ میں
کہتے ہیں کہ :-

ولیس فی اصحاب الراہی بعد ابی حنیفۃ
اصحاب الراہی (یعنی فتاویٰ) میں امام ابو حنیفہؒ کے
اکثر حدیثا منہ۔
بعد اسد بن عمرو سے زیادہ حدیثیں اور کسی کے
پاس نہ تھیں۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۳۸۴)

اور علامہ ابن سعدؒ اسد بن عمروؒ ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان عنده حديث كثير وهو ثقة
انشاء الله - (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۳۱۱)
ان کے پاس بہت حدیثیں تھیں اور انشاء اللہ
وہ ثقہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اسد بن عمروؒ جو خود صاحب حدیث کثیر تھے، امام ابو حنیفہؒ
کے پاس ان سے بھی کہیں زیادہ حدیثیں تھیں۔

امام صدر اللامہؒ مکی الحنفیؒ، امام مکی بن ابراہیمؒ، المتوفی ۲۱۵ھ جو حافظ، الامام اور شیخ خراسانی
تھے، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مومن کہتے ہیں۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۳۳۲ کے بارے میں کہتے ہیں
کہ :-

ولزموا باحنيفة رحمة الله وسمع منه
الحديث والفقہ واكثر منه الرواية -
انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہ
کر ان سے حدیث اور فقہ کا سماع کیا اور ان سے

بجائزت روایتیں کیں۔

یہ حضرت امام بخاری کے استاد تھے اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے
گیا یہ صرف مکئی بن ابراہیم کی سند سے ہیں اور یہ بڑے پایہ کے حنفی تھے گویا ان کی عبادت
کے ساتھ امام بخاری کو یہ تہ اور شرف حاصل ہوا کہ صحیح بخاری میں گیا یہ ثلاثیات ان کی
سند سے درج کیں۔

اور امام عیسیٰ بن مالان ابو بصیر (المتوفی ۱۰۰ھ) بعض نے ان میں کلام بھی کیا ہے، مگر امام احمد
ان کو صالح الحدیث، اور ابن معین، ابن عیینہ، ابن عمار موصی، ابن سعد، حاکم، اور ابن عبد البر
کہتے ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۵۱ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

امام اہل الرقی فی الحدیث والفقہ اکثر وہ راجح کے باشندوں کے حدیث اور فقہ میں امام تھے،
عن ابی حنیفۃ روایۃ الحدیث والفقہ و انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث اور فقہ کی بہت
روایتیں لی ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام
ابو حنیفہ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (ایضاً ج ۱ ص ۲۴۳)

علامہ خلیف بغدادی اپنی سند کے ساتھ محدث بشر بن موسیٰ (المتوفی ۲۸۸ھ) جو
المحدث الامام اور المحدث تھے تنکھ ج ۲ ص ۱۶۵ سے اور وہ اپنے استاد محترم حضرت
امام ابو عبد الرحمن المقرئ (المتوفی ۲۱۳ھ) جو الامام، المحدث اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱
ص ۲۲۴، انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نو سو حدیثیں سنی تھیں، مناقب کروری جلد ۲ ص ۲۱۶)
سے روایت کرتے ہیں کہ :-

وکان اذا حدث عن ابی حنیفۃ جب وہ ہم سے امام ابو حنیفہ کی سند سے
قال حدثنا شامشاہ۔ کوئی حدیث بیان فرماتے تو کہتے ہم سے شامشاہ
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۵) نے حدیث بیان کی ہے۔

انما فرمایا کہ ایک محدث کامل اور شیخ الاسلام، حضرت امام ابو حنیفہ کو روایت
اور حدیث کا بادشاہ ہی نہیں کہتے بلکہ شامشاہ کہتے ہیں، جو شخص اپنے دور اور زمانے میں
حدیث کا شامشاہ ہو گیا اس کے محدث اور حافظ حدیث ہونے میں کوئی کسر اور

کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟ (فن حدیث اور سند میں شہنشاہ ہونا جزوی بات صحیح اور مطلقاً شہنشاہ ہونا مخلوق کیلئے حرام ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر
 "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میسر نہیں!"

امام صدر الامۃ؎ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وعبد اللہ بن یزید هو ابو عبد الرحمن المقرئ من حفاظ اصحاب الحديث وكبرائهم
 اكثر عن ابي حنيفة الرواية في الحديث -
 امام ابو عبد الرحمن المقرئ عبد اللہ بن یزید نے جو
 خود بھی اصحاب حدیث کے حفاظ اور بڑے ائمہ
 میں تھے امام ابو حنیفہ سے حدیث کی بہت سی
 روایتیں لی ہیں۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۱۲)

مشہور محدث السمرقندی (المتوفی ۱۶۲ھ جو الامام اور الحافظ تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۹) ارشاد
 فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کیا ہی خوب مرد تھے کہ:-

ما كان احفظ لكل حديث فيه فقه
 واشد فحشه عنه واعلمه بما فيه
 من الفقه -
 انہوں نے ہر ایسی حدیث کو کیا ہی اچھی طرح
 یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے
 اور وہ حدیث کے بارے میں بڑی بحث کئے
 والے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے
 والے تھے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۲۹۹ و تبیيض العفيف ص ۲۴)

امام صدر الامۃ؎ مکی، امام علی بن یونس (المتوفی ۱۸۷ھ جو ثقہ اور ثبوت تھے، تہذیب التہذیب
 ج ۸ ص ۲۳۹) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-
 اكثر عن ابي حنيفة الرواية في الحديث
 والفتد - (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۹)
 انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث اور فقہ کی کثرت
 روایتیں کی ہیں۔

امام عبد اللہ بن داؤد الخریزی (المتوفی ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور القدرہ تھے، تذکرہ
 جلد ۱ ص ۱۳۳) علامہ ابن سعد ان کو ثقہ، عابد اور ناسک اور امام ابن معین ان کو ثقہ اور مامون کہتے
 ہیں۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۱۳۳) فرماتے ہیں کہ:-

يجب على اهل الاسلام ان يدعوا الله لابي
 حنيفة في صلواتهم قال وذكروه حفظه عليهم
 مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں، اللہ تعالیٰ
 سے امام ابو حنیفہ کے لیے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ

السنن والفقہ - تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۴۲
والبدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۰۱

یہ اس لیے کہ انہوں نے سنت حدیث اور فقہ کو
مسلمانوں کے لیے محفوظ کیا ہے۔

امام صدر الاممؑ کی اپنی سند کے ساتھ امام زفر سے روایت کرتے ہیں کہ:-

قال كان كبرلاء المحدثين مثل زكريا
بن ابى زائده وعبد الملك بن ابى سليمان
والليث بن ابى سليم ومطرف بن حريث
وحصين بن حبان بن عبد الرحمن
وغيرهم يختلفون الى ابى حنيفة ويؤثرون
عما يرويه من المسائل وما اشتبه عليهم
من الحديث - (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۴۹)

بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبد الملک
بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن حریف اور
حصین بن عبد الرحمن وغیرہ امام ابو حنیفہ کے پاس
آتے جاتے ہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل ان
سے دریافت کتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے
اور جس حدیث کے بارے میں ان کو شک تھا ہوتا ہے
اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔

اگر امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں مہارت تامہ حاصل نہ ہوتی یا وہ حدیث سے بے بہرہ ہوتے
تو ان کبرلاء محدثین کو ان کے پاس آنے جانے کی اور حدیث میں ان سے مشکوک و شبہات نکالنے
کی کیا مصیبت پڑتی تھی؟

مشہور محدث امام معمر بن کدائم (المتوفى سنة ۱۵۵ھ) جو الامام المحافظ اور احد الاعلام
تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۰۱) فرماتے ہیں کہ:-

طلبت مع ابى حنيفة الحديث فغلبنا و
اغتنا نافي الزهد فبرع علينا وطلبنا معه
الفتحة فجاء منه ما ترون - (مناقب ابى
حنيفة ص ۱۰۱ از علامہ ذہبی طبع مصر)

میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن
وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس
میں بھی ہم پر فائق رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فتہ
طلب کی تو اس میں ان کا کمال ہے محضی نہیں ہے۔

غور کیجئے کہ چوٹی کا محدث اور صحیح سنیہ کامر کزبی راوی حضرت امام ابو حنیفہ کی علم حدیث
میں فوقیت اور برتری کو کس شانِ سخاوت سے تسلیم کرتا ہے۔

محدث جلیل امام زبیر بن ہارون فرماتے ہیں کہ:-

كان ابو حنيفة تقياً تقياً زاهداً عالماً
امام ابو حنیفہ متقی، پاک، زاهد، عالم، صدقت شعار

صدق اللسان احفظ اهل زمانہ
 و مناقب صمیمی بحوالہ ابن ماجہ اور علم
 حدیث صلا از مولانا نعمانی

امام الحجرج والتعلیل بحوالہ ابن سعید بن العقیل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-
 انہ واللہ لا عنکۃ ہذہ الامۃ بملجا عن
 اللہ ورسولہ و مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ
 مسعود بن شیبہ سنن ابی بکر الخدیجی بحوالہ ابن ماجہ اور
 علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی ص ۱۶

اگر امام ابو حنیفہؒ کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے علم میں پوری مہارت اور کمال حاصل نہ
 ہوتا تو ناقدرین رجال اور سر تاج محدثین کبھی قسم اٹھا کر یہ بیان نہ دیتے۔
 حضرت ملا علی بن الف تارمیؒ امام محمد بن ساعدی سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے
 فرمایا کہ :-

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا و سبیین
 الف حدیث و انتخب الآثار من اربعین
 الف حدیث۔ (مناقب علی بن الف تارمیؒ بذیل
 الجواہر جلد ۲ ص ۲۴۴)

اور امام صدر الائمہؒ مکیؒ ارقام فرماتے ہیں کہ :-
 وانتخب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین
 الف حدیث۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

حدیث کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف
 میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کرتے ہیں مگر بائیں ہمہ
 متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فن حدیث میں یتیم تھے، ان کو حدیث سے کوئی
 مش کڑ تھا، ان سے صرف ستر ہزار حدیثیں مروی ہیں، یہ کس قدر ظلم عظیم اور نا انصافی کی بات ہے،

اور یار لوگ صرف ایسے ہی حوالوں پر اکتف کر لیتے ہیں اور دوسری طرف کے ٹھوس حوالے بالکل مضموم کر جاتے ہیں۔

نوٹ :- محدثین کرامؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ سند کے بدلنے اور اسی طرح سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کی تعداد کم تھی کیونکہ سند مختصر تھی اور ائمہ حدیث کے زمانہ میں احادیث کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو گئی، کیونکہ جوں جوں سند بڑھتی گئی، اور راوی بدلتے گئے تو احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی نیز یہ کہ متون حدیث بڑھ گئے جیسا کہ محدثین کرامؒ کی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے ممکنین حدیث اور اسی طرح دیگر بعض مہمل فرقوں نے ٹھوکر کھائی ہے، اور بلا وجہ محدثین کرامؒ کو محسوس طعن بنایا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری بحث تو شوق حدیث میں ہم نے کر دی ہے صرف مثال کے طور پر ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے، تاکہ بات بخوبی سمجھی جاسکے۔ مشہور محدث ابراہیم بن سعید الجومہریؒ (المتوفی ۲۴۳ھ) جو الحافظ اور العلامہ تھے خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور محکم تھے، تذکرہ جلد ۲ ص ۵۹) ایک خاص موقع پر فرماتے ہیں کہ :-

كل حديث لا يكون عندي من
مائة وجه فانا فيه يتيم
ماتة وجه فانا فيه يتيم
جب ایک ایک حدیث مجھے پاس آتی تو سندوں
کے ساتھ نہ ہوتیں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ
کو یتیم خیال کرتا ہوں۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹)

اب ایسی حدیث تھیں اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہوگی مگر تیسرا سندوں اور طریقوں سے جب وہ الگ الگ روایت کی جائے گی تو محدثین کرامؒ کے نزدیک سو حدیث متصور ہوگی، اور اگر یہی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقوں سے مروی ہوگی تو وہ ان کے نزدیک ہزار حدیث ہوگی۔ یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے لاکھ حدیث یاد تھی اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھی، ورنہ متون احادیث کی تعداد بالفاق محدثین عظام جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیان بن سعید ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰ بن سعید القطان امام عبدالرحمن بن مہدیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ قابل ذکر ہیں، ایسے :-

ان جملة الأحاديث المسندة عن النبي
بلاش تمام وہ منہ احادیث صحیحہ جو بلا تواتر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار
 اربعة الاف واربعمائة حدیث۔ (توضیح الافکار^{۳۳})
 صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد
 چار ہزار اور چار سو ہے۔

طبع مصر از علامہ امین یافعی

دیگر محدثین کی طرح جہاں حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف کم حدیثوں کی نسبت آتی ہے تو
 اس سے نظر بظاہر یہی متون احادیث مراد ہیں اور جہاں چالیس یا ستر ہزار کا ذکر آتا ہے تو وہاں سے
 اسانید و طرق متعددہ سے مروی روایات مراد ہیں، چنانچہ امام صدر الائمہ کئی، امام حنبل بن زیاد
 کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

کان ابوحنیفۃ یروی اربعة الاف حدیث
 الغین لمحمد والغبین لسان المشیخۃ ۱۵
 امام ابوحنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔
 دو ہزار تو صرف حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی
 شیوخ سے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۹)

یعنی اگر تکرار اور تعدد طرق و اسانید سے صرف نظر کر لی جائے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ان
 سے مروی ہیں اور اگر اسانید و طرق کو ہمیشہ نظر رکھا جائے تو ستر ہزار سے بھی ان کی تعداد بڑھ جاتی
 ہے جن کا تذکرہ امام صاحب نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے
 کہ امام صاحب کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا
 شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۲۲ھ) پیش پیش ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام صاحب کی اپنی
 کوئی تصنیف ہی نہیں تھی کہ فقہ اکبر بھی اسی اپنی نہیں، ہم نے اسی کتاب کے ص ۱۸۱ بلوالدور الیمان لالہ کے مقدمہ
 میں لالہ کے ساتھ اسکی تردید کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں البتہ غیر مقلدین حضرات کی تسلی کے لیے ایک
 حوالہ عرض کئے دیتے ہیں۔ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ :-

امام ابن تیمیہ منہج السنۃ میں فقہ اکبر کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
 قرار دیتے ہیں، پس مولانا شبلی مرحوم کے انکار کی بنا پر اسے معروض بحث میں لانے کی ضرورت
 نہیں (بلفظہ، حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۲)

امام صاحب کی تصانیف سے وہ اطلاقی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے لائق اور قابل
 قدر تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف وغیرہ امام صاحب کی تعلیم اور تدریس کے وقت قید تفسیر میں

لے آتے تھے جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ احکام الاحکام شیخ الاسلام ابو الفتح محمد بن علی الشہید
 بابن دقیق العید الشافعی (المتوفی ۳۷۲ھ) کی اپنی تالیف و تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ اٹھکراتے
 تھے اور ان کے لائق و فائق شاگرد شیخ القاضی اسمعیل بن تاج الدین — الاثیر الحلبي الشافعی
 (المتوفی ۳۸۷ھ) لکھتے جاتے تھے اور باوجود این دقیق العید کی اپنی تصنیف نہ ہونے کے
 وہ انہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے، دیگر متعدد شرح حدیث کی عبارات کے علاوہ حافظ ابن حجر
 متعدد مقامات پر فتح الباری میں ارقام فرماتے ہیں قال ابن دقیق العید فی احکام الاحکام الخ
 اسی طرح امام صاحب کی تصانیف سے وہ اٹھائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے سامنے اور ان
 کے حکم سے ان کے تلامذہ قی تحریر میں لے آتے تھے جیسا کہ ہم نے خلیف بغدادی اور صدائے
 کے حوالے سے اس کا مفصل ذکر پہلے کر دیا ہے کہ جب ایک مسئلہ پر اچھی طرح غور و خوض ہو جا
 تو آپ فرماتے اشدتھا الخ کہ اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور بجائے سینہ کے سفینہ
 میں محفوظ کر لو۔ اور امام صاحب کی ان اٹھائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتوں
 کی طرح بکھری پڑی ہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، امام صاحب کے چار ارشد تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں کہ امام حجر سے دو طرح کی کتابیں منقول ہیں، ایک جو ظاہر الروایہ سے منسوب ہیں
 جیسے بسوط المباح الکبیر، المباح الصغیر، کتاب الیر الکبیر، کتاب الیر الصغیر اور الزیادات، دوسرے
 نو اور جیسے کتاب الامالی یا کیسانیات وغیرہ اور ان سب میں اپنے ملک کی تائید میں
 احادیث و آثار ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ انتہی (مسئلہ اجتہاد و صلا)

اور مولانا محمد حنیف صاحب ندوی ہی لکھتے ہیں کہ اس میں بھی اختلاف رائے ہے کہ
 فقہ کی کوئی کتاب اپنے تصنیف کی یا نہیں؟ اور آیا ابن ندیم نے جن کتابوں کا ان کی طرف
 انتساب کیا ہے جیسے الفقہ الاکبر، کتاب العالم و التعلم وغیرہ ان کا انتساب تاریخی طور پر درست
 ہے یا نہیں؟ مگر یہ حقیقت بہر حال مسلمہ ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے اپنی کتابوں میں فقہ
 حنفی کے نام سے جن فروع و اصول کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تعیین و نتیجہ میں بڑی حد تک حضرت
 امام ہی کی جہت رائے کو پیش کر کے اور اذاعتصام سے عالم عالم و فریدی سن ۱۱۷۱ھ

اور چالیس ہزار روایات سے انہوں نے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے چنانچہ امام عبد القادر القرشی الحنفی (المتوفی ۷۵۰ھ) امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محترم کے توسط سے:

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وہو مجلد امام ابو حنیفہ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی
ضعفہ (الجواہر ج ۲ صفحہ ۳۲۵) ہے جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ہی کہ مصر سے کتاب الآثار لابی یوسف طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو امام ابو یوسف نے امام صاحب سے نقل کیا تھا اور اب وہ انہی کی طرف منسوب ہو کر رہ گیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفرداً انما امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مفرد کتاب آثار
ہو کتاب الآثار التي رواها محمد بن ہے جو امام محمد بن الحسن نے ان سے روایت کی
الحسن عنده اور تفحیل المنفعة ہے۔

اور اسی کے قریب انہوں نے لسان المیزان ج ۵ ص ۳۱ میں بھی لکھا ہے۔ نظر بہ ظاہر یہ کتاب آثار وہی ہے جو امام محمد کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ انہی کی روایت یہ نسخہ راجح ہوا جیسا کہ بخاری، ابوداؤد اور موطا امام مالک وغیرہ حدیث کی کتابوں کے متعدد روایت کی وجہ سے مختلف نسخے نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور ان نسخوں میں تقدم و تاخر اور دیگر کئی امور میں باہمی اختلاف اور تفاوت بھی پایا جاتا ہے لیکن اس جزوی اختلاف کی وجہ سے ان کی پوزیشن اور ان پر اعتماد ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ محدثین حدیث نے غلط کاری سے یہ سمجھ رکھا ہے اور بزرگان دین کی محنت اور ان پر اعتبار کو یکسر ختم کرنے کا اڈھا رکھائے بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھوینے پیدا کئے فلک نے تمہے جو خاک چھانکے

امام صاحب ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں تھے

اگرچہ گذشتہ مندرجہ ٹھوس حوالے حضرت امام ابو حنیفہ کی حدیث دانی اور محدث کامل ہونے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ بحث کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ رہے اس لیے

ہم اب یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام صاحب محض حدیث دان اور محدث ہی نہ تھے بلکہ فن حدیث اور روایت کے بڑے مجتہدین، حفاظ حدیث اور ائمہ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے خود سے مندرجہ ذیل حوالے ملاحظہ کیجئے :-

امام ابو داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی المتوفی ۲۴۵ھ جو الامام الثبت اور سید الخلفاء تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۲) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

رحم الله مالکاً کان اماماً رحم الله الشافعی
کان اماماً رحم الله اباحیفة کان اماماً
کتاب الاعتقاد ص ۲۲ و جامع بیان العلم ۲ ص ۱۶۱
اللہ تعالیٰ رحمت نازل کئے امام مالک پر کیونکہ وہ
امام تھے، اللہ تعالیٰ رحمت کرے امام شافعی پر اس لیے
کہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو حنیفہ
پر کیونکہ وہ امام تھے۔

اور علامہ ذہبی امام ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ :-

ان اباحیفة کان اماماً تذکرہ ج ۱ ص ۱۶۱
ابو حنیفہ امام تھے۔

امام ابو داؤد حبیبی محدث کا محدث جب امامت کا ذکر فرمائیں گے تو اس سے یہی متبادر ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کی امامت مراد لیتے ہیں اور خصوصیت سے جب امام مالک اور امام شافعی کی لٹری میں منسلک کئے کہ وہ امام ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس امامت سے وہی امامت مراد ہوگی جو حضرت امام مالک اور امام شافعی کے لیے لی جاسکتی ہے، چونکہ وہ حدیث اور فتنہ دونوں کے امام تھے، اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ کے لیے بھی حدیث اور فتنہ دونوں کی امامت مراد ہوگی۔

علامہ عبد الکریم شہرستانی (المتوفی ۴۹۹ھ) فرقہ مرجمہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں ایک وہ فرقہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نظریات اور معتقدات کے خلاف ہے، اور ایک وہ گروہ ہے جو مرجمہ التفتہ کہلاتا ہے اور ان کے کئی بونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ یہ حضرات اعمال کو ایمان کی جزئیات سے متاخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کی جزئیات نہیں نہ یہ کہ اعمال کو ایمان سے بالکل الگ کر دیتے ہیں کہ ان پر ثواب و عقاب ہی مترتب نہ ہو۔ اس طویل بحث کے بعد انہوں نے تتمہ میں ایسے ہی رجال مرجمہ کے کچھ نام گنوائے

ہیں اور وہ یہ ہیں :- الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلق بن عیوب، عمر بن
مرہ، محارب بن زیاد، مقاتل بن سلیمان، ذر و عمر بن ذر، حماد بن ابی سلیمان، ابو حنیفہ، ابو یوسف،
محمد بن الحسن اور قندی بن جعفر اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ :-

وهو لا وكله ائمة الحديث الا الملل والغل یہ سب کے سب ائمہ حدیث ہیں۔

جو اصناف مکتبہ الانجلیو صریحہ ص ۲۳ طبع اول مکتبہ

المسین العبادیہ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن وغیرہ جن کا
ذکر ہوا سب کے سب ائمہ حدیث تھے، اگر یہ حضرات فن حدیث کے عالم اور پھر اس
پر عامل نہ ہوتے تو ائمہ حدیث کیسے بن گئے۔

فرقہ مرجیہ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی نے غنیۃ الطالبین میں مرجئہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے
اور پھر ان مرجئہ میں اصحاب نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان
اور متعصب غیر مقلدین حضرات امام صاحب اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجئہ سمجھ کر ان کو کہتے
اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیر برساتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت
شیخ صاحب نے حضرت امام ابو حنیفہ کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب
کو مرجئہ کہا ہے اور ان کے مقلدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ
بھی تھے جیسے علامہ زعمری (المتوفی ۵۲۸ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح
بعض دیگر فقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً و مفرداً مرجئہ کے اس باطل گروہ اور
فرقہ سے تعلق تھے جو اہل سنت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجئہ ہونے کی وجہ
سے حضرت امام ابو حنیفہ پر کیا نوٹ لکھی تھی؟ اور ان مرجئہ کے قول باطل کی وجہ سے ان اصحاب
ابی حنیفہ پر جو اس معنی میں مرگزہ مرجئہ نہ تھے، کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مرجئہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبرہ کی کتاب
جامع بیان العلم (۲ ص ۱۶۸) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تفسیرات البیہ (ص ۲۸) اور

نواب صاحب کی دلیل الطالب (ص ۱۶۵) وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرام کے ساتھ صرف لفظی ہے، وہ یہ کہ بعض محدثین عظام، ایمان، تصدیق بالقلب استمرار باللسان اور عمل بالجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجئہ اہل سنت، ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنی لغوی معنی کے بالکل قریب ہے (حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ائمان فی اللغۃ فی التصدیق علی التصدیق المحض الخ تفسیرہ اصح یعنی بہر کیف لغت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں والایمان لغۃ التصدیق۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۱) اور قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط مشروط سے خارج ہوتی ہے نیز اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے، اور معطوف و معطوف علیہ مغایر ہوتے ہیں، علاوہ ازیں بعض بد اعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن و حدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے، اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں تو ان کے فقدان سے ایمان کا تحقق کیسے؟ (دیکھئے تفسیر بیضاوی، شرح مواہب ص ۱۹، طبع نو کشور اور شرح ص ۱۹۵ حقاہ وغیرہ) یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ نواب و عقاب کا اعمال پر ترتیب نہیں؟ یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے؟ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ نہیں بلکہ اجزاہ متممہ و مکملہ ہیں۔

مولانا میر صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابوحنیفہؒ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجے کے تقویٰ اور توریخ پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، بے شک بعض مصنفین نے، احسان دان پر رحم کر کے، امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسف امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیادہ رحمہم اللہ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھا لایا ہے لیکن حقیقت اس علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے الخ (مادیح اہل حدیث ص ۱۶۵)

اور طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شہرستانیؒ کی الملل والنحل ج ۱ ص ۱۸۹ کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی (کے عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مرجئہ السنۃ کہا جاتا ہے الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۷۷)

الغرض امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اکثر اصحاب جس میں معنی میں مرجئہ ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں، ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجئہ کہا گیا ہے اور اس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا، اور نہ اُس کی وجہ سے ان کی دیانت و امانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نواب صاحبؒ کی پوری عبارت نقل کر دیں، ممکن ہے اکثر حضرات کو کتاب دلیل الطالب انسانی سے میسر نہ ہو سکے، نواب صاحبؒ لکھتے ہیں :-

سوال : در غنیۃ الطالبین مرجئہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمان ذکر کردہ و کذا غنیۃ فی غیرہ وجہ آن چیست؟ جواب : بر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی در تفسیحات نوشتہ اند کہ ارجاء دوگونہ است یکی ارجاء است کہ قائل را از سنت بیرون میکند دیگر آنست کہ از سنت بیرون نمیکند اول آنست کہ معتقد آن باشد کہ ہر کہ اقرار بلسان تصدیق بجماع کرد، بیچ مصیبت اور اضر نہست اصلاً دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست و لیکن ثواب و عذاب بر اں مترتب است و سبب فسوق میاں ہر دو آنست کہ صحابہ و تابعین اجماع کردہ اند بر تخطیہ مرجئہ و گفتہ اند کہ بر عمل ثواب و عذاب مترتب می شود پس مخالف ایشان ضال و مبتدع است و در مسئلہ ثانیہ اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارضہ اند بعض آیات و حدیث و اثر دلائل میکند بر آنکہ ایمان غیر عمل است و این نزاع راجع میشود بسوئے لفظ و بحدت اتفاق ہمہ بر آنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ سختی عذاب است و صرف دلائل و الہ بر آنکہ ایمان عبارت از مجموعہ این چیز نا است از ظواہر شہادہ و فی عنایت ممکن است انتہی و ازین جامع معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجئہ بدون اصحاب ابی حنیفہ و شیعہ ثانی است دلائل و اخبار علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر در دلائل ہماں مذہب اہل حدیث است کہ ایمان عبارت است از مجموعہ اقرار

و تصدیق و عمل و بہ قال القاضي شہد اللہ فی مالوئہ فان دفع الاشکال وصفی مطلع الهدل

وباللہ التوفیق و انتہی بلفظہ دلیل الطالب^{۱۶۵} بلع شاہجانی بھوپال ۱۲۹۵ھ

ثواب صاحب کی اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح اور صاف ہو گئی کہ جس معنی میں حضرت شیخ صاحب نے اصحاب ابی حنیفہ کو مرجعہ کہا ہے، وہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہے ولا اعتبار علیہ لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت جو انہوں نے تفہیمات میں بیان فرمائی ہے، نقل نہیں کی گئی، اس لیے ادھوری عبارت سے جو ثواب صاحب نے نقل کی ہے غنیۃ الطالبین کی عبارت کی پوری عمدہ کثائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت شیخ صاحب نے جو اصحاب ابی حنیفہ کو مرجعہ کے اس فرقہ میں داخل کرتے ہیں جو باطل فرقوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کو ایمان کے ساتھ ترتیب ثواب و عقاب کے درجہ میں بھی نہیں مانتا تو یہ بیش کوشش ثانی ان پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہے جس میں اعمال پر ثواب و عقاب کے ترتیب کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے؟ اس لیے ہم اے نزدیک یہی جواب متعین ہے کہ حضرت شیخ صاحب نے ان اصحاب حنیفہ کو مرجعہ کے باطل فرقہ میں شمار نہیں کیا جو مرجعہ السنۃ تھے۔ ہاں وہ اصحاب اس سے ملو ہیں جو معتزلہ وغیرہ کی طرح فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے باوجود خلاف اہل سنت فرقہ مرجعہ میں تھے اور وہی فرقہ باطل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی تصریح کی ہے (تفہیمات ج ۱ ص ۲۵)

علامہ ذہبی نے حضرت مسعر بن کدام (جن کا سن وفات اور حدیث میں درجہ پہلے لکھا جا چکا ہے، ان پر بھی ارجاء کا اعتراض تھا اور حیرت ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ اور جیسے محدث، فقیہ اور صوفی اسی ارجاء کے الزام میں ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ ایک ہی شہر کوفہ میں دونوں رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۱۵ اور درحقیقت وہ اسی معنی میں مرجعہ تھے جو علامہ شہرستانی کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے مگر غلط فہمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کے ترجمہ میں حضرت امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر حضرات کا نام لے کر یہ لکھا ہے کہ ان کو مرجعہ کہنے کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴ یعنی اس معنی میں ارجاء کی نسبت ان کی طرف باطل ہے جو مرجعہ السنۃ کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ احناف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-
والحنفية هم من اهل السنة
احناف اہل سنت والجماعت سے ہیں۔

(منہاج السنّة ج ۱ ص ۳۵ طبع مصر)

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ "اور مرجزہ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو انہوں
تو اہل سنت لیکن بحسب لغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض
نہیں ان پر ارجار کا لفظ بولا گیا ہو الخ تاریخ اہل الحدیث ص ۱۵۱)

ان پوری تفصیلات اور تشریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حنفیوں کو مرجزہ کے ہل
فرقہ میں داخل اور شمار کرتا ہے تو مالک یوم التّین ہی قیامت کے دن اس کا فیصلہ کئے گا۔
اور اس وقت حقیقت بے نقاب ہو کر رہے گی۔ چنانچہ مؤلف نتائج التّقدیر ص ۱۶۱ میں دل کی بھڑک
میں نکالتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی تصنیف لطیف غنیۃ الطالبین میں اہل بدعت
وگمراہ فرقوں کی تفصیل و فہرست بیان کرتے ہوئے حنفی مذہب کو اہل سنت سے خارج مرجزہ
ایسے بدعتی وگمراہ فرقے کی شاخ شمار کرتے "اھ یہ بہ تحقیق انیق؟ سبحان اللہ!

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبیؒ (شافعی المذہب وحبلی المعتقد) نے تذکرۃ الحفاظ کے
نام سے چار جلدوں میں ایک بہترین اور زہین کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مستقل عزوات
کے تحت صرف وہی حضرات داخل اور شمار کئے ہیں جو حافظ حدیث تھے ان حضرات میں
وہ (ج ۱ ص ۱۵۱ میں) حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی حفاظ حدیث میں شمار اور بیان کرتے ہوئے یوں
سُرخی قائم کرتے ہیں۔ "ابو حنیفہ الامام الاعظم ذمّۃ العراق الخ طبقات رجال اور ناقد فن روایات
کے اس بڑے پہاڑ کی یہ شہادت کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔

امام حاکم نے اصول حدیث پر ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے
فن حدیث میں روایت و درایت کی اہم بنیادی شرطوں پر اصولی بحث کی ہے جس کا نام
معرفت علوم الحدیث ہے جو قاہرہ میں طبع ہوئی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ اس
میں انہوں نے اچھا سمیر نزع میں لکھا ہے کہ ۱۔

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الائمة النقا
یعنی یہ نوع علوم سے تابعین اور تبع تابعین کے ان ائمہ

ثقافت اور مشہورین کی معرفت کے بیان میں ہے جن کی حدیثیں از شرق تا مغرب محفوظ مذاکرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں۔ اور ان کی ذات اور ذکر سے مشرق سے مغرب تک تیز کر حاصل کیا ہے۔

المشہورین من التابعین واتباعهم ممن یجمع حدیثہم للحفظ وللمذاکرۃ والتبدل بہم ویندھرہم من الشرق الی الغرب الا
(ص ۲۴۰)

اور پھر آگے ص ۲۴۵ میں علم حدیث کے ان ائمہ ثقافت اور مشہورین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابتؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (المتوفی ۹۲۲ھ) اپنی کتاب معجم الرجال الحسان میں لکھتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہؒ نے حفاظ حدیث اور ان کے فضلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ حدیث کا بجزرت اہتمام نہ کرتے تو ہفتہ کے مسائل میں استنباط کا ملکہ ان کو کہاں سے حاصل ہوتا؟

كان أبو حنیفۃ من كبار حفاظ الحدیث و اعیانہم ولولا كثرة اعتنائہ بالحدیث ما تہتہ سالہ استنباط مسائل الفقہ الخ
(دیوانہ تاریخ الخلیفہ ص ۱۵۶) للعلامة الكوثری طبع مصر

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے روایتی اور درایتی کمال و تقصیر پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

اکثر ائمہ حدیث و فقہ جیسے امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ اور اسی طرح ازاعبی اور ثوری اور لیث بن سعدیہ حضرات اور اسی طرح ابو یوسف، صاحب ابی حنیفہ اور خود امام ابو حنیفہؒ کا بھی اس میں وہی مرتبہ ہے جو ان کے شاہانِ شان ہے لیکن ان میں سے بعض کو دونوں قسم کی امامت میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے اور بعض کو کسی ایک صنف کی معرفت میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے

واكثر ائمة الحدیث والفقہ كمالک والشافعی و احمد و اسحق بن راہویہ و ابی عبید و كذا لك الازاعبی والثوری واللیث ہؤلاء و كذا لك لابی یوسف صاحب ابی حنیفہ و لابی حنیفہ ایضاً مالہ من ذالک ولكن لبعضہم فی الامامة فی الصنفین مالیس للآخر و فی بعضہم من صنف المعرفة یا حد العتفین مالیس فی الآخر فرضی اللہ تعالیٰ عن جمیع اهل العلم والایمان و لتفنیص الاستخاتہ

المعروف بالرد على البكري - الله تعالى تمام اہل علم و ایمان سے

راضی ہو۔

(طبع مصر ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱)

عز فرمائیے کہ کس طرح حافظ ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کو ائمہ الحدیث

والفقہ میں شمار کیلئے ہے۔

امام خلیفہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ البرزلی الشافعیؒ (المتوفی بعد ۴۹۰ھ)

کہتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہؒ، عالم، خامل، نیک، زاہد، عابد اور
علوم شریعت کے امام تھے۔

فانه كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً
اماماً في علوم الشريعة. واحتمالاً ما يقرب من
تصنيف سنكس

امام ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ :-

اس باب کے پرہیز کرنا کہ تم یہ وہم کہنے لگو کہ امام ابو حنیفہؒ
کو فقہ کے بغیر اور کسی علم کی خبر تمام نہ تھی، احادیث
امام ابو حنیفہؒ علوم شریعہ، تفسیر حدیث اور علوم
اوریت اور قیاسی فنون میں بھر بیجاں اور ایسے امام
تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کے بعض
دشمنوں کا ان کے بارے میں اس کے خلاف کچھ کہنا
اس کا سبب محض حسد اور معاصرانہ چشمک اور جھوٹ
اور بہتان کی الزام تراشی ہے۔

احذران تتوهم من ذلك ان ابا حنيفة
لم يكن له خبرة تامة بغير الفقه حاشا لله
كان في العلوم الشرعية من التفسير والحديث
والاثر من العلوم الادبية وللقائمين بالحكمة
بحراً لا يجارى واماماً لا يارى وقول بعض
اعدائه فيه خلاف ذلك منشؤه الحسد و
حجته الترفع على القرآن وديميم بالنزوم
والبهتان اه (الحديث للسان ۲۵ طبع مصر)
اور دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ :-

علامہ ذہبیؒ وغیرو نے امام ابو حنیفہؒ کو حافظ حدیث
کے طبقہ میں لکھا ہے اور جس نے ان کے بارے میں یہ خیال
کیا کہ وہ حدیث میں کم شان رکھتے تھے تو اس کا یہ خیال
یا تو قابل پرہیزی ہے یا حسد پر۔

ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من
المحدثين ومن زعم قلته اعتنا به بالحديث
فهو اما المتساهل او حسده اه
(الحديث للسان ص ۲۵)

مؤرخ شہیر محقق کبیر زاہد العصر علامہ ابن خلدون اپنی بے نظیر اور لاجواب کتاب میں حضرت
 امام ابوحنیفہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ۱۔
 ویدل علی ابنہ من کبار المجتہدین فی علم
 امام ابوحنیفہ کے علم حدیث میں بڑے مجتہدین میں
 الحدیث اعتماد مذہبہ بینہم والتعویل
 سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر رُوًّا
 علیہ واعتبار رُوًّا وقبولہ ۱ھ
 وقرول اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہے۔

(مقدمہ ص ۲۶۵ طبع مصر)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ صرف محدث ہی نہیں
 بلکہ بعض اکابر ملت کے بیان کے مطابق من ائمة الحدیث اور بعض کے ذکر کے موافق من ائمة
 الثقات المشہورین اور بعض کے تذکرہ کے تحت من حفاظ الحدیث اور بعض کے ارشاد کے
 ملکہ امام لایماری اور بعض کے قول کے مناسب من کبار المجتہدین فی علم الحدیث
 اور بعض کے نزدیک من ائمة الحدیث والفقہ ہیں۔ ان تصریحات کو بھی دیکھ لیجئے اور
 غیر مقلدین حضرات کے ظلم صریح اور تحصیب مذہبی کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ مؤلف نتائج
 التعلیہ شرم و حیا کو لکھتے ہیں (اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اس کے
 افتراء و بہتان اور شہادت زور پر صاد کہہ رہے ہیں) کہ :-

۱۔ کیونکہ یہ قلم امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب کے نام
 کے ساتھ محدث یا امام فن حدیث کا لفظ لگانے نام بھی کتب تاریخ اسلام و رجال
 و طبقات میں موجود نہیں الٰہ (ص ۱۸۹)

یہ ہے غیر مقلدین حضرات کی دیانت اور خاندان ساز میٹنگ جس میں وہ مل جل کر مسئلہ
 اور آخری اور قطعی حقیقت کو طے کر رہے ہیں اور کتب تاریخ اسلام اور اسماء الرجال و طبقات
 کی ان بالاصریح اور واضح عبارات سے جہالت یا بیخانت کی وجہ سے کبوتر کی طرح آنکھیں
 بند کر رہے ہیں اور آپس میں کچھ ایسی سازش کر کے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے خلاف
 متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس قبیح گت کی قلمی نہیں کھولت اور نہ
 زبان اور قلم سے حق بات کہنے اور لکھنے پر اپنے کو آمادہ پاتا اور ذکر کرتا ہے۔ نتیجہ میں علمی

طور پر تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو مگر بایں ہمہ ان کے اہل حدیث ہونے میں کیا مجال ہے کہ کوئی فسق آئے؟ یا ان کو اس پر شرم ہی آتی ہو؟ اور یہ سب کثرتِ مشرک خدا تعالیٰ کے نیک بندوں سے عداوت کرنے اور ہوائے نفسانی پر چلنے کا، جب خوفِ خدا اور رضائے الہی ہی مفقود ہو جائے تو پھر ضمیر کس کام کا؟

پانی پانی کہ گئی مجھ کو قلف در کی یہ بات
جب جھکا تو غیب کے آگے نہ تیرا نہ من

حضرت امام ابوحنیفہ کی ثقاہت

عاجت تو نہیں کہ ہم ان مندرجہ بالا ٹھوس حوالجات کے ہوتے ہوئے جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو من ائمة الحدیث، من حفاظ الحدیث اور من ائمة الثقات المشہودین وغیرہ سنہری الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ ان کی ثقاہت الگ عرض کریں، مگر چونکہ بعض غیر معتقدین حضرات کے نزدیک از روئے تعصب یہ بھی ایک فزاعی اور اختلافی امر ہے اس لیے ہم اس پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت امام علی بن المدینی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وهو ثقة لا بأس به (جامع بیان العلم ج ۲) وہ ثقہ اور لا بأس بہ تھے
(۱۴۹) وتعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۲۳)

امام ابو زکریا یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ :-

البحیفة کان یصدق فی الحدیث؟ قال کیا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انہوں نے
نعم صدوق (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹) فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔

امام احمد بن محمد البغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا :-

فقال عدل ثقة ما نكثت بهن عدله تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ عادل وثقہ تھے جن کی تعیل
ابن المبارک وکعب (مناقب کردری ج ۱ ص ۱۱۱) امام عبداللہ بن المبارک اور وکیع بن الجراح

کہیں تم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟

امام یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے خدا کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ کہتے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ :-
 يقول يحيى بن معين وهو يسأل عن ابى حنيفة ثقة هو فى الحديث فقال نعم ثقة ثقة كان والله اروع من ان يكذب وهو اجل قدرا من ذلك الخ
 (مناقب يرفق ج ۱ ص ۱۹۲ واللفظ له ومناقب كبرى ص ۲۲۰)

امام خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ :-
 امام ابو حنیفہ ثقہ تھے وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو زیادہ ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

امام خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ :-
 كان ابو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا ما يحفظ ولا يحدث بما لا يحفظ -
 (تاريخ خطيب ج ۱ ص ۲۱۹ طبع مصر - ومقدمته تحفة الاحوذى ص ۸۱)

امام صالح بن محمد اسدی حضرت امام یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نقل کرتے ہیں کہ :-
 وقال صالح بن محمد الاسدي عن ابن معين كان ابو حنيفة ثقة فى الحديث رتهذيب التهذيب ج ۱ ص ۲۵ ومقدمة تحفة الاحوذى ص ۸۱

امام ابن حجر مکی حضرت یحییٰ بن معین سے یوں نقل کرتے ہیں کہ :-

امام ابو حنیفہ ثقہ اور حدیث میں ثقہ اور صدوق اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قابل اعتماد اور مومن تھے۔

كان ثقة صدوقا فى الفقه والحديث مامونا على دين الله - (الخصائص للسان ص ۱۸)

شیخ الاسلام ابن عبدالبر المالکی بطریق امام عبداللہ بن احمد الدورقی (المتوفی ۲۴۶ھ) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں بغدادی ج ۹ ص ۳۴۲ روایت کرتے ہیں کہ

شيخ الاسلام ابن عبد البر المالكي بطريق امام عبد الله بن احمد الدورقي (المتوفى ۲۴۶ هـ) امام دارقطني فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں بغدادی ج ۹ ص ۳۴۲ روایت کرتے ہیں کہ

امام یحییٰ بن معین سے حضرت امام ابو حنیفہ کے بارے

سئل يحيى بن معين وانا اسمع عن ابى

میں سوال کیا گیا اور میں من رہا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ تھے میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی ان کی تضعیف کی ہو اور یہ شعبہ بن الحجاج ہیں جو ان کی طرف لکھ رہے ہیں کہ وہ حدیث بیان کریں اور ان کو حکم دے رہے ہیں اور شعبہ تو آخر شعبہ ہیں۔

حَنِيفَةٌ فَقَالَ ثِقَةٌ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا
ضَعَّفَهُ هَذَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ يَكْتُبُ
إِلَيْهِ أَنْ يَحْدِثَ وَيَأْمُرُهُ وَشُعْبَةُ شُعْبَةُ
(الاستقاء ص ۱۲ طبع مصر والجواهر ص ۲۹)

اور امام ابن حجر مکی الشافعی لکھتے ہیں کہ :-

کہ امام یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی سے ان کی تضعیف نہیں سنی۔

وَسُئِلَ يَحْيَىٰ بْنُ مَعِينٍ عَنْهُ فَقَالَ ثِقَةٌ مَا
سَمِعْتُ أَحَدًا ضَعَّفَهُ إِلَيَّ
(الخيرات الحسان ص ۲۲)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکہ پوری لکھتے ہیں کہ امام ابن معین امام شعبہ اور امام سفیان ثوری تمام امام ابو حنیفہ کی توثیق کرتے ہیں۔ (محصلہ تحقیق الکلام ص ۱۳۰)

ناظرین! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام علی بن المدینی، عبداللہ بن المبارک، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن معین، شعبہ بن الحجاج اور سفیان بن سعید ثوری وغیرہ ائمہ حدیث اور ارباب علم و تدبیر حضرت امام ابو حنیفہ کی توثیق کرتے ہیں، اور حدیث میں ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین کے یہ الفاظ کہ ثقہ فی الحدیث آپ نے دیکھ ہی لیے ہیں بلکہ امام یحییٰ بن معین تو یہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک شخص سے بھی امام ابو حنیفہ کی تضعیف نہیں سنی۔ حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے زمانہ تک تو ان کی تضعیف کرنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ ہو سکا غیر مقلدین کی رائے میں وہ پھر بھی ضعیف ہی قرار پائیں بلکہ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ :-

”امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن نہایت متقی، پرہیزگار، دیانتدار اور فہم میں ماہر مگر محدثین کے ہاں جس قدر حافظہ کی ضرورت ہے بعض محدثین کے نزدیک

ان کا مقام اس سے نیچے ہے“ (ص ۲۴)

مقام شکر ہے کہ مؤلف مذکور نے ثقہ کا معنی مٹا تازہ نہیں کر دیا ورنہ ان کا کوئی کیا بگاڑ لیتا

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

”اس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابو حنیفہ کے ثقہ ہیں“ (بلفظ ص ۷۸)

مؤلف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب محدثین کسی کو ثقہ کہتے ہیں تو وہ اس سے ثقاہت فی الحدیث ہی مراد لیا کرتے ہیں نہ کہ پرہیزگار وغیرہ اور ثقہ فی الحدیث کی صرح قید موجود ہے اور بغیر کسی منعنت اور تعصب کے اور کسی نے امام صاحب کو سنی الحنفیہ نہیں کہا متعصب کی جس صرح کی مبسوط بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

مؤلف نتائج التقلید کا اندھا تعصب ملاحظہ کیجئے کہ علامہ بدر الدین عینی الحنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) نے امام یحییٰ بن معین کا یہ قول ماسمعت احداً ضعفه نقل کیا تھا تو اس پر یحییٰ پا اور خواہش نفسانی کے گھوٹے پر سوار ہو کر یوں لکھتا ہے کہ علامہ عینی نے یحییٰ بن معین پر یہ بالکل غلط اور سرسراہت بانڈھا ہے، ان کا یہ قول صحیح سند سے کتب اسرار الرجال میں نہیں پایا جاتا کیا امام صاحب کی تضعیف میں جو روایتیں بغدادی وغیرہ کے حوالہ سے مؤلف نتائج التقلید نے نقل کی ہیں ان کی اسانید صحیح ہیں؟ کاش وہ اسانید اور روایت پر بحث کرتا تو ہم بھی ان پر کچھ کلام کرتے اور امام صاحب کی توثیق کو راویوں کی توثیق سے عرض کرتے۔ صفحہ ۷۰ زیادہ سے زیادہ تاریخ بغداد و مصنفہ امام خطیب اور تذکرۃ الحفاظ میں یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں لا بأس بہ، لم یکن یتهم (تذکرۃ الحفاظ) لا بأس بہ، وکان لا یکذب (تاریخ بغداد خطیب) ہاں صرف ثقہ کا لفظ بھی تاریخ بغداد میں موجود ہے لیکن وہ حدیث میں ثقاہت کے متعلق نہیں بلکہ جھوٹ کے مقابلہ میں ہے الخ (بلفظ ص ۸)

پھر آگے لکھا ہے کہ :-

”امۃ محدثین کی کثیر جماعت سے امام ابو حنیفہ کی تضعیف ثابت ہے، جو کتب اسرار الرجال میں صرح اور نمایاں ہے۔ امام صاحب کی ثقاہت تو صرف جھوٹ کے مقابلہ میں قبول ہو سکتی ہے لیکن فن حدیث میں ان کی ثقاہت ثابت نہیں ہو سکی۔ پس عینی نے ماسمعت احداً ضعفه کے الفاظ جو یحییٰ بن معین کی طرف منسوب کیے ہیں یہ علامہ عینی کا یحییٰ بن معین پر سرسراہت افزار اور جھوٹا بہتان ہے جو تعصب کی ایجاد ہے (اعاذنا اللہ اعاذنا اللہ) نتائج التقلید ص ۱۸

آپ غور سے دیکھئے اور فرمائیے کہ غلط افتراء پر دوازہ جھوٹا مہمان تراشیں اور مقتصد کون ہے؟ آیا علامہ عینیؒ ہیں یا ثوقت نتائج التعلیق اور اس کے جلد مصدقین حضرات اور کیا امام بیہمیؒ بن معینؒ کا یہ قول علامہ عینیؒ نے اپنی طرف تراشبے یا شیخ الاسلام ابن عبدالبرہ وغیرہ کی کتابوں میں بھی نمایاں اور مصرح طور پر یہ موجود ہے؟

اور آپ باحوالہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ثقہ فی الحدیث کے نمایاں اور مصرح الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ نہ تو مطلقاً ثقہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور نہ جھوٹ کے مقابلہ میں ثقاہت اس سے مراد ہے۔ یہ صرف غیر مقلدین حضرات کے سوز مزاج کا کرشمہ ہے کہ وہ ان کی مسلمہ ثقاہت اور عدالت کو جھوٹ کے مقابلے میں ثقاہت پر حملہ کرنے کے لئے دل ماؤف کے لیے تسکین کا سامان عتیا کرتے ہیں مگر آخر تا کے یہ

آمار سحر کے پیدا ہیں اب رات کلباؤ ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

حدیث میں احتیاط

روایت اور حدیث کے بارے میں جس قدر احتیاط کی ضرورت ہے وہ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درجہ اول میں متواتر حدیث من کذب علی متعذراً الحدیث کے الفاظ سے آئی ہے، اس لیے محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں تاکہ کوئی غلط قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے روایت حدیث کے بارے میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام بیہمیؒ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے خط سے لکھی ہوئی حدیث پائے لیکن وہ اُسے یاد نہیں تو وہ کیا کرے، امام ابوہریرہؒ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے تھے کہ وہ اس کو بیان کرنے

انہ سئل عن الرجل يجد الحديث بخطه
لا يحفظه فقال ابوزكريا كان ابوحنيفة
يقول لا يحدث الا بما يعرف ويحفظ -

(کنز الدقائق، طبع حیدرآباد دکن)

کا مجاز نہیں ہے وہ صرف وہی حدیث بیان کر
سکتا ہے جو اسے یاد ہو۔

امام عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ
عنان ابو حنیفۃ شدید الیخذ للعلم ذابا
من حرم اللہ ان تستحل یلخذ بما صعب من العمل
لحقی کانت یعملها الثقات و بالآخر من فعل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبما ادرك علیہ
علماء الکوفة ثم شنع علیہ قوم یغفر اللہ لنا
ولہم -
(الانتقاء لابن عبد البر ۱۴۲ طبع مصر)

امام ابو حنیفہ علم کے حامل کہنے میں بڑے سخت محتاط
اور حدودِ الہی کی بے حرمتی پر بچہ برداشت کرنے والے
تھے اور وہ صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ
راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور
اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کو ذکر و عامل پایا ہوتا تھا
مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے
اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

اس سے جہاں امام سفیان ثوری کی زبان سے امام صاحب کا محتاط فی الحدیث ہونا ثابت
ہوتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب پر طعن و تشنیع کو وہ گناہ سمجھتے
تھے بھی تو یغفر اللہ لنا ولہم سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔
امام حاکم اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے
فرمایا کہ :-

عن ابی حنیفۃ انه قال لا یعمل للمجل ان
یروی الحدیث الا اذا سمعہ من قم الحدیث
فی حفظہ ثم یحدث بہ۔
(مدخل فی اصول الحدیث ص ۱۵)

امام ابو حنیفہ نے یہ فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز
نہیں کہ وہ کوئی حدیث بیان کرے تا وقتیکہ حدیث
سے بالمشافروہ حدیث نہ سنے اور پھر وہ اسے اُس
وقت تک یاد ہے جس وقت کہ وہ اس کو بیان کئے۔

امام ابو یوسف کا یہ مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ حافظ قرشی نے بھی نقل کیا ہے۔
(ملاحظہ ہو الجواب المضمیہ ج ۱ ص ۲۵۰)

مشہور محدث امام علی بن الجعد (المتوفی ۲۳۰ھ جو الحافظ الثبت السند اور شیخ بغداد

تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۳۶۱) فرماتے ہیں کہ وہ

ابو حنیفہؒ اذاجاد بالحدیث جاد بہ
مثل المدّر (جامع المسانید ج ۲ ص ۳۰۴)
امام ابو حنیفہؒ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی
طرح چمکدار ہوتی ہے۔

امام وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۶ھ) جو الامام، المحافظ الثبت اور محدث العراق
تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲) فرماتے ہیں کہ :-

لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث
مالی یوجد عن غیرہ (مناقب الامم ص ۱۹۵)
بلاشبہ امام ابو حنیفہؒ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے
جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

علامہ القرطبی نے امام صاحبؒ سے روایت حدیث کی ایک کڑی شرط یہ بھی نقل کی ہے کہ :-
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک روایت حدیث کے
شرط جواز روایۃ الحدیث عند ابی حنیفۃ
رضی اللہ عنہ ان الراوی لعینس الحدیث
من حین حفظہ الی وقت الروایۃ -
(الجواهر ج ۱ ص ۳۹۱)
یاور کی ہو اس وقت تک درمیان میں اسے روایت
بھولی نہ ہو۔

اور یہی مضمون امام ابن حجرؒ نے تھوڑے بہت تغیر الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو الخیرات الحسان ص ۶۰ طبع مصر)

امام عبد الوہاب شحرانی (المتوفی ۹۶۳ھ) جن کے بارے میں مولانا میر سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں
کہ آپ شافعی تھے لیکن بہت متادب تھے۔ حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۵) امام ابو حنیفہؒ کی
ایک اور شرط بھی لکھتے ہیں کہ :-

وقد کان الامام ابو حنیفۃ یشترط فی
الحدیث المنقول عن رسول اللہ ﷺ
قبل العلل بہ ان یرویہ عن ذالک المعالی
جیع القیام عن مثلہم وھکذا
(میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۲ - طبع مصر)
جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو
اس میں امام ابو حنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ عمل سے
پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے
صحابی تک پر ہیزگاروں کی ایک خاص جماعت سے
نقل کرتی ہو پھر وہ قابل عمل ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) تشدید روایت کے بارے میں حضرت امام

ابوصنیفہ کا مذہب اور اے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل
على اختلافه ففعل الرواة في التصحيح
من يوصف باللفظ لا يبلغون التمسك
اور یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف تسرار
پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری اور مسلم کے
ان روایات کی تعداد جو شرط مذکور پر پورے اُترتے
ہوں نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔

(تدريبات الراوي ص ۱۶)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوصنیفہ کی شرط امام بخاری اور امام مسلم کی ظنون
سے بھی زیادہ کڑی ہے۔ اگرچہ جمہور محدثین اس شرط میں امام موصوف کا ساتھ نہیں دیتے مگر
چونکہ علم حدیث میں بھی وہ کبار مجتہدین میں تھے اس لیے دیا نہ اپنے اجتہاد کے پیش نظر
انہوں نے یہ شرط لگائی ہے اور اس شرط لگانے میں ان پر کوئی ظن نہیں ہو سکتا جس طرح کہ
حضرت امام بخاری نے امکان لقاہ کو درخور اعتقاد نہیں سمجھا بلکہ حقیقت لقاہ کی شرط لگائی
ہے، اگرچہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہوئی ہو تاکہ تدلیس و غشہ کا شبہ باقی نہ رہے مگر جمہور محدثین نے
جس میں خصوصیت کے ساتھ امام مسلم پیش پیش ہیں، ان کی خوب تردید کی ہے (دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم
وغیرہ) اور جمہور نے ان کا ساتھ بالکل نہیں دیا، اور جیسا کہ امام بخاری اور امام ابن العربی حسن حدیث پر
عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں۔ قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ :-
والحق ما قاله الجمهور (سنیل الاوطار صحیح جمہور کے ساتھ ہے۔

ج ۱ ص ۲۲ طبع مصر)

اہل علم جانتے ہی ہیں کہ عمل کے لیے صرف حدیث صحیح پر وارد مدار رکھنے سے حسن قسم
کی تمام حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے، اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جو حسن میں۔ امام عجمی مشہور محدث
حماد بن سلمہ (المتوفی سنہ ۱۶۷ھ جو الامام الحافظ اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۹)
کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

ثقة رجل صالح حسن الحديث فقال ان
عنده الف حديث حسن ليس عند غيره
وحوالہ التذیب التذیب جلد ۲ ص ۱۵۱)
وہ ثقہ مرد صالح اور حسن الحدیث ہیں اور نہ مایاکہ
ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی
کے پاس نہیں ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ جب ایک محدث کے پاس ایک ہزار حسن حدیث ہے تو اوروں کے پاس کتنی حسن حدیثیں ہوں گی۔ تو کیا اب یہ پریسیگنڈا شروع کر دیا جائے اور اس پر کتا میں اور سارے لکھنے شروع کر دینے چاہئیں کہ حضرت امام بخاریؒ کم از کم ایک ہزار حدیث کے مستحق ہیں؟ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں؟ وغیرہ وغیرہ حاشا۔ وکلا کہ کسی اہل علم کے دل میں یہ وہم بھی گزرتا ہو۔ وہ یہی سمجھے گا اور سمجھتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ فن حدیث کے مجتہد ہیں، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جو شرطیں قبولیت روایت اور جواز عمل کے لیے لگائی ہیں، ان میں نہ صرف وہ محذور بلکہ ماحور بھی ہیں۔ اسی طرح اگر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کے ہمیشہ نظر قبولیت روایت کے لیے کچھ شرطیں عائد کی ہیں اور جن احادیث میں ان کے خیال کے مطابق وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں تو انہوں نے ان کو نہیں لیا، بتائیے کہ ان کے اس ترک کی وجہ سے بھلا وہ کیونکر تارک حدیث یا مخالف حدیث قرار دیے جاتیں گے کون عقلمند اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جمہور ان کی عائد کردہ شرطوں میں ان کے ساتھ مناقشہ کر سکتے ہیں اور ان کی بات کو دلائل کے ساتھ رد کر سکتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کی حقیقت بقا اور عدم جواز العمل بالحدیث الحسن کی رائے کو چھوڑنے رد کیا ہے مگر ان کو دشمن اسلام اور مخالف حدیث وغیرہ کے القاب سے بھی تو کسی بھلے مانس نے موصوم نہیں کیا لیکن جب باری آتی ہے امام ابو حنیفہؒ کی اور ان کے اصحاب کی تو پھر حسن ظنی کے تمام دروازے بند کر لیے جاتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی

زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مولانا مبارک پوری صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”حدیث کی (قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہؒ

نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۱)

اس سے بڑھ کر امام ابو حنیفہؒ کا علم حدیث و روایت میں حزم و احتیاط کا اور کیا ثبوت

پیش کیا جاسکتا ہے؟ مگر نہ ملنے والوں کے لیے دفتر کے دفتر بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں

کے لیے ایک صحیح بات بھی کافی ہے۔

تشنہ کا مان حقیقت کی تسلی کے لیے
گر نہیں بحرِ رواں اک قطرِ شبنم ہے بس

احقر ام حدیث و حجت محمدین

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور محدثین کرام کے ساتھ محبت کرنا ایک کھلی حقیقت ہے، اور بغیر کسی معاذ کے اد کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ امام نصر بن محمد مروزی (المتوفی ۱۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ:-

لما رأی رجلاً النزم لداثر من ابی حنیفة
جم ہلنے والا اور ڈٹ ہلنے والا نہیں دیکھا
(المجاہد المفسیہ ج ۲ ص ۱۷۱)

امام الحسن بن صالح بن حنی (المتوفی ۱۶۷ھ) جو الامام، القدوة الفقیہ اور العابد تھے امام ابوہاشم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ اور متقن تھے۔ (ج ۱ تذکرہ ص ۱۷۱) فرماتے ہیں کہ:-

كان النعمان بن ثابت فہما عالماً متثبتاً فی
ابوحنیفہ نعمان بن ثابت فہیم، عالم اور علم میں محنت تھے۔
علمہ اذا صمد عنہ الخبر عن رسول اللہ صلی
جب ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث
اللہ علیہ وسلم لہ یعدہ الی غیرہ۔
صحیح ثابت ہوتی تو اس سے غیر کی طرف وہ تجاوز
نہ کرتے تھے۔
(الانتقاد ص ۲۵۵ و تائید الخطیب ص ۱۵۷)

حضرت امام محمد اوی الحنفی (المتوفی ۲۴۱ھ) سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلہ میں ایک شخص سے بحث کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں:-

فسکت ابوحنیفۃ فقال بعض اصحابہ
ابوحنیفہ خاموش ہو گئے، ان کے بعض اصحاب نے
الوجیبیۃ یا اباحنیفۃ فقال بما حبیبہ و
کہا کہ ابوحنیفہ آپ اس کو کیوں جواب نہیں دیتے؟
ہو عید ثنی بہذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
انہوں نے فرمایا کہ وہ تو مجھ سے جناب رسول اللہ صلی
وسلم۔ (شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۲۸۱)
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہے میں اس
طبع مکہ مکرمہ)
کو کیا جواب دوں؟

اس واقعہ کو مولانا امیر صاحب سیالکوٹیؒ بھی نقل کرتے ہیں اور آگے ارشاد فرماتے

ہیں کہ :-

”امام طاہریؒ کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم کرتے تھے، اس کے سونے کس طرح گزراں جھکا دیتے تھے۔“ الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۵)

علامہ خطیبؒ اور صدر الائمہؒ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ بغداد کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتے تھے اور اس سے ساز و سامان خرید کر کوفہ لاتے تھے اور اس سے جو کچھ بھی سالانہ لفع ہوتا تھا۔

فیشتری بہا حوائج الشیخ من الختین سو اس سے وہ اشئین محتثین کی ضرورت یا کی چیزیں ان
واقواتہم وکسو تہم وجمع حوائجہم۔ کی خوراک لباس اور تمام ضرورت کی چیزیں خرید کر ان
کر دے دیتے تھے۔

اور اس کے علاوہ نقد رقم بھی ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم ان رقم کو اپنی حاجات میں صرف کرو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثنا بیان کرو کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس کو میں تمہیں دے کر بکدوش ہوا ہوں۔“

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۱۱ و مناقب موفی ج ۱ ص ۲۶۱)

اور امام صدر الائمہؒ کی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ :-

وما کان یدع احدًا من المحدثین الا بئہ امام ابوحنیفہؒ محدثین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ
بئذ واسعًا و مناقبہ فی ہر اصحابہ طبع حید آباد کن چھوڑتے تھے جس کے ساتھ وسیع پیمانے میں عطیہ
اور حسن سلوک سے نہ پیش آتے۔

ان اقتباسات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حدیث اور محدثین سے والہانہ عشق و محبت اور
فریفتگی بالکل عیاں اور آشکارا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ :-

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے
کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

قلبِ حدیث کا الزام

آپ نے گزشتہ اقتباس سے یہ تو اندازہ کر ہی لیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا علم حدیث اور فنِ روایت میں کیا رتبہ اور مقام ہے؟ اور محدثین کرام نے ان کے بارے میں اس فن کے سلسلہ میں کیا کیا تعریفی اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں؟ مگر انتہائی حیرت اور بے حد حسرت کی بات ہے کہ بایں ہمہ حضرت موصوف پر قدیم و جدیداً جو الزامات تراشے اور تھوپے گئے ہیں ان میں ایک ان کے قلیل الحدیث ہونے کا بھی ہے حتیٰ کہ ان کو یتیم فی الحدیث کے لقب بلکہ تیرسے بھی زخمی کیا گیا ہے اور یہاں تک ان کی ناکہ بندی کے متعصبانہ منصوبے تیار کئے گئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ ان کو صرف سترہ حدیثیں معلوم تھیں اور اس کے اثبات کیلئے ان لوگوں نے مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون کے ایک نامکمل حوالہ کے دامن میں پناہ ڈھونڈی ہے جس کو وہ خود بھی یقال کے ساتھ نقل کر کے اس کی تضعیف و تمویض بیان کر رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کا مکمل حوالہ عرض کر دیں تاکہ سلیم القلب اور منصف مزاج حضرات اصل حقیقت کو دیکھ لیں۔

علامہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

اور تو یہ بھی جان لے کہ ائمہ مجتہدین حدیث کے فن میں متفاوت ہے ہیں کسی نے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں اور کسی نے کم، سو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف سترہ یا ان کے لگ بھگ ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ سے جو روایتیں ان کے ہاں صحیح ہیں وہ وہی ہیں جو مؤطا میں صحیح ہیں جن کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مسند میں پچاس ہزار حدیثیں ہیں اور ہر ایک سائے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس میں سعی کی ہے اور بعض بعض

واعلم ایضا ان الأئمة المجتہدین تفاوتوا فی الأکثر من هذه الصناعة واول قلیل فابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال بلغت لایتہ الی سبعة عشر حدیثا ونحوها وما لک رحمۃ اللہ تعالیٰ انما صمدہ ما فی کتاب المؤطا وغایتہا ثلاث مائۃ حدیث ونحوها واحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ خمسون الف حدیث ولعل ما اداہ الیہ اجتہادہ فی ذلک وقد تقول بعض المبعضین المتعصبین الی ان منہم من کان قلیل

البضاعة في الحديث فلهذا اقلت روايته
فلا سبيل الى هذا المعتقد في كبار الائمة
(مقدم ابن خلدون ص ۳۳۳ طبع مصر)

اور کجروی اختیار کرنے والوں نے اس جھوٹ پر کمر باندھ
لی ہے کہ ان ائمہ مجتہدین میں سے جن سے کم حدیث
مروی ہیں وہ محض اس لیے کہ ان کا سرمایہ ہی اس
فن میں اتنا ہے، لہذا ان کی روایتیں بھی کم ہیں
حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا
خیال کرنا اور راستے دور ہے۔

غور فرمائیے کہ علامہ ابن خلدون کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کس طرح ان مبغضین اور متعصبین کے
تقول اور جھوٹ کا پول کھول دیا ہے، اور کس طرح ان کے زعم باطل اور ائمہ مجتہدین کے بارے
میں غلط روی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان اکابر ائمہ کے بارے میں
قلیل البضاعة في الحديث کا نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور ایسا بے بنیاد نظریہ
جو ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ تقول اور جھوٹ ہے۔

الحافظ محمد بن يوسف الصالحی الشافعی فرماتے ہیں کہ :-

وانما اقلت الرواية عنه وان كان متع
المحفظ لا اشتغاله بالاستنباط وكذا ذلك
لغيره وعن مالك والشافعي والقليل
بالنسبة الى ما سمعاه
امام ابو حنيفة سے باوجود کتب المحفظ اور حافظ
حدیث ہونے کے روایتیں اس لیے کم مروی ہیں
کہ وہ استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے جیسا کہ امام
مالک اور امام شافعی سے ان کی سنتی ہونی حدیثوں
کی نسبت ان کی روایتیں کم ہیں۔

پھر اس بات کو مثال کے کر لیوں واضح اور آشکارا کرتے ہیں کہ :-

كما قلت رواية امثال ابى بكر وعمر بن
كبار الصحابة رضى الله تعالى عنهم بالنسبة
الى كثرة اطلاعهم وقد كثرت رواية
من دونهم بالنسبة اليهم اه
جس طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جیسے اکابر
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں ان کے
علم اور اطلاع کی نسبت کم ہیں حالانکہ ان سے کم
مرتبہ کے صحابہ کی روایتیں ان سے بدرجہا
زیادہ ہیں۔

(محمود ایمان باب ۲۳ بحوالہ تاریخ الخلفاء ص ۱۵۶ طبع مصر)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ۹۰ھ میں سفر حج کے علاوہ اور کوئی قابل قدر موقع اور سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں حضرت ابو بکرؓ جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کہیں الگ اور جدا رہے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر حدیثیں اور کس کو معلوم تھیں؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی وکان البویک راعلنا (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۴۶) کہتے پر مجبور ہیں مگر بائیں عمر ان سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے برعکس حضرت ابو ہریرہؓ بالذاتی ۳۰۰۰ میں مُلمان ہوئے ہیں مگر وہ ۴، ۵۳، ۵۴ روایتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہ نسبت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ حضرت ابوسعیدؓ الخدریؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت کم حدیثیں مروی ہیں تو کیا اب یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ حضرات صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ بڑے محدث اور حدیث دان تھے؟ کوئی بھی مُلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بھی اگر روایتیں کم مروی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ فن حدیث میں کم مایہ تھے بلکہ وہ باوجود حافظہ حدیث ہونے کے مستنبط مسائل میں مصروف رہے، اس لیے روایتیں ان کی کم ہیں جس طرح کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی باوجود محدثِ کامل ہونے کے روایتیں کم ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کے پاس بضاعت حدیث ہی اس قدر ہے۔ حاشا وکلاً کہ کوئی مُلمان اس کا وہم بھی کر سکتا ہو اور ہم نے پہلے یہ بھی عرض کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی اعلیٰ کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں موجود ہیں اور کتاب الآثار انہوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ پھر ان پر قلت حدیث کا الزام کس طرح عائد کیا جاسکتا ہے؟

مقام افسوس ہے کہ حقیقت الفحہ حصہ سوم ص ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بے شک ایک مُسلم اور محتاط، ذکی الفہم عابد زاہد متقی، پرہیزگار تھے لیکن علم حدیث میں کہ جس پر بیشتر مدار دین کلبہ، ائمہ ثلاثہ یا دیگر خواص علماء اہل سنت سے کمتر یا یہ رکھتے ہیں اور آپ زیادہ تر اقوال شیوخ خود سے مسائل استنباط کرتے تھے اسی وجہ سے امام اہل الریح کے مشورے نے اہل حدیث کے : (انتہی لفظہم) سبحان اللہ! ع

بریں عقل و دانش بیاید گریست

غلطی کا سبب

اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثین نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں ان کی حدیثیں بہ نسبت ان حضرات کے جنہوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے کم ہی رہی ہیں یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلم نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لیے لگائی ہیں وہ خود انہوں نے دوسری کتابوں کے لیے اور اسی طرح دیگر محدثین نے وہ شرطیں عام نہیں کیں بنا بریں صحیحین کے علاوہ روایت حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکمؒ ہی دیکھ لیں جو امام حاکم نے بزرگم خویش حضرت شیخینؒ کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انہوں نے بعض نرمی موضوع اور جلی روایتوں کو بھی علی شرطاً شیخین صحیح کہہ دیا ہے۔ حدیث کے جزلے غیر سے علامہ ذہبیؒ کو جنہوں نے ان کا تعاقب کر کے علماء کو صحیح راستہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقیؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ، حافظ دارقطنیؒ اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو اہم نشر ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ حجة الله البالغة اور عجالة نافعہ وغیرہ میں اسکی محقق بحت ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ متاخرین میں خطیب قطلانیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ مس بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت ہنڈاں رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انہوں نے تصحیح اور تحمیل کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطیؒ تو بعض بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرامؒ کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو کہتے ہیں تنکول کاہل اور بیشتر انہی کی کتابوں سے مبتدعین مداری کی پٹاری کی طرح مفید مطلب جو عقیدہ اور عمل چاہتے ہیں، نکال لیتے ہیں اور حوالہ پر حوالہ دیتے پتلے جاتے ہیں اور عوام الناس موٹی موٹی کت ابوں اور بیان کنندگان کے جہوں اور گنبد نما عاموں کو دیکھ کر مغالطہ کھا جاتے ہیں اور اہل حق سے بڑے بڑے بیکار نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایذا رسانی کے درپے بھی ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات

ایسا کر بھی چکے ہیں کیونکہ

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں ہے

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں
سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے، یہ دعویٰ بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے، ان کتابوں
میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں۔ ان کی اساس صحیح ہے اور محدثین کرام
نے ان کو صحیح کہا ہے اور اہمت کا ان پر اعتماد اور عمل ہے۔ بل ان کتب کی سب احادیث
کی صحت کا دعویٰ باطل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ امکان لغادرہ پر اکتفا نہیں فرماتے
اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ ہے گا
ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا نطق وسیع ہو گا اور اسی قدر
ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی روایت حدیث کے لیے
نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں، اس لیے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات
کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کو قلیل الروایہ کہا
جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں نہ یہ کہ وہ فی نفسہ
قن روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعتہ ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو علامہ ابن خلدونؒ ہی سے
سن لیجئے وہ فرماتے ہیں کہ :-

اور امام ابوحنیفہؒ کی روایتیں اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے
روایت اور اس کے نقل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں
اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب تک
اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو نہ جاتی
ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں
کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لیے کہ انہوں نے جان بوجھ

والامام ابوحنیفۃ انتہا قلت روایتہ لما
شدت فی شروط الترویۃ والتحمل ومنعت
روایۃ الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل
النفسی وقلت من اجلها روایتہ
فقل حدیثہ لانه تملک روایۃ الحدیث
متعمداً لما شاہ من ذلك ویدل

علیٰ انہ من صبار المجتہدین فی
 علم الحدیث اھ
 (مقدمہ صفحہ ۴۵)

کہ روایت حدیث کو ترک کر دیا ہے، ان کی ذات
 اس سے بہت بلند ہے اور ان کے کبار مجتہدین فی علم
 الحدیث ہونے کی یہ دلیل ہے (کہ رواد قبول ان کے مذہب
 پر اعتبار کیا گیا ہے)۔

اس سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے
 کہ باوجود ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کے ان کی روایتیں اس بنا پر کم ہیں کہ ان
 کی روایت حدیث کے بارے میں شرطیں بڑی کڑی ہیں نہ اس لیے کہ وہ حدیث کا علم نہیں
 رکھتے یا عمداً اس کو ترک کرتے ہیں مخاشا عن ذالک۔

نہایت تعجب ہے کہ بعض ایسے حضرات جو قلت حدیث کی اس اصطلاح کو نہ
 سمجھتے ہوتے امام ابو حنیفہؒ کو سرے سے محدثین کرامؒ کے دائرہ ہی سے نکال باہر کرنے کا
 اوصار کھاتے بیٹھے ہیں۔ جب ایسے ہی الفاظ دیگر اکابر علماء اُمت کی نسبت آتے ہیں تو
 وہاں وہ استینین چڑھا کر تاویلات کے تھیلے میں جواب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور امام
 ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں صریح اقوال کو بھی جو موتوں کی
 چمک ہے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

عقدت جلیل امام ابو قتادہؒ (المتوفی ۲۴۷ھ جو حافظ الاوصد تھے، تذکرہ ۲ ص ۱۰، امام
 نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور مامون تھے، ایضاً ص ۱۰) سے حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ
 امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابو عبیدہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان کی آپس میں علمی طور
 پر کیا نسبت ہے؟

فقال اما افہمہم فالشافعی الا انہ قلیل
 الحدیث (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۰)

تو انہوں نے فرمایا کہ ان تمام حضرات میں زیادہ فہم کے
 مالک تھے امام شافعیؒ ہیں مگر میں وہ قلیل الحدیث۔

اس حوالہ کے پیش نظر کیا ہم سچ سچ یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضرت امام شافعیؒ حدیث
 کے علم میں بے مایہ تھے؟ اور ان کو حدیث کے فن میں مہارت ہی نہ تھی؟ حاشا وکلاہم
 یہی کہیں گے کہ اگرچہ ان سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی طرح بکثرت حدیثیں تو مروی

نہیں اور نہ مسند احمد کی طرح انہوں نے سچاس ہزار حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے چھوڑا ہے بلکہ حدیث کے علم میں متقل طور پر انہوں نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔ مسند شافعی اس کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ وہ ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم (المتوفی سنہ ۲۳۶ھ جو الامام الشافعی اور محدث المشرق تھے، تذکرہ ج ۳ ص ۴۳) نے کتاب الام اور مبسوط وغیرہ کتب امام شافعی سے احادیث کا انتخاب کر کے ابو جعفر محمد بن مطر نیشاپوری سے لکھوائی (ملاحظہ ہو کتاب التمهید ص ۲۵۷ و ۲۵۸ مطبوعہ مجتہبائی دہلی) مگر بایں ہمہ وہ چوٹی کے محدث اور استاد الحدیث ہیں اور اسی طرح امام الجرح والتعديل امام ابو حاتم الرازی (المتوفی سنہ ۲۴۵ھ جو الحافظ الامام اور علامہ تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۵) کے اس ارشاد سے بھی ہم متاثر ہو کر ہرگز ہم ان کی شان کو گھٹانے پر آمادہ نہیں کہ:-

كان الشافعي فقيهاً ولو تمكن له معرفة
بالحدیث (بفتح الحاء بدمية لابن ابی یعلیٰ) نہ تھی۔

اگر حضرت امام شافعی کو حدیث کی معرفت نہ تھی تو اور کس کو تھی؟ اور امام احمد بن عبد اللہ اعلیٰ کا یہ قول بھی ہمارے نزدیک قابل تاویل ہے جو انہوں نے حضرت امام شافعی کے بارے میں فرمایا کہ:-

هو ثقة صاحب رأي وعلام ليس عنده
حدیث (الدریاج الذہبی لابن فرحان طبع مصر) پاس حدیث نہ تھی۔

کیا ہم اس حوالہ کے پیش نظر امام شافعی کو صاحب رائے کہہ کر محدثین کے برابر ٹھہرا کر دیں اور اصحاب رائے کی مذمت میں جو احادیث اور اقوال علماء آئے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے ان پر چسپاں کر دیں؟ حاشا وکلا کہ یہ وہم بھی ہمارے دل میں گزرتا ہو۔ ہم ان تمام امور کے صحیح محال بیان کر کے سب علماء حق سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور بدگمانی اور سوڈن کو قریب بھی نہیں آنے دیتے اور ان حوالجات سے بڑھ کر شیخ الاسلام ابو عمر بن عبد البر کا ایک حوالہ اور بھی ملاحظہ کر لیجئے:-

وقیل له، والشافعی کان یکذب؟ قال ما
 احب حدیثه ولا ذکراه۔
 (جامع بیان العلم ۲ ص ۱۴۹)

کہ امام بیہقی بن معین سے سوال کیا گیا، کیا امام شافعی
 بھوٹا بولتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ تو
 ان کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان کے
 ذکر کو۔

یہی بات کیا نکل آئی کہ حضرت امام شافعی کی حدیث تو رہی درکنار، ان کے نام و ذکر کو بھی
 امام بیہقی بن معین پسند نہیں کرتے۔ یہ کسی معمولی آدمی کی نہیں امام الجراح والتعدیل اور ستید الحفاظ
 کی بات ہے لیکن ہم ایسی باتوں کو پرکھنا کہ حدیث بھی نہیں دیتے، جو کلام الاقران بعنہم فی
 بغض یا بغض و حسد اور تعصب مذہبی اور بعد زمانہ اور غلط کار لوگوں کے بے جا پروپیگنڈا وغیرہ سے
 متاثر ہو کر صادر ہوئی ہوں یا کسی بے دین نے وضع کر کے ان کے ذمہ تھوپ دی ہوں۔ ہم نے
 یہ حوالجات محض اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات ان سے عبرت حاصل
 کریں اور حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں اگر کسی کا کوئی قول اور جرح ایسی
 نظر آئے تو انصاف و دیانت کو ملحوظ رکھ کر اس کا کوئی اچھا عمل تلاش کریں اور تعصب مذہبی
 بغض و کینہ اور حسد کی بددو دار گٹھڑی ہی سر پر نہ اٹھائے پھر اس اور نہ خدام اسلام کو بدنام کرنے کی
 سعی کریں کیونکہ

کوئی حملہ بھی طوفان کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
 مٹیا جو نئے ساحل پہ ہر موج رواں کھلے

حضرت امام ابو حنیفہ پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام

امام موصوف پر جمال اور بہت سب سے بنیاد الزام تراشی اور عائد کئے گئے ہیں وہاں ایک
 یہ سنگین الزام بھی تھوپا گیا ہے کہ ان سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت امام
 بخاری نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح علامہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ دونوں
 نے نفع بن حماد کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام سفیان ثوری کو جب امام ابو حنیفہ کی
 وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کہ الحمد للہ کہ وہ مر گیا، وہ تو اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک حلقہ
 توڑا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بد بخت کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (تاریخ صغیر امام بخاری ص ۱۸ طبع الدہ آباد

و تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۲۹۸ طبع مصر

الجواب: نعیم بن حماد پر کتب اسرار الرجال میں اچھی خاصی جرح موجود ہے کہ :-

كان (نعیم بن حماد) يضع الحديث في
 لقوية السنة وحكايات مزودة في
 ثلب نعمان كلها كذب -
 نبأنا کہ پیش کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۶۳۶)

حضرت مولانا میر صاحب سیالکوٹی نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب
 ترغیب و ترہیب اور (سبط ابن العجمی ابراہیم بن الخلیل المتوفی ۸۴۱ھ کی کتاب) نہایت
 السؤل فی رواة السنة الامول وغیرہ کے متعدد حوالجات سے نعیم پر کڑی جرح نقل کی ہے اور
 طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ :-

• خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت
 امام ابوحنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ناقد الرجال
 امام عظیم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر البدریہ میں آپ کی نہایت تعریف کرتے
 ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں :- احد الانتمۃ الاسلام والسادة الاعلام واحد الارکان
 العلماء واحد الانتمۃ الاربعۃ اصحاب المذاهب المتبوعۃ الخ

(تاریخ اہل حدیث ص ۶۷)

اور حضرت امام بخاری نے تاریخ صغیر کا درجہ اور مقام بتاتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے

ہیں کہ :-

• اور یہ بھی یاد ہے کہ بخاری نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کتب میں صحت

کا التزام نہیں کیا الخ (تاریخ اہل حدیث ص ۷۷)

ان ٹھوس اور معنی خیز حوالجات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہ
 کو (معاذ اللہ) دشمن اسلام اور اسلام کی گھنڈی گھنڈی توڑنے والا ثابت کرنے پر رضد ہے
 تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں اور نہ ایسے تھکب اور عناد کا دنیا میں کبھی کوئی علاج

ہوا ہی ہے۔ اس کا علاج تو عالمِ آخرت ہی میں ہو سکے گا جس وقت **لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ**۔ یہ بات بھی عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ نعیم بن حمارؓ اہل سنت والجماعت کے مسلک حق کے خلاف تشرآن کو مخلوق کہتے تھے اور حکومتِ وقت کی بے راہ روی سے وہ بھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اسی قید اور حبس کے زمانہ کے بارے میں علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ:-

فَجَرَّ بِاِقْيَادِهِ فَاَلْتَقَى فِي حَفْرَةٍ وَلَمْ يَكُنْ
وَلَمْ يَصِلْ عَلَيْهِ فَعَلْ ذَالِكْ بِهٖ حَسْبُ
ابن ابی داؤد۔ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۱۷)

ان کو ہتھکڑیوں کے ساتھ صاحبِ ابن ابی داؤد کے حکم سے
کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، تو ان کو کفنِ نصیب
ہوا اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔

اور ہمارے خیال میں یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہی کا نتیجہ تھا کہ نمازِ جنازہ
سبک سے محروم ہے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت کے سایہ
میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد عبدالمتان صاحب (المتوفی ۱۳۳۲ھ) وزیر آبادی کے حالات
میں مولانا میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

”آپ امہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کو فرمایا کرتے تھے کہ
جو شخص امہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے اُس کا خاتمہ اچھا
نہیں ہوتا۔“ (مفہم تاریخ اہل حدیث ص ۲۲۷)

مولوی عبد اللہ صاحب چکڑا لوی جو مشہور غیر مقلد عالم اور جامع مسجد چینی نوالی لاہور کے
خطیب تھے، وہ بعض دیگر امہ دین اور اولیاء اللہ کی توہین کے علاوہ خصوصاً یہ کہا کرتے تھے
کہ امام ابوحنیفہؒ ان تمام فتنوں کا دروازہ ہے جس کی اندھی تقلید نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے مگر اس پر
ایسی رحمت پڑی کہ وہ سب سے علمِ حدیث ہی کا منکر ہو گیا اور اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک جدید سنگ
مسلک اور تباہ کن مذہب ایجاد کر گیا۔ غالباً ایسے موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ سچ
”دلی کے مٹے سے جو نکلی تھی بات ہو کے ہی“

حضرت مولانا میر سبالکوثیؒ (المتوفی ۱۳۷۵ھ) کا چشم دید واقعہ
کسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میرؒ پر بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف

کچھ کہنے اور لکھنے کا جہنم سوار ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کے علم و تقویٰ اور بزرگان دین سے حُسنِ عقیدت کی برکت سے انہیں اس بُرائی سے محفوظ رکھا چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں کہ :-

” اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کُتُب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کُتُب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سوچ پوری طرح روشن تھا یا کچھ میرے سامنے گھُٹپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت کا بعضا فوق بعض کا نظارہ ہو گیا۔ معاذِ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے، وہ اندھیرے فوراً کافر ہو گئے، اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اُس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی، اور میں اُن شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حُسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معاصیہ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے اَفْتَأُزْفَنُ عَلٰی مَا یَزِیْرِیْ مِیْنُ جَوْ کَیْفَ عَالِمٍ بِلِیْلِیْ اور ہیشاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے“

(بلفظہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۰۸)

حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب سے پرہیز کرنا حکم

بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے خواب بھی ذکر کئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ اور فقہ سے کنا و کشی کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ مؤلف نتائج التعلیل نے بھی حضرت مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کے چھاپہ والے خواب کا اور اس کی تعبیر کا جواب دینے کے سلسلہ میں بزرگ خود الزامی جواب کے نام سے یہ تین خواب

بغدادی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

- ① محمد بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے کلام کو دیکھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ کیا میں اس پر نظر و عمل کر سکتا ہوں؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: لا، لا، لا (نہیں، نہیں، نہیں)۔
- ② سعید بن عبد العزیز کے پاس کسی شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ وہاں موجود تھے اور قوم میں میلے کچیلے کپڑوں والا ایک شخص بھی تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابو حنیفہؒ ہے جو اپنی عقل سے لوگوں کو فتنہ و فحور پر جبری کرتا ہے۔

③ عامر طائی کا بیان ہے کہ میں نے غولب میں دمشق کی سیرٹھیوں پر لوگوں کو مجتمع پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک دو سرے شیخ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل دیا ہے۔ میں نے پہلوں بیٹھے ہوئے رفیق سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جو ابو حنیفہؒ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (مصلحہ مترجمان تاج التعلیہ ص ۳۹)

الجواب: پہلا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۷ طبع مصر میں ہے جس کی سند میں محمد بن حماد ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) فرماتے ہیں کہ :-

محمد بن حماد وضع معروف من اصحاب
مقاتل بن سلیمان المرزوقی شیخ الجسرہ کے اصحاب
محمد بن حماد مشہور وضع رجلی حدیثیں بنانے والا اور
مقاتل بن سلیمان المرزوقی شیخ الجسرہ کے اصحاب
سے تھا۔
(تاریخ الخطیب ص ۱۲۱ طبع مصر)

دوسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۷ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن عبد العزیزؒ یہ خواب ایک مجہول شخص سے نقل کر رہے ہیں۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ (مصلحہ تاریخ الخطیب ص ۱۳۶)

اور تیسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۷ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی

سند میں ابوالفتح محمد بن المنظر الخياط ہے جس کو بغیر خطیب کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خطیب کے بغیر کسی اور نے اس سے روایت کی ہے اور اس کا شیخ صاحب قوت القلوب سالمیہ فرقا کا آدمی تھا جس کے بارے میں خود خطیب بغدادی ہی یہ فرماتے ہیں کہ صفات خداوندی کے بارے میں اس سے بہت سی ہنر کا شیا بھی آئی ہیں، پھر تعجب ہے کہ خطیب بغدادی اس سے روایت بھی لیتے ہیں (تاریخ ص ۱۳۴)

انصاف سے فرمیتے کہ ایسی ضعیف کمزور اور ناقابل اعتبار اسانید سے حضرت ام المومنین کی توہین کیسے ثابت کی جاسکتی ہے اور ان پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ مؤلف نتائج التعلیہ کا عوام کو مروج کرنے کے لیے یہ لکھتا کہ تاریخ بغداد وہ بابرکت کتاب ہے کہ جس کے سننے کے لیے خود حضور تشریف لائے، جیسا کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (جلد ۳ ص ۲۲۱ ح ۲۲۲) میں لکھا ہے اور ہندوستان میں بھی حامل المتن ترجمہ امام محمدی کے نام سے مشہور ہے، انتہی بلفظہ (حاشیہ) بغیر ان کی جہالت کے انظار کے اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جہالت تو اس لیے کہ تاریخ خطیب بغداد کی چودہ مبسوط جلدیں ہیں اور ان سب کا ترجمہ نہیں ہوا، بلکہ بعض غیر مقتدین کے خاص ایثار و قربانی سے اس کے صرف اسی حصہ کا امام محمدی کے نام سے ترجمہ ہوا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے مثالب اور کچھ ہوائے نام مناقب پر مشتمل ہے اور اس ترجمہ کا مقصد بھی معنی نہیں ہے۔ ع۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کس طرح تاریخ بغداد کے ترجمہ کا مطلق حوالہ دے رہا ہے، لَحْوَلٌ وَوَقُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

خواب کا شرعی حکم

اگرچہ خواب کے لیے گزشتہ بالا متعینہ بالکل کافی ہے لیکن ہم اس میں ایک اصولی بات عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کم فہم کو شبہ باقی نہ رہے۔

حضرت امام محی الدین النووی الشافعیؒ حدیث من ذلانی فی اللتام فقد ذالی کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان خیالات اور تلبیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی کا

اثبات جائز نہیں کیونکہ نیند کی حالت سُننے والے کے لیے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی۔ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ راوی بیدار ہو نہ یہ کہ وہ مغفل، سستی، الخبطہ، کثیر الخطلہ، اور مختل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس لیے اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا ضبط مختل ہوتا ہے؛ (شرح مسلحہ ج ۱ ص ۱۵۱)

مولانا مبارکپوری صاحب علامہ عینی کے سوال سے نقل کرتے ہیں کہ :-

و کیا وہ حدیث ہو جو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جائے صحبت اور قابل استدلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جو اب یہ ہلا کہ وہ حجت نہیں کیونکہ حدیث کے قابل استدلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ راوی سماع کے وقت ضابط ہو اور حالت نیند ضبط کی حالت نہیں ہوتی؛

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۲)

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں تصحیح کرنے سے صحیح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کثرت و الامام سے بھی وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا، ہاں اس کا ثبوت آپ کے حیات و نبوی میں ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں تصحیح حدیث کا دار و مدار اسناد پر ہے؛ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۲)

۱ اور نواب صدیقی جن خان صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"و اگرچہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح است و شیطان بدان متمثل نمیشود و لکن نام از اہل تحفل روایت نیست بنا بر عدم حفظ خود" ۱ھ

(هدایۃ المسائل الی ادلۃ المسائل ص ۴۲۳)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ :-

"گو تیم اجماع اہل شرح است بر آنکہ بیحکم از احکام شریعت بلواقات و مناسبات امتیاز ثابت نمی شود" ۱ھ (فتۃ العینین طبع مجتہدانی دہلی)

ان تمام اقتباسات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ نہ اس لیے کہ معاذ اللہ وہاں تلبیس شیطان

کا کچھ اثر اور دخل ہوتا ہے اور نہ اس لیے کہ معاذ اللہ آپ کا ارشاد اور قول حجت نہیں بلکہ محض اس لیے کہ بجا لبت نیند انسان تحمل اور ضبط کے وصف کمال سے محروم ہوتا ہے اور روایت اور سند حدیث کے لیے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ راوی مضابط ہو۔ لہذا اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس پر کوئی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، اور اس کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع

یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں
حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب

اس سابق اصولی بحث کے پیش نظر نہ تو ضرورت ہے نہ حاجت کہ ہم امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی منقبت اور فضیلت خوابوں سے ثابت کریں اس لیے کہ جمہور اُمت کے ہر ایک طبقہ نے ان کی فضیلت کے لیے جو کچھ فرمایا ہے وہ کیا کم ہے؟ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ خواب سے کوئی حکم ثابت ہوتا بھی نہیں اور نہ اس پر کسی شرعی حکم کا دار و مدار ہی ہے لیکن ہاں ہم باحوالہ چند خواب عرض کرتے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات یہ بھی معلوم کر لیں کہ جہاں دیکھنے والوں نے اپنی طبعی ساخت اور اُفتاد کے مطابق وہ خواب دیکھے ہیں، اسی طرح ان کے برعکس اپنی استعداد کے موافق دیکھنے والوں نے ان کی فضیلت اور منزلت کے خواب بھی دیکھے ہیں اور خود حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن سے ان کی جلالت شان کا اندازہ ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیں :-

○ علامہ خطیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مهران نے سنا دیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو گرہید رہے ہیں، انہوں نے ایک قاصد حضرت محمد بن سیرین کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا، انہوں نے فرمایا کہ صاحب خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

صاحب هذه الرؤيا يشير عملاً الى سببته
یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کریگا

الیہ احد قبلہ، قال هشام فظفر ابو حنیفۃ
 وقتلہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵)
 جس کو اس سے پہلے کسی نے نشتر نہیں کیا ہو گا وہ شام
 فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے نظر و فحک کے بعد اس
 میں سب کشتائی کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ (التحذیرات الحسان ص ۶۷)
 اور یہ خواب علامہ ابو سعد عبد الکریم السمعیؒ (المتوفی ۵۶۵ھ جو المحافظ الباریج اور العلامہ
 تھے تذکرہ ج ۴ ص ۱۰۷) نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے کتاب الانساب و دق ص ۱۹۶)
 امام کردریؒ، مولیٰ طاش کبرنی زاوہ الحنفیؒ (المتوفی ۹۶۷ھ) اور امام ابن حجر مکیؒ اسی خواب
 میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

كانه ينشب قبره عليه السلام ويجمع عظمه
 الى صدره الا انما قب کردری ج ۱ ص ۲۲۲ مفتاح العاقبة
 یعنی گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
 کو کھد کر ان کے وجود مسعود کو اپنے سینہ سے
 لگا رہے ہیں۔ (الغیرات الحسان ص ۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی جس کی بنیاد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے، اس کا
 اصل ماخذ و منتہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس کو امام صاحب
 موصوفؒ نے خدا داد بصیرت اور ناخن تدبیر سے قرآن و حدیث سے کرید کرید کر نکالا ہے اور
 اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگاتے ہیں جو چار دانگ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں
 کے رشد و ہدایت کا فریضہ بنا ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وما اشتغل بالدعوة اى بشفعة الناس
 الى مذهبہ الا بالاشادة النبوية في المنام اليه
 امام ابو حنیفہؒ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت
 لینے میں اشارۃ نوریہ کے بعد مشغول ہوئے جو ان کو
 خواب میں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف
 لیدعوہم الى مذهبہ الا التحذیرات الحسان
 طبع مصر)

(۲) امام صدر الاممہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ مسدود بن عبد الرحمن البصریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ
 فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (یعنی حجر السنوؤ اور مقام ابراہیم کے درمیان سو گیا۔ خواب میں میرے
 پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعایا اللہ تعالیٰ سے

کی جائے، اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں اپنی نیند سے بیدار ہوا اور صلی سے مسلمانوں اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں :-

فقلت یا رسول اللہ ما تقول فی هذا الرجل
الذی بالکوفة النعمان؟ أخذ من علمه
فقال لی صلی اللہ علیہ وسلم خذ من
علمه واعمل به فتعم الرجل۔
میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے پائے
میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا
نام نعمان ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کر لوں؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر
عمل کرو تو اچھا آدمی ہے۔

میں اپنی نیند سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لیے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند کی اور میں بخدا نعمان بن ثابت کو سب لوگوں سے بڑا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۲۵۷)
اور یہ واقعہ امام ابن حجر مکیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ (المخیرات الحسان ص ۶۵)

③ انہر بن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر آواز بلند نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے آپ سے امام ابو حنیفہؒ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی سخن ظنی نہ تھی۔

فقال هذا علم الفتح من علمه الخضر۔
(المخیرات الحسان ص ۶۷)
تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السلام کے علم سے
(جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے۔

④ ابو معانی الفضل بن خالدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

فقلت ما تقول فی علمه ابی حنیفة فقال ذلک
علم یتبع الناس الیہ (المخیرات الحسان ص ۶۸)
میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ابو حنیفہؒ کے
علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ محتاج ہیں۔

⑤ علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سز کے ساتھ العلما بن صاعد بن مخلد سے روایت کرتے ہیں ، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اتنے میں ابو العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرقی القاضی (المتوفی ۲۸۵ھ) تشریف لے آئے۔

فقال لیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وصافہ وقیل بین عینیہ وقال مرجا
بلذی یعمل بسنتی واشری۔
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اٹھے اور
ان سے مصافحہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے
درمیان بوسہ دیا اور فرمایا مہر جا اس شخص کو جو
میری سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

اور یہ قاضی صاحب فہم میں ابوسلمان الجوزجانی کے شاگرد تھے اور انہوں نے امام محمد بن الحسن سے فہم حاصل کی تھی اور

کتب الحدیث وصنف المسند
وکان ثقة ثبتا حجة یدکر بالصلاح
والعبادة۔ (بغدادی ج ۵ ص ۶۱)
وحدث بحديث کثیر (ج ۶ ص ۶۱) وقال
الدارقطنی ثقة (ص ۶۲)

انہوں نے حدیث لکھی اور ایک مستند تصنیف
کیا اور وہ ثقہ ثبت اور حجت تھے نبی اور عبادت کے
ساتھ ذکر کیے جاتے تھے یعنی صالح و عابد تھے۔
اور بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔
امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

اور صاف لفظوں میں علامہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وکان رجلا من خيار المسلمين دنیا عیفا
علی مذهب اهل العراق (ج ۵ ص ۶۱)

وہ بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں امین دار
اور پاک دامن تھے اور اہل عراق کے مذہب
پر تھے۔

اپنے مقام پر انشا اللہ العزیز یہ بحث آئے گی کہ اہل عراق سے علماء حنفیہ مراد ہوتے ہیں
اگر محض اُدھار پر کسی کا نفس مطمئن نہ ہو تو ہم تصور اسانقا بھی پیش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عبد الکریم
شہرستانیؒ لکھتے ہیں کہ :-

اہل العراق ہم اصحاب ابی حنیفۃ
ابن عراق سے امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت کے اصحاب
نعمان بن ثابت اور (الملل والنمل ص ۱۴۶) مروی ہے۔

اس خواب کے پیش نظر کتنے بڑے شرف کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک حنفی عالم سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور مر جا فرماتے ہوئے اس کو اپنی
سنت اور حدیث پر عمل کرنے والا فرمایا اور اپنی رضا کا پر وازہ مرحمت فرمایا۔
میں بھی تو ہوں شریک نظام بہار گل
ہر شخ گلتاں پہ نہ کیوں مجھ کو گھسے

⑥ امام خلیل بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ مجموعہ سے روایت کرتے ہیں جو ابدال میں شمار
ہوتے تھے کہ میں نے محمد بن الحسنؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ آپ سے کیا گزری؟ فرماتے
گئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لیے تو نہیں بنایا کہ میں
تجھے سزا دوں۔ میں نے کہا، تو ابو یوسفؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اوپر
ہیں تو میں نے کہا کہ :-

فما فعل ابوحنیفۃ؟ قال فوق ابی یوسف
بطبقات۔ (بغدادی ص ۱۵۲)

مولیٰ الطاش کجبری زاوہ اور ابن عبد البرؒ یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ :-
قلت فافعل بابی حنیفۃ رحمہ اللہ قال
اعلیٰ علیین (مفتاح السعادة ج ۱ ص ۱۷۲، واللفظ لہ)
والاتقارم ۱۳۵، ولفظ ہونی اعلیٰ علیین)

اس قسم کے اور بھی کئی خواب ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں، صرف یہ بتانا مقصود
ہے کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے علم اور فہم اور طرز و طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بالکل راضی ہیں، اور خود رب تعالیٰ بھی ان سے راضی ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے
ان کو علم کا ظرف بنا کر بلند رتبہ عطا فرمایا ہے اور خصوصیت سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اعلیٰ علیین
میں پہنچا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مقام ہے۔ سچ ہے کہ :-

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تائید بخشد خدائے بخشندہ

یہی قسم کے عمدہ بہترین اور اعلیٰ خوابوں کو کاٹنے اور توڑنے کے لیے امام صاحبؒ اور ان کے اصحاب کے حاسدین نے اس کے برعکس کچھ خواب تراشے اور بیان کئے ہیں چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ، امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے فضائل کے کچھ خواب بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

زعم بعض حاسدیه انه رؤی له منامات
امام صاحب کے حاسدوں کے زعم میں ان (عمدہ)
بضد ذلک اھ (الخیرات الحسان ص ۱۵۸)
خوابوں کی ضد میں کچھ دوسری قسم کے خواب
بھی دیکھے گئے ہیں۔

امام ابن حجر مکیؒ کا یہ جملہ بڑا صاف، صریح اور معنی خیز ہے۔ ہمیں اس کی اور زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان روشن اور تابناک خوابوں کے معنی بلکہ میں ان حاسدین کے ایسے خوابوں کا کوئی اعتراف نہیں ہے کیونکہ شیعہ فرورزاں تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔

تاریکیوں میں دہر کی پہلے پہل الم
آئے تھے آپ شیعہ فرورزاں لیے بنوئے

امام صاحبؒ کا اہل الرائے ہونا

یہ عنوان تمام سابق عنوانات سے زیادہ مستحق توجہ اور قابلِ غور ہے۔ اگر صحیح معنی میں یہ سمجھ لیا گیا تو بہت حد تک غلط فہمی دُور ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص تعصب اور حسد کے نشہ سے چور چور ہو کر غلط روی اور کم فہمی کو دولتِ عزیزہ سمجھ کر چھوڑنا ہی نہ چاہے تو اس کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کتب تاریخِ اسلام، طبقات رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا لقب امام اہل الرائے مذکور ہے جس سے بعض ناختم لوگوں کو اچھی خاصی شوک لگی ہے، اور بعض متعصب حضرات نے عمداً اس پر دبیز پردہ ڈال کر عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی مذموم سعی کی ہے، اور بجائے اس کے کہ اس بات کو تاریخ کے واضح حوالوں سے حل کر کے اس میں

سلجھاؤ پیدا کرتے مزید الجھاؤ پیدا کر کے اس کو ایک چیتان اور معتمہ بنا رکھا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام اہل الرأی تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل الرأی ہونا لغوی اور شرعی لحاظ سے مذموم اور موجب تنقیص ہے؟ یا محمود اور باعثِ فضیلت ہے؟ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کس معنی میں اہل الرأی تھے اور کس موقع اور عمل پر وہ رائے سے کام لیا کرتے تھے؟ ان امور پر ہم اصولی بحث عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیے :-

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی عرض کریں تاکہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔

علامہ ابو الفتح ناصر الدین المطرزی الحنفی (المتوفی ۷۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ :-

الرأی ما ارتأه الانسان واعتقده ومنه ربيعة الرأی بالاضافة فتيه اهل المدينة
 رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے، اور اسی سے اضافت کے ساتھ ربيعة الرأی ہے جو اہل مدینہ کے فقہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی نظریہ یا اعتقاد نہ ہوتا ہو۔ مشہور لغوی علامہ ابو الفضل القرشی (المتوفی ۸۰۰ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :-

”راعی دیدن بدل۔ و بینائی دل :- (صرح ص ۵۵) رائے کی بصیرت اور بینائی کو کہتے ہیں۔“

ظاہر بات ہے کہ دل کی روشنی اور بصیرت خداوند عزیز کا خالص عطا کردہ اور مہبت ہے۔ وہ کوئی بڑی مذموم شے نہیں، بخلاف اس کے دل کا اندھا پن انتہائی طور پر مذموم ہے آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فَادْفَنُهَا لَآ تَعْنَى الْاَبْصَارِ وَلَٰكِنْ تَعْنَى الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الْقُصُودِ سچ کہا گیا ہے کہ :-

مجھے ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نقل کرتے ہیں کہ :-

والرأی هو نظر القلب يقال رأی رأياً
بدل دید و رأی رؤیا بغیر تنوین بخواب دید و رأی
رؤیہ یکبشتم وید اهر (مقدمہ فتح الملمم ص ۸۷)
رأی کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ کہا
جاتا ہے کہ رأی رأیا اس نے دل کے ساتھ دیکھا
اور رأی رؤیا بغیر تنوین کے، اس نے خواب میں دیکھا
اور رأی رؤیة اس نے آنکھوں سے دیکھا۔

علامہ ابن اثیر الجوزی الشافعیؒ (المتوفی ۷۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ :-

والمحدثون يسمون اصحاب القياس
اصحاب الرأی يعنون انهم يلاحظون بلأیهم
فيما يشكل من الحديث او ما له آيات فيه
حديث قوله اشتر
محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرأی کہتے ہیں اس
سے وہ مُراد یہ لیتے ہیں کہ وہ شکل حدیث کو اپنی رائے
اور سبب سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس
اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث
موجود نہیں ہوتی۔ (سناریہ ج ۱ ص ۱۸۷ طبع مصر و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرأی وہ حضرات ہیں جو شکل احادیث اور غیر منصوص مسائل
کو اپنے ناخن تدبیر اور دل کی بصیرت سے حل کرنے کے خواہ گم ہوتے ہیں اور محدثین کرام اسی معنی
میں ان کو اہل الرأی کہتے ہیں۔

اور کم و بیش یہی الفاظ میں محدث جلیل الشیخ محمد طاہر الحنفیؒ کے (ملاحظہ ہو مجمع البحار ج ۱ ص ۴۷)
علامہ شرف الدین الطیبی الشافعیؒ (المتوفی ۷۲۳ھ) نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ
ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرأی کی کچھ تعین معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی نقویؒ
ان کے ساتھ مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

یشم من كلام الطیبی والتمة الکتایة
الاعتراضیة علی العلماء الحنفیة ظنا منه
انهم یقدمون الرأی علی الحدیث ولذا یذنبون
اصحاب الرأی ولعید انهم انما سموا
بذالك لدة رأیهم وحذاقة عقلمه الخ
رائے کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی لیے ان
کو اصحاب الرأی کہا جاتا ہے مگر علامہ طیبی یہ نہیں
سمجھے کہ ان کو اصحاب الرأی اس لیے کہا جاتا ہے کہ
ان کی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔

(مرقات ج ۲ ص ۷۱) و مقدمہ تحفۃ الاعوذی ص ۲۱۶

اس سے معلوم ہوا کہ علماء حنفیہ کو اصحاب الرأی اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الرأی کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز اور بصیرت بڑی گہری ہوتی ہے، اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حافظ ذہبی، امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمن الرائی (المتوفی ۱۳۶ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:-

وكان اماماً محافظاً فقيهاً مجتهداً بصيراً وہ امام، محافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے
بالرأی ولذا لک یقال له ربیعة الرأی بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعة الرأی کہا
(تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۵)

امام احمد، محدث بخاری اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۵)

اور علامہ خلیب بغدادی فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ و عالم اور حافظ فقہ و حدیث تھے (الایض ص ۲۱۸)

امام یحییٰ بن سعید القطان ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

مدائیت احداً استعدت من ربیعة میں نے ربیعة سے زیادہ سخت عقل والا کوئی نہیں
رایض ج ۸ ص ۲۲۴) دیکھا۔

عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا بیان ہے کہ میں جب عراق میں داخل ہوا تو اہل عراق میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم ربیعہ کی کوئی بات سناؤ جو اپنی رائے سے کام لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ربیعہ کو صاحب رائے کہتے ہو؟ حالانکہ

لوالله ما رأیت احدًا احوط لسننة منه بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط اور
(یعنادی ج ۸ ص ۲۲۴) کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ ابن سعہ فرماتے ہیں کہ:-

وكان ثقة كثیر الحدیث و حافظاً یثقونہ ربیعہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے لیکن لوگ ان سے
لموضع الرأی۔ (بغدادی ج ۸ ص ۲۲۵) صاحب رائے ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے۔

داؤد بیجی اس گریز و اجتناب کی کہ ربیعہ جیسے حافظ حدیث، متبع سنت اور ثقہ و شہرت

سے پرہیز کرنے والوں نے محض اس لیے اجتناب اختیار کیا کہ ان کے نام کے ساتھ صاحب الرائی کا لقب چپاں تھا۔ پھر بھلا اس وہم کا کیا علاج ہو سکتا ہے جو ظنوں بلکہ افانوں کے دین پرروں میں صدیوں سے چھپا چلا آتا ہو۔ مگر بایں ہمہ

اہل دانش کی نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں

اک حقیقت بھی ہوا کرتی ہے افانوں کے ساتھ

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ اہمیت کے ائمہ مجتہدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تیسرا

گروہ یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اصحاب الرائی۔ اصحاب

حدیث اہل حجاز ہیں جو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام دواؤدؒ بن

علی الاصہبانیؒ کے پیروکار ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

اصحاب الرائے اہل عراق میں جو ابو حنیفہ نعمان بن

ثابت کے اصحاب ہیں۔

واصحاب الرائی وہم اهل العراق هم

اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت

(کتاب الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶)

اور پھر ان کے اصحاب الرائے ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ :-

اور ان کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ

قیاس کی علت کی توجہ میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس

معنی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں جو احکام

سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے

ہیں اور کبھی وہ قیاس علی کو خبر واحد پر مقدم بھی

کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم

رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوئے

ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا

ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

وانما سموا اصحاب الرائی لان عنایتہم تفصیل

وجه من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام

وبناء الحوادث علیہا وربما یتدعون القیاس الجلی

علی احد الاخبار وقد قال ابو حنیفۃ علمنا ہذا

رائی وهو احسن ما قدرنا علیہ فمن قدر علی

غیر ذالک فله مارائی ولنا ماراینا ہ

(الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶ علی ہامش کتاب الفیصل)

اگرچہ مذکورہ بالا اکابر اہم حدیث و فتنہ کے جامع امام تھے یعنی جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث سے بے بہرہ نہ تھے، اسی طرح دیگر اکابر فتنہ و اجتہاد کی صفت سے محروم نہ تھے، مگر جب ان دونوں صفتوں کا تقابل اور توازن کیا جائے تو یہ کہنا قطعی طور پر صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ میں روایت اور حدیث کی حفاظت اور خدمت کا وصف غالب رہا اور وہ بائیں وجہ صحاب الحدیث کے لقب سے موسوم ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ پر باوجود حفاظت حدیث کے اجتہاد و فتنہ کا استنباط کا وصف غالب تھا۔ بدین وجہ وہ اہل الرأی کے کلمائے نہیہ کہ وہ حدیث سے بے پروا نہ ہو کہ صاحب رائے بنے۔ علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:-

وانقسم الفقہ الی طریقین طریقتہ اہل
الرأی والقیاس وہم اہل العراق وطریقہ
اہل الحدیث وہم اہل الحجاز وكان الحدیث
قلیلاً فی اہل العراق لما فتنہ فاستکثروا
من القیاس ومہروا فیہ فلذالک قیل اہل
الرأی ومقدم جماعتہم الذی اسقروا
المذہب فیہ وفی اصحابہ ابوحنیفہ ام
(مقدمہ ملائکہ) ابن خلدونؒ طبع مصر و
مقدمہ تحفۃ الاحوذی ملائکہ)

کی وساطت سے یہ مذہب حنفی قرار پایا ہے امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی علامہ ابن خلدونؒ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو من کبار المجتہدین فی علم الحدیث کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے امام موصوف کو قلت حدیث کی گند تھوڑے زخمی کرنے کی نامبارک سعی کی تھی ان کو علامہ ابن خلدونؒ نے المبغضین اور المتعسفین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ چونکہ امام صاحب کی شرطیں روایت کے بارے میں سخت اور کڑی ہیں، اس لیے ان سے روایتیں بہ نسبت ان محدثین کرام کے جن کی شرطوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے کم ہیں نہ اس لیے کہ فن روایت حدیث

میں وہ بے بضاعت اور کم مایہ تھے اور جب ان کے قیاس و اجتہاد اور فقہ و رائے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سر پر حمارت فی القیاس کا سنہری سہرا باندھتے ہیں اور صریح العتظا میں لکھتے ہیں کہ :-

ومقامه فی الفقہ لا یطوق شہد لہ بذالک
اہل جلدتہ و خصوصاً مالک و الشافعی الا
فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا
ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات
اور خصوصیت سے امام مالک اور شافعی نے اس کی
(مقدمہ ص ۴۴)

شہادت دی ہے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کتب اختلاف و تاریخ میں آتا ہے جن کو اہل الظاہر کہا جاتا ہے مگر ان کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے کبھی کوئی فروغ حاصل نہیں ہوا جن کا اہم نظریہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش نظر رکھا جائے اور بس۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب ایک ناقیامت باقی رہنے والا دین ہے، اور نہ نئے مسائل و حوادث اور نوازل و واقعات کا پورا اصل بغیر فقہ و اجتہاد اور استنباط کے کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل الظاہر کسی وقت کچھ ابھرنے کے باوجود بھی تقریباً دنیا میں ناپید ہی رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون ہی لکھتے ہیں کہ :-

ثم درس مذهب اہل الظاہر الیوم
بیدروس ائمتہ (مقدمہ ص ۴۴)
پھر اس زمانہ میں اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں
رہا کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے ہیں۔

اور تصریح کرتے ہیں کہ :-

ولم یبق الا مذهب اہل الرئی من العراق
واہل الحدیث من الحجاز (مقدمہ ص ۴۴)
اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرئی کے جو عراقی ہیں
اور اہل حدیث کا جو حجازی ہیں۔

مؤرخ اسلام کی اس علمی اور ٹھوس تحقیق سے یہ بات بھی آشکارا ہو گئی کہ اہل العراق اور اہل الحجاز دونوں گروہ اور طلحے فقہ کے تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک کا طریق کار دوسرے کے انداز فکر سے قبل سے مختلف ہے مثلاً اگر ایک گروہ حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارۃ النص ہی سے استنباط کرتا ہے تو دوسرا گروہ

دلالت النقص اشارۃ النقص اور اقتضاء النقص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتا اس لیے اس کے علم فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے علمی معانوں کو ہزار ہائے نئے مسائل میں اس کے ہاں کسی طرح تشکیکی پریشانی نہیں آتی۔ اسی وجہ سے نصف مئیٰ سے زیادہ لوگ اس کے فیض سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس کے والدوہ ہیں۔

علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان چین، ماوراء النہر و بلاد النجم کما درعجم کے سب شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ص ۴۳۸)

اس سے فقہ حنفی کے فروغ، اس مذہب میں فقہاء کی کثرت اور لوگوں کے عام رجحان کی ایک اور وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، البقیہ وجوہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجود استاد المحدثین اور مقلد اہل سنت ہونے کے جب فقہ کے اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکے تو ان کے مقلدین کی تعداد بھی بڑھی ہی قلیل بلکہ نادر رہی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ قیاس و رائے اور فقہ واجتہاد کے بغیر پوری امت کے سبب سے پیش آنے والے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا تریبہ اجتہاد و قیاس میں اتنا اونچا نہ تھا اس لئے ان کے مقلدین بھی زیادہ پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی رقمطراز ہیں کہ :-

فاما احمد بن حنبل فمقلدہ قليل البعد
 مذہبہ عن الاجتہاد واصلتہ فی معاضدۃ
 الدویۃ وللخيار بعضها ببعض واكثرهم
 بالشام والعراق من بغداد ولواجبها وهم
 اكثر الناس حفظا للسنۃ ۱ھ
 (مقدمہ ص ۴۳۸)

ان کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل
 الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے
 بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے
 اور ان کے اکثر پیرو شام، عراق اور اس کے آس
 پاس رہتے رہے ہیں اور وہ سب لوگوں سے
 سنت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔

اور نقاب صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”مذہب امام احمدؒ خود در قدیم و حدیث زمان قلیل بودہ زیرا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل
 بلکہ نیست و مذہب او ہمیں عمل بر حدیث بود ۱ھ (ہدایۃ السائل الی اولیۃ المسائل ص ۲۸۱)
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ڈاگر اکثر اہل اسلام را بنظر امتحان نگاہ کسی حنفیان مالکیان وشافعیان اند۔

(قدرة العینین ملک)

یہ واضح عبارتیں مزید کسی اور وضاحت کیلئے تشہہ نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ :-

ولو اسطرہ ہمیں مناسبت کہ بجزرت روح اللہ دارو تو اند بود آنچه خواجر محمد پار سادر فضول ستہ نوزتہ است کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بجز مہب امام ابی حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام عظیم خواہد بود آنچه تقلید این مذہب خواہد کرد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ شان او علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ازاں بلند تر است کہ تقلید علماء امت فرماید بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت این مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریاے عظیم مینماید و سائر مذہب در رنگ حیاض و جلاولی بنظرمی در آیند و بظاہر ہمہ کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد عظیم اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیم الرضوان۔

۱) مکتوبات اکیانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵ ص ۱۴ طبع امرتسر۔

حضرت مجدد الف ثانی کا یہ ارشاد کوئی کم ذنی شہادت نہیں ہے۔ اور نہ یہ تعصب کی پیداوار ہے بلکہ نفس الامرو حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ فقہ حنفی ضروری طور پر اکترویالی فطری ہیست ہے (جس میں اختلاف اور تفاوت ناقابل انکار امر ہے)

مشہور غیر مقلد عالم و فاضل محمد سعید صاحب گوجرانوئی (المتوفی ۱۳۸۷ھ) کہتے ہیں کہ علامہ شیخ علی المتوفی صاحب کثر العمال (المتوفی ۹۷۵ھ) اور شیخ محمد طاهر پٹنوی مؤلف مجمع البحار (المتوفی ۹۸۶ھ) حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی ہرندی (المتوفی ۲۴۱ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے، لیکن ان حضرات میں نہ جمود تھا نہ تعصب۔ (مقدمہ معیار الحق من طبع چٹان پریس لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رائے کے مفہوم و مصداق پر طویل بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ليس المراد بالرأى نفس الفهم والعقل
فان ذالك لا ينفك من احد من العلماء
ولا الرأى الذى لا يعتمد على السنة اصلاً
فاقة لا ينتحله مسلم البتة ولا القدرة
على الاستنباط والقياس فان احمد واسحاق
بل الشافعي ايضاً ليسوا من اهل الرأى
بالاتفاق وهم يستبطون ويقيسون بل
المراد من اهل الرأى قوم توجهوا بالوسائل
المجمع عليها بين المسلمين اوبين جمودهم
الى التصحيح على اصل رجل من المتقدمين
فكان اكثرهم حمل النظر على النظر
والرد الى اصل من الاصول دون تتبع
الاحاديث والآثار والظاهرى من لا يقول
بالقياس ولا ياتى آثار الصحابة والتابعين كذاؤد
وابن حزم وبينهما المحققون من اهل السنة
عاحمد واسحاق الى

”رائے سے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہل علم میں کوئی بھی عاری نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی رائے بھی مراد نہیں جس کی بنیاد سنت پر بالکل مبنی نہ ہو کیونکہ ہرگز کوئی مسلمان اس کو اپنے لیے گوارا نہیں کرتا اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی مراد نہیں کیونکہ امام احمد اور امام اسحاق بلکہ خود امام شافعی بھی بالاتفاق اہل الرأى سے نہیں ہیں حالانکہ استنباط و قیاس وہ بھی کرتے ہے ہیں۔ بلکہ اہل الرأى سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پانے کے ہیں متفقین میں سے کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر چل کر تے ہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے ہے بغیر اس کے کہ وہ احادیث کا تتبع کرتے“ اور ظاہری وہ ہے جو نہ تو قیاس کا قائل ہو اور نہ آثار صحابہ کا اور آثار تابعین کا جیسے اوودرن علی اور علامہ ابن حزم اور ان دونوں طبقوں کے درمیان

محققین اہل السنۃ کا طبقہ ہے جیسے کہ امام صاحبین
حنبلؒ اور امام سحاقؒ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں دونوں تتبع الاحادیث کے جملہ سے اگر کوئی کوز مغز
یہ سمجھے یا سمجھنے کی کوشش کرے کہ اہل الرأی وہ ہوتا ہے جو احادیث سے بے پردا اور سختی ہو تو
یہ نہ صرف یہ کہ ظلم صریح ہو گا بلکہ یہ ترجیح العتول بمانیہ رضی بہ قائلہ کا مصداق بھی ہو گا کیونکہ خود
حضرت شاہ صاحبؒ اسی عبارت میں اس کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ رائے سے ایسی رائے ہرگز
مراد نہیں جس کا اعتماد اور بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو کیونکہ کوئی مسلمان ایسی رائے کو اپنانے کے لیے
کسی طرح اور کسی صورت میں راضی نہیں ہے، بلکہ اہل الرائے سے مراد ایسی قوم ہے جو اجماعی اور
اتفاقی مسائل کے بعد غیر منصوص فروع اور جزئیات میں متقدمین میں سے کسی شخص کے طے شدہ اصول
وضوابط اور قواعد پر (جن کی بنیاد اُس نے اپنے اجتہاد و تفکر کے اعتبار سے قرآن و سنت پر رکھی
ہے) مسائل اور جزئیات کی تخریج اور تفریح کرتی ہو کہیں نظیر کو نظیر پر عمل کرتی ہو کہیں مفسرین عنہا
اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسئلہ اور جزئی کو رد کرتی ہو اور ان غیر منصوص مسائل و جزئیات میں
وہ مسئلہ مسئلہ اور جزئی جزئی کے لیے احادیث کی تلاش نہ کرتی ہو جس کی وجہ نظر نہ ظاہر ہی معلوم ہوتی ہے
کہ قرآن و سنت اور تمام باجہوز مسلمانوں کے اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد ہر ہر پیش آمدہ جزئی
میں صاف اور صریح الفاظ میں کہاں سے صحیح حدیث دستیاب ہو سکتی ہے؟ اس لئے ایسے
مسائل میں تتبع احادیث کو وہ ضروری نہیں سمجھتے بلکہ متقدمین میں سے کسی کے اصول کے تحت
ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے مگر افسوس ہے کہ بعض ناہنم بلاوجہ
اس میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔

ان مسائل میں ہر کچھ شرفِ نگاہی درکار !

یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں !

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”پس محمد در تصنیف خود رائے اس سے (امام ابراہیمؒ، امام ابوحنیفہؒ و امام
ابویوسفؒ) را فراہم کر دیا۔ بہ نفع مردم بخشید و اصحاب ابی حنیفہ متوجہ ہیں

تصانیف شدہ بتخیص و تفریح و تخریج و تاسیس و استدلال اہل (ہدایۃ السائل ص ۲۶۵)
اور ان تینوں کی رائے کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم ہے۔

یہ بات بھی بخوبی ملحوظ خاطر ہے کہ اصحاب الرائے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
(جذئیات و مسائل میں) احادیث کا تتبع تو نہیں کرتے تھے مگر جب کسی جزئی میں ان کو حدیث
مل جاتی تو پھر وہ رائے کو درخور اعتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام زفر بن الدنیل جن کی رائے اور
فترہ پر حضرت امام ابو حنیفہ بھی ناز کرتے تھے اور فرماتے تھے ہوا قیس اصحابی، (الجواہر ج ۱
ص ۲۴۳) کہ میرے جملہ تلامذہ میں وہ قیاس کا زیادہ ماہر ہے۔ اور انہوں نے ہی بصرہ میں سبک
پہلے امام ابو حنیفہ کی رائے اور فترہ پہنچائی تھی (لسان المیزان ج ۲ ص ۴۴) ان سے حضرت
امام عبداللہ بن المبارک نقل کرتے ہیں کہ:-

سمعت نفعاً یقول یحییٰ لا نأخذ بالرأی مادام اشر و اذا اجاد الا شتر کنا الرائی
میں نے امام زفر سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب
تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں
کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے
کو ترک کر دیتے ہیں۔ (ص ۵۲۴)

اس کی مزید بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تو صرف اس قدر ذکر کرنا ہے کہ اصحاب
الرئائے نے نہ تو ابتدائے حدیث کو چھوڑا ہے اور نہ انتہاء ہاں اہل علم کے طریقہ کے مطابق کسی حدیث
میں روایتی یا روایتی لحاظ سے کوئی علت قیاس کا وجود نظر آئے یا کوئی حدیث کسی دوسری سے متعارض
ہو یا منسوخ ہو یا کسی اور قوی عند کی وجہ سے وہ ترک کرتے ہیں تو یہ بات الگ ہے مگر کوئی صاحب
فہم اور دیانت دار انسان اس کو ترک حدیث نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ طریقہ تو قدر مشترک کے طور پر تمام
محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رائج ہے اور اس باطل نظریہ کے تحت پھر تو سبھی تارک حدیث
کہلا لیں گے۔ (العیاذ باللہ) نواب صاحب حضرت شاہ صاحب کی سابق عبارت کا مطلب
پلنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”بلکہ نیست مراد یہ رائے نفس فہم و محفل چہ ازاں خود احدے از علماء منفک نمی تواند
شد و نہ آں رائے کہ نیست محترم بر سنت اصلاً زیرا کہ آں را خود مسلمان حلال نمی تواند نہایت

البتہ اھ (ہدایۃ السائل ص ۲۸۴)

اگر اہل رائے مسلمان ہیں؟ اور ان کی نامسلمانی کی آفسر کوئی وجہ بھی تو نظر نہیں آتی تو پھر وہ کیوں ایسی رائے قائم کرتے ہوں گے جو سنت سے متصادم ہو اور اس کی بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو؟

حضرت محمد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جماعتے کہ ایس اکابر دین را اصحاب رائے میدانند
اگر ایس اعتقاد دارند کہ ایشان با برائے خود
حکم میگردند و متابعت کتاب سنت نمی نمودند
پس سواد عظیم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشان خیال
و مبتدع باشند بلکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون
بودند ایس اعتقاد نهند مگر جہلے کہ از جہل خود
بے خبر است یا از ندیقے کہ مقصودش ابطال
شطر دین است ناقتے چند احادیث چند
دایا گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر در ان
ساختہ اند و ماورائے معلوم خود را نفی مینمایند
و آنچه نزد ایشان ثابت نشدہ منتفی میسازند
چہل آں کہے کہ در سنگے نہال است
زمین و آسمان او ہماں است
رمکتوبات امام ربانیؒ و فتوہ دوم حصہ
ہفتم مکتوبات ۵۵ و ۵۶ طبع امرتسر

وہ جماعت جو ان اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے
اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے
حکم کرتے تھے اور کتاب سنت کی پیروی نہیں
کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں
کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی بلکہ اہل اسلام کے
ٹولہ ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل
کرتے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور یا
وہ از ندیق کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل
کرنہ ہے، کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام
شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنے معلوم است
کے علاوہ اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے
نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے
وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو، اُس کی زمین آسمان
ہی بس وہ سب۔

غیر متقلدین حضرات حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت کہ بار بار پڑھیں اور پھر از راہ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد صاحب کیا فرماتے ہیں۔

الغرض نہ تو رائے اور سمجھنی نفسہ کوئی بری شے ہے اور نہ اہل الہیہ کے احادیث کے منکر اور

اُن کے متغنی ہیں اور نہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تنقیص امر ہے، اور یہ بھی درست نہیں کہ صرف علماء حنفیہ ہی اہل الرائے ہیں اور ان کے علاوہ اہل الرائے اور کوئی نہیں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب (دو غیرہ) کو اس کا مغالطہ ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

فاعلم ان اهل الراى هو العلماء الحنفية^۱ جاننا چاہیے کہ اہل الرائے علماء حنفیہ ہی ہیں۔

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۵)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام عجل نے حضرت امام شافعی کو صاحب الرائے کہا ہے اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

فاجتمع له علم اهل الراى وعلم اهل الحديث
امام شافعی میں اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں کا
علم جمع ہو چکا تھا۔

اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ربیعہ اہل الرائے بلکہ طقب بہ الرائے تھے اور حنفی نہ تھے اور الملک المنظر ابو بکر بن الربیع الحنفی لکھتے ہیں کہ:-

وقد رأينا مذاهب جماعة من اهل الراى
ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب
قد ذهبت واضممت ومذهب ابى حنيفة
تو ختم اور مضحل ہو گئے مگر امام ابو حنیفہ کا مذہب
بقي ہے۔

(السم المصیب ص ۳۲)

مشہور امام اور محدث ابن قتیبہ (المتوفی ۲۶۶ھ) نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی شرح قائم کی ہے اور نیچے یہ نام لکھے ہیں:- ابن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ، ربیعہ الرائے، زفر، اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابو یوسف اور محمد بن الحنفیہ (مصلح سیدۃ النعمان از علامہ شبلی)

الغرض اہل الرائے تو اور بھی ہیں مگر فقہ واجتہاد اور قیاس رائے میں جو بلند مقام حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کو ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔

یہ رتبہ بلند بلا جس کو مل گیا!

کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جاسکتی ہے؟

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد اس امر پر بھی غور کرنا ہے کہ کیا رائے اور فہم کے

بغیر حدیث سمجھی بھی جاسکتی ہے؟ اگر کبھی جاسکتی ہے تو ٹھیک ہے، پھر اُنے کو لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اُنے اور فہم کے بغیر حدیث نہیں سمجھی جاسکتی تو پھر وہ مذموم کیسے ہوگی؟ کب کوئی مذموم چیز بھی کسی مقبول و محمود چیز کا ذریعہ اور موقوف علیہ بن سکتی ہے؟

مولیٰ طاش کبریٰ زادہ حضرت امام محمد بن الحسن کے حالات میں جو خود چوٹی کے اصحاب ائمہ میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ:-

نشأ بالكوفة وغلّب الرائی ای الاجتهاد
 وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ان پر اُنے یعنی اجتہاد کا غلبہ تھا۔
 (مفترح السعادة ۲ ص ۷۸)

کتاب ادب القاضی میں تصریح فرماتے ہیں کہ:-

لا یستقیم الحدیث الا بالرائی ای باستعمال
 حدیث اُنے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے
 الرائی فیہ بان یدرک معانیہ الشرعیة
 بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے
 الّتی ہی مناط الاحکام ولا یستقیم الرائی
 ایے مناط ہیں اُنے ہی سے ادراک کئے جاسکتے ہیں
 الا بالحدیث ای لا یستقیم العمل بالرائی
 اور اُنے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو
 والاخذ به الا بانضمام الحدیث الیه اه
 سکتی یعنی محض اُنے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا
 (بجوالہ مقدمہ فتح الملمم ص ۷۸)
 تاویفیکہ اس اُنے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

انصاف سے فرمائیے کہ صاحب ائمہ امام محمد بن الحسن کیا فرمائے ہیں؟ یہی فرمایا ہے کہ بزہدی اُنے کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ اس کی بنیاد حدیث پر نہ رکھی جائے۔ مگر بایں ہمہ کہنے والے ان کو صاحب ائمہ کے کہہ کر کہنے سے باز نہیں آتے۔ انصاف کا تقاضا تو ہے کہ عِزْهُمُ مَصَافَا وَدَعُ مَآکِذْرُ۔

امام ابن حجر مکی الشافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وقد قال المحققون لا یستقیم العمل بالحدیث
 مقتضی نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال اُنے کے عمل
 بدون استعمال الرائی فیہ افھو المذکر
 بالحدیث درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُنے ہی سے
 معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دار مدار
 لمعانیہ الّتی ہی مناط الاحکام ومن ثمہ
 ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت
 لمالم یکن لبعض المحدثین تأمل مذکر

القديمي في الرضاع قال بان المر ترضعين
 بلبن شاة تثبت بينهما المحرمية
 ولا العلل بالرأى المحض ومن ثم له
 يفتقر الصائم بنحوه الاكل ناسيا ۱۵
 (الحديث الحسن ص ۱)

غور فرمائیے کہ لائے اور دل کی بصیرت محروم ہونے والے بعض محدثین نے کیسی ٹھوکر کھائی
 کہ وہ لڑکی اور لڑکا جو آپس میں نبی اور رضاعی طور پر تو بہن اور بھائی بنیں مگر انہوں نے مل کر ایک
 ہی بچری کا دودھ پی لیا ہو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے اور ان کا آپس میں نکاح درست
 نہ ہوگا۔ پھر پوچھنے کی بات یہ ہے کہ گائے بھینس اور اونٹنی نے کسی کالیا بگاڑا ہے؟ ان کے دودھ
 سے رضاعت کیوں نہ ثابت ہوگی؟ اگر بچری رضاعی ماں بہن ہو سکتی ہے تو بھولی بھالی گائے فریہ اندام
 بھینس اور بلند قدر اور دراز گردن اونٹنی کیوں ماں نہیں بن سکتی؟ اور ان بیچاروں کو ماں کی مامت سے
 کیوں محروم کر دیا جائے؟ اور اس فتویٰ کے رُو سے تمام بوئے زمین پر مسلمانوں کے نکاحوں اور ان کی
 اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ ۷
 ”ایں چنین ارکان دولت ملک را ویراں کنند“

اور جس طرح لائے کی محرومی سے یہ ٹھوکر لگتی ہے اسی طرح حدیث سے استغناء برت
 کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو در طر ضلالت میں ڈال دیتا ہے۔ اگر محض رائے ہی سے
 دین کے احکام اخذ کئے جا سکیں تو بھول کہ روزہ کھانے والے کا جو خوب سیراب اور سیر شکم
 ہو کر کھاپی لے، روزہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اور کس کی عقل اس کو باور کرتی ہے کہ یہ سب
 کچھ کرنے کے باوجود روزہ جوں کاتوں باقی ہے؟ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
 اس ارشاد اور حدیث کی موجودگی میں اطعمك الله وسقائك (الجمہور ج ۲ ص ۲۲۷) واللفظ له وبتناہی
 ج ۱ ص ۲۵۹) مسلم ج ۲ ص ۳۶۱) کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پیلا یا ہے، عقل اور رائے کی کیا وقعت
 اور قیمت ہے؟ یہاں تو محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اشارہ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں
 عقلیں آن واحد میں قربان کرنا ہوں گی۔ ۷

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے حسام ابھی

حضرت علیؑ (المتمنی سنہ ۳۵ھ) نے دین کے ایسے ہی مخصوص مسائل کے مقابلہ میں رائے محض

کے بلے میں یہ ارشاد فرمایا ہے :-

لو كان الدين بالترائي لكان اسفل الخف اولى
بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يسبح على ظاهر خفيه -
(البرهان ج ۲ ص ۲۳)

اگر دین نری لئے ہی سے ہوتا تو مونے کا پچلا حصہ
اوپر کے حصہ سے مسح کا زیادہ مستحق رہے حالانکہ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزہ کے اوپر ہی مسح کرتے
دیکھا ہے۔

انسان جب چلتا ہے تو زمین پر اس کے پاؤں کا پچلا حصہ ہی لگتا ہے، اور گرد و غبار اور
نجاست وغیرہ سے اسی کے زیادہ ملوث اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مسح کا
عقدار بھی صرف یہی حصہ ہونا چاہیے مگر چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے
اعلیٰ حصے پر ہی مسح کیا ہے تو کسی دانشور کی دانش اور کسی عقلمند کی عقل اور کسی فیہم کی فہم دلائل کی
اس پیادے عقل کے مقابلہ میں بھلا حیثیت ہی کیا ہے؟ اس موقع پر اگر تسلی اور چین ہو سکتے ہیں
تو صرف آپ کی پیاری ادا اور آپ کے پسندیدہ عمل اور بہترین اسوہ حسنہ سے اس لیے کہ

برسوں فلاسفہ کی چناں اور چہنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

حدیث سے رائے کی عذگی کا ثبوت

جس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے بصراحت روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسئلہ میں کون سا طریقہ
اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لیے کیا صورت عمل میں لائی جاسکتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کے پیش نظر کتاب وسنت کے اصولی قوانین اور ضوابط کو لازمی
اور قابل عمل قرار دے کر ہر ایسی پریش آمدہ ضرورت کے متعلق جس کی تفصیل و تشریح یا بصراحت
تذکرہ قرآن وسنت میں موجود نہ ہو، قرآن وسنت کے جاننے والوں اور صحیح معنی میں مجتہدین کو یہ حق حاصل
ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کام لے کر قرآن وسنت کی روشنی میں وقتی، ضروری اور سماجی
مسائل کو حل کریں اسی کو فقہ واجتہاد اور قیاس و رائے کہتے ہیں مجتہد مطلق کا درجہ اگرچہ

نہیں رہا۔ ہاں فی الجملہ اجتماعِ قیامت تک باقی ہے لیکن مخصوص اور اجتماعی مسائل میں اجتماع کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی پیروی کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) کو جب یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجا چاہا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: اے معاذ:-

کیف تقضی ان عرض لك قضاء قال اقضی بكتاب الله قال فان لعجدي في كتاب الله قال فبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال فان لعجدي في سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاذْنِي فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ اجْتِهَدْ بِيَأْتِي وَلَا اَوْضَرْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضَى رَسُولُ اللَّهِ -

جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو اس میں تو کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ پھر میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنتِ رسول اللہ اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتماع کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذ کی چھاتی پر شفقت کی وجہ سے دست مبارک مارا اور چھپے فرمایا اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے:-

البرذونجی ج ۲ ص ۱۵۹ و ۱۵۹ دارمی ج ۱ ص ۱۵۹ و ۱۵۹ طبع دمشق والانتقاء ص ۱۳۳ لابن عبد البر طبع مصر والبدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۱ طبع مصر والمشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۴ و سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۱

شیخ الاسلام حافظ ابو محمد بن عبد البر المالکیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الأئمة العدل وهو اصل فی الاجتهاد والقیاس علی الأصول اھ (جامع بیان العلم وفضله ج ۲ ص ۱۱۱ طبع مصر)

حضرت معاذ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتماع اور قیاس علی الأصول کے لیے ایک اصل اور مدار ہے۔

حافظ ابو الغداء اسمعیل بن عمر بن کثیر الشافعی (المتوفی ۳۷۷ھ) جو الفقیہ، المفتی اور المحدث و ذوالفضائل تھے، تذکرہ ج ۴ ص ۲۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وهذا الحديث في المسند والسنن باسناد
يحدث منذ اور سنن میں جید اور کھری سند کے
جید کا ہو مقدم فی موضعہ اہ
ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور
(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۷) ثابت شدہ ہے۔

مشہور غیر مقلد اور محقق عالم محمد بن علی المعروف بالقاضی الشوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) اسی حدیث
سے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وهو حديث صالح للاحتجاج به كما اوضحنا
یہ حدیث استدلال و احتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی
ذک في بحث مفردہ اہ
جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفرد بحث
(فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۷ طبع مصر للشوعانی) میں کر دی ہے۔

اس صحیح مشہور جید اور صالح الاحتجاج حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل و حوادث اور
مسائل پر قرآن و حدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و
ٹائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد
مسرور اور نہایت خوش ہیں اور اپنے قاصد و نمائندہ کے اس معقول اور تسلی بخش جواب پر راضی
ہو کر قوی اور فعلی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر گویا یہ
بتلا ہے ہیں کہ کیا ہی بارگت سینہ ہے جس میں ایسی ایسی عمدہ اور کام کی باتیں پنہاں ہیں، جن
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داد بخین عیبے بغیر نہیں رہ سکے اور الحمد للہ کے ساتھ قوی طور
پر اجتہاد برائی پر اپنی رضا اور خدا تعالیٰ کی رضا کی مرثبت کر دی ہے۔ اب اگر کوئی
نادان ایسی ٹائے کی توہین و تذلیل کرتا اور ایسی ٹائے قائم کرنے والے اہل لوگوں کی تحصیل و تحریق کرتا ہے
جس کا منفع و مائد قرآن و حدیث ہو تو ایسا شخص صرف ٹائے اور اہل اللہ کا ہی دشمن ہے بلکہ وہ جناب لہ اھل اللہ
وسلم کی اس صحیح اور صریح حدیث اور اور آپ کی پسند کردہ بات کا بھی مخالفت ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر منافی
چاہیے، کہیں دوسروں کی عدوت اپنی تباہی کا سبب ہی نہ بن جائے۔

ہست کچھ بل چلا ہے اور جلع کا بچھنے کب تک ہے زو میں برقی موزاں کی تراکشا نہ برسوں سے

حضرت علیؑ کی ایک روایت یوں آتی ہے:-

مسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال
مشاورة أهل الرأي ثم اتبعهم (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷۷ طبع مصر)
حضرت صلوات اللہ علیہ وسلم سے عزم کے لئے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے
تو آپ نے ارشاد فرمایا کہا بل اللہ سے مشورہ کیجئے پھر ان کی پیروی کرنا
اور نیز حضرت علیؑ نے سوال کیا، یا رسول اللہ اگر تمہیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو کہ جس میں نہ امر
ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷ رجال مؤثقون)

حضرت ابو بکرؓ کا یہ معمول تھا کہ:-

ان ابابکر اذا نزلت به قضیة لم یجد لها
فی کتاب اللہ اصلاً ولا فی السنّة اشرافاً
اجتهد بملئ قلبه فان یکن صواباً فمن اللہ وان
یکن خطأ فیمتنی واستغفر اللہ۔

جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو کتاب اللہ
اور سنت رسول اللہ میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی
تو فرما لے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست
ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی ورنہ میری خطا ہوگی

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۱)

اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حافظ شمس الدین ابن القیم الغنوی (المتوفی ۷۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:-

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اس کو کتاب و سنت میں تلاش
کرتے، اگر وہاں سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تو امت کے بہترین افراد کو جمع کر کے ان سے رائے
لیتے اور اتفاق رائے سے جو طے ہوتا اسی پر فیصلہ صادر فرماتے؛

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷۷ طبع مصر)

اور امام عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (المتوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ
سے یہ مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:-

فاذا اجتمع رأیہم علی امر قضی بہ

جب ان حضرات کی رائے ایک امر پر جمع ہو جاتی تو

(دارمی ج ۱ ص ۱۷۷ طبع دمشق)

حضرت ابو بکرؓ اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔

حضرت ابومشافعیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

وانہ مقدم عندهم فی العلم والرأی و
وہ حضرات صحابہؓ میں علم رائے اور زیادہ مشہورہ سینے

کثرة الاستشارة ۱۱

میں پیش پیش تھے۔

کتاب اختلاف الحدیث علی ہامش الامم ج ۱ ص ۱۰۰ (مکالمات مصر)

حضرت عمرؓ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ:

هَذَا لِي عَمْرٍاَ فَاِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ وَ

یہ عمرؓ کی رائے ہے، اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا

اِنْ كَانَ خَطَاً فَمِنْ عَمْرٍاَ (میزان شعرانی ج ۱ ص ۱۰۰)

احسان ہوگا، اور اگر خطا ہوئی تو عمرؓ کی خطا سمجھنا۔

طبع مصر۔ وسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰

اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں مشہور تابعی قاضی شریح (المتوفی ۸۵ھ) کو

ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں اس کی تصریح فرمائی تھی کہ اگر کوئی ایسا مقدمہ اور مسئلہ پیش آئے

جس پر کتاب و سنت سے روشنی نہ پڑتی ہو اور اس کے بارے میں پہلے کسی نے گفتگو بھی نہ کی ہو تو:-

ان دو امور میں سے جو ناتم چاہو پسند کر لویا تو اپنی رائے

فلاختاری الامرین شئت ان شئت ان

سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنے آگے بڑھ سکتے

تجتهد براءتک ثم تقدم فتقدم ۱۱

ہو بڑھو۔ الخ۔

(دارمی جامعہ طبع دمشق وسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵)

نحوہ فی کفزالعمال ج ۲ ص ۱۷۴

دوسرا امر انہوں نے ترک الزائے ذکر فرمایا ہے لیکن اجتہاد بالرائے اور ترک دونوں میں ان کو

اختیار دیا ہے اور اجتہاد بالرائے اور اس میں تقدم کا ذکر پہلے کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جن مسائل

میں اشکالات پیش آئے تھے ان میں ایک وراثت جہد کا مسئلہ بھی۔ جب ان کو فیروز نامی بد بخت

نے زعمی کیا تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ:-

میں نے داوا کے بارے میں ایک رائے قائم کی ہے

انی رأیت فی الجہد رأیا فان رأیتم ان تتبعوه

اگر تمہارا خیال ہو تو اس کی پیروی کرو۔ حضرت

فقال عثمان ان تتبع رأیک فہور شدوان

عثمان نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے کی پیروی کریں

تتبع لئی الشیخ قبیک فنعم ذوالرائی کان۔

تو وہ کیا ہی بھلی رائے ہے۔ اور اگر ہم آپ سے پہلے

(مستند حاکم ج ۳ ص ۳۰۰ قال الحاکم والذہبی صحیح)

بزرگ (حضرت ابو بکرؓ) کی رائے کی پیروی کریں تو وہ

بھی صاحب الرائے تھے۔

اور یہ روایت دارمی جلد ۱۵ طبع دمشق میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۲۲ھ) نے فرمایا کہ اگر کسی کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس میں فیصلہ صادر کرے اور اگر کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ کرے اور اگر سنت میں اس کو کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نیک لوگوں نے (اتفاق سے) جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ان سے اس کو کچھ نہ ملے تو:-

فلیجتہد رایہ فان لم یجسن فلیتقد ولا یتبعی
 پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک
 مستدل نہ ہو تو صاف اقتدار کرے اور اس میں حیا رکھے۔
 قال الحاکم والذہبی صحیح
 ونحوہ فی سنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۱۵

اور یہ روایت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ دارمی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون
 سو اگر مسلمانوں کے اجماع سے بھی وہ مل نہ ہو سکے
 فلجتہد رأیہ (رض) طبع دمشق)
 تو پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس (المتوفی ۶۸ھ) کا یہ معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت
 ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ان کو کوئی ثبوت نہ مل سکتا تو پھر:-

قال فیہ برأیہ (مندوری ص ۵۹) طبع دمشق
 اس میں اپنی رائے سے عمل کرتے۔
 ومستدل حاکم ص ۱۲ قال الحاکم والذہبی صحیح
 ونحوہ فی سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵

حضرت زید بن ثابت (المتوفی ۳۵ھ) نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے
 مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ مل سکے تو پھر سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
 کے موافق فیصلہ صادر کرو اور اگر سنت میں بھی حکم نہ مل سکے تو پھر:-

فادع اهل الرائی ثم اجتهد و اختار لنفسک
 تم اہل رائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لیے مناسب
 حکم اختیار کرو اور اس میں کوئی عرج نہیں ہے۔
 (سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (المتوفی ۵۲ھ) کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ

جگہ بھی لکھا تھا کہ :-

فيما يختلج في صدرك مثاله يبلغك في القرآن
والسنة فتعرف الامثال والاشباه ثم قل الامور
عند ذلك اه (سنن الكلبی ج ۱۰ ص ۱۱۱)

اگر کوئی ایسا سیکھتے دل میں تردد کا ذریعہ بنے جس
میں قرآن و سنت کی روشنی نہ چڑھتی ہو تو امثال و نظائر کو پہچان
کر اس وقت ان امور کو قیاس کرو۔

یعنی اصل اور مقیس علیہ کی مثال اور نظیر ہمیشہ نظر رکھو اور فرع اور مقیس کے اندر علت اور وجہ
تلاش کرو، اگر اصل کی علت اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی اس سے ہلا کر اصل کا حکم فرع
میں ثابت کرو، اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) نے قاضی کے لیے پانچ شرطیں
لگائی ہیں کہ :-

يكون عالماً بما كان قبلاً - مستثيراً للذی
الزائی - ذائماً عن الطبع - حليماً عن الخصم -
معتاداً للامانة - (سنن الكلبی ج ۱ ص ۱۱۱)

وہ ان امور کا عالم ہو جو پہلے گزر چکے ہوں، رائے والے سے
مشورہ لینے والا ہو، طبع سے پاک ہو، جھگڑا کرنے والے کے
مقابلہ میں حلیم ہو۔ ملامت کو گوارا کر سکتا ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت چھ حضرات کو نامزد کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے
میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں، ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اختیار فرمایا
کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، انہوں نے پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے علیؓ اگر
میں تجھے خلیفہ چن لوں تو بتاؤ کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ
اور حضرت عمرؓ کے طریقہ پر چلو گے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ :-

الحكم بكتاب الله وسنة رسوله واجتهد
رائی اہ شرح فقہ اکبر ملا علی بن القاری
میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ
سلم کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد
میں طبع کا پیروی کروں گا۔

اور حضرت علیؓ جب سلفی فتنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو قیس بن عبید نے دریافت
کیا کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ :-
معاہدہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی بابت

کچھ نہیں فرمایا لیکن یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے جو بھٹے
سوجھی ہے۔

بشيءٍ لکنہ رائی رأیت،

(البوداؤدہ ص ۲۸۵)

مشہور محقق اور صاحب قلم عالم ابو محمد زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:-

رائے کے مطابق حکم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ان الحکم بالرائی من اصحاب رسول اللہ صلی

کے صحابہ سے مشہور ہے اور ان کے اجتہاد میں بھی

اللہ علیہ وسلم مشہور و احتمال الخطأ فی

خطا کا احتمال ثابت ہے کیونکہ وہ خطائے معصوم

اجتہادہم ثابت اذ لیسوا بمعصومین عن

توز تھے۔

الخطأ الا بالوجہ فی حیاتہ - وعصرہ -

آراءہ، من ۳۰ طبع مصر از محمد ابو زہدہ)

حضرت حجاب بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند

فرما کر قبول فرمائی تھی (مستدرک ج ۳ ص ۴۲۷)

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرہ الرائے کہتے

تھے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۴۲۷)

الغرض غیر منصوص مسائل میں حضرات صحابہ کرام نے جہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیا

ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصا دفتر تیار ہو سکتا ہے، مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین

کا استیعاب نہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث اور

اجماعی مسائل کے بعد رائے اور قیاس کس کام لینا خود مرفوع اور صحیح حدیث اور حضرت صحابہ کرام کے قول

سے ثابت ہے اور عموم امت بھی اس کی قائل ہے۔ پھر رائے اور قیاس کی مذمت اور اہل الرائے

اور صاحب قیاس کی توہین و تذلیل کیونکر قابل سماعت ہو سکتی ہے؟

نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:-

قیاس شرعی کے بارے اختلاف ہے، جمہور صحابہ کرام

مختلف در قیاس شرعی است، جمہور از صحابہ

تابعین فتناہ و تکلیف اس طرف گئے ہیں کہ قیاس اصول

و تابعین و فتناہ و تکلیف بان رفتہ کہ اصلی از

شریعت میں ایک اصل ہے جو احکام سماعت سے

اصول شریعت است استلال میسر و دلیل

تعلق رکھتے ہیں، ان میں قیاس استلال درست ہے

بر احکام واردہ بسبب وظاہر یہ انکارش کردہ اندہ

اھ (إفادة المشيخون ملائک)

اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

اور لو اب صاحب قیاس کے محبت شرعی ہونے کے مثبت و منفی دلائل پر کلام کرتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ :-

اور قیاس پر سبھی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک

”و دلالت سمع بر قیاس نزر اکثر قطعی است

قطعی ہے اور علامہ آمدی کے نزدیک قطعی ہے امام ابن

درد آمدی نے قطعی ابن عبدالبرہ گفتہ نیست خلاف

عبدالبرہ فرماتے ہیں کہ شروہ کے فقہاء اور علم اہل

در میان فقہاء اصحاب و سائر اہل سنت در

سنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید

لفی قیاس در توحید و اثبات اور احکام مگر

رہی عن عقائد میں قیاس نہیں ہو سکتا اور احکام میں قیاس

داؤد کے درہر و لفظی آں کردہ “ اھ

ہو سکتا ہے اور داؤد ظاہری دو دنوں میں قیاس

(ھدایۃ السائل مشا)

کی نفی کرتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب فہم عالم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مذہبی لکھتے ہیں کہ :-

”جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص موجود نہیں

ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جاسکتا ہے کہ قیاس و رائے کی تہاگ و تازان میں

مسئلہ ہے “ اھ (مسئلہ اجتہاد منک)

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے یہ امر آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ بغیر

منصوص مسائل میں قرآن و حدیث و اجماع کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ فقہاء نیک

فرجام اور متکلمین ذوالاحترامؓ و غیر ہم کے نزدیک قیاس و رائے شرعی محبت اور توحید و غیر عقائد کے

بنیادی مسائل کے علاوہ اس سے احکام کا اثبات جمہور اہل اسلام اور جملہ اہل سنت کا اتفاق ہے

ہے، ہاں صرف داؤد بن علی الظاہری اور اس قسم کے کچھ حضرات کا اس میں اختلاف ہے مگر جمہور

امت کے قول منصوص کے مقابلہ میں ان کی اس رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ اور دلائل و براہین

کی دنیا میں اس کو کون تسلیم کرتا ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ قیاس و اجتہاد اور استنباط و رائے سے کلام لیتے

تھے، لیکن یہ بات نہایت قابلِ غور ہے کہ وہ کس موقع اور محل پر اور کس وقت و مقام پر
قیاس و رائے سے کام لیتے تھے؟ اس لیے ہم اس عنوان میں بھی قدرے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے
ہیں، انور فرمائیے۔

حضرت ابو حنیفہؒ کا اپنا بیان یہ ہے :-

کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا
تو سنت رسول اللہ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب سنت
میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرامؓ کے قول کو لیتا
ہوں ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لیتا ہوں
اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن سب
حضرات صحابہؓ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو
نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیمؑ، شیعی، ابن سیرین،
حسن، عطاء، سعید بن المسیب تک (اور ان کے
علاوہ کچھ اور حضرات کے نام بھی گئے) پہنچتا ہے تو جیسے
انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

أَخَذُ بِكِتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فَبِسُنَّةِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِن
لَمْ أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ
أَخَذْتُ بِقَوْلِ مَنْ سَمِعْتُ مِنْهُمْ وَلَوْحَ مَنْ سَمِعْتُ
مِنْهُمْ وَلَا أَخْرِجُ مِنْ قَوْلِهِمْ إِلَى قَوْلِ غَيْرِهِمْ
فَمَا إِذَا انْتَهَى الْمَرَادُ وَجَاءَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ الشَّعْبِيِّ
وَ ابْنِ سِيرِينَ وَ الْحَسَنِ وَ عَطَاءَ وَ سَعِيدَ بْنِ
الْمُسَيْبِ وَ عَدَدٍ رَجُلًا فَنَقُومُ اجْتِهَادًا وَ نَأْتِيهِمْ
كَمَا اجْتِهَدُوا - (متابع بغداد ج ۱۳ ص ۲۶۶)

اسی کے قریب قریب الفاظ شیخ الاسلام ابن عبد البر کے بھی ہیں۔ (ان نفعاء ص ۱۳۸) اور مولانا
مبارکپوری صاحب نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۲ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان كان في المسئلة حديث صحيح تبعه وان
كان عن الصحابة والتابعين فكذلك
الاقاس فالحسن القياس - (الحديث الحسان ص ۲۷)
واللفظ له و ذيل الجواهر ج ۲ ص ۲۷۴

اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی تو آپ اس کی اتباع
کرتے اور اگر حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ سے اس کا حکم
ملا تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور عمدہ
قیاس کرتے۔

علامہ ذہبیؒ، امام بیہقیؒ بن معینؒ کے طریق سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :-

أَخَذْتُ بِكِتَابِ اللَّهِ فَمَا لَمْ أَجِدْ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ
میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں، اگر اس میں

حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان آثارِ صحیحہ پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ثقہ راویوں میں پہنچ کر پھیل چکے ہوں، اگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوتی تو میں آپ کے حضرات صحابہ کے اقوال میں سے جس کو پسند کرتا ہوں لے لیتا ہوں اور جب نوبت ابراہیمؑ، ثعلبی، حسن اور عطاء تک پہنچتی ہے تو انہوں نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام عمید الرواب شعرائیؒ، امام ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :-

کہ جو حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تو وہ سر اور آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے حضرات صحابہؓ سے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر غیر صحابہ سے آئے تو وہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں۔

اللہ والأشبار المصاح عنہ المتی فشت فی
ایدی الثقات عن الثقات فان لعاجد
بقول اصحابہ اخذ بقول من شئت واما
اذا انتہی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن
وعطاء فاجتہد کما اجتہدوا۔
(مصنف ابی حنیفہؒ مہلح مصر للذہبی)

ملا جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
بأبي هو وامي فعلى الرأس والعين وملا جاء
عن اصحابه تختيارنا وملا جاء عن غيرهم فهم
رجال وعجن رجال (ميدان ج ۱ ص ۲۰۰، طبع مصر واللفظ
والخيرات الحسان ص ۲۰۰ و تبيين الصيغه ص ۲۰۰)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام صاحبؒ بھی بالاتفاق روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں اس لحاظ سے تابعین کے ساتھ ان کی تفرقة واجتہاد میں مزاحمت اور علمی اور تحقیقی رسد کشی کوئی قابل انکار بات نہیں ہے اور ہم رجال وعجن رجال کننا کوئی بے موقع اور بے محل اعتراض نہیں ہے، اور حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی اس کے قریب الفاظ نقل کیے ہیں (الاستبصار ص ۲۰۰ طبع مصر) ابو حمزہ الکرمیؒ کا بیان ہے کہ

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سنت انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہمارے پاس

سمعت ابا حنیفة يقول اذا جاءنا الحديث
عن النبي صلى الله عليه وسلم اخذنا به واذا
جاءنا عن اصحابه تختيارنا واذا جاءنا ناعن

التابعین زاحماهم۔ (الوقفاء مکتبۃ طبع مصر لابن عبدالبر واللفظ له وتبصیر المصنفہ ص ۲۱۷ والجواهر المصنیہ ج ۲ ص ۲۴۹)

حضرات صحابہ کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعین کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں اور حضرت ملا علی القاری امام صاحب کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ:-

ما جاء عن الله ورسوله لان تجاوزه عنه وما اختلف فيه الصحابة اخترناه وملجاء عن غيرهم لخذنا وتركتنا (ذیل الجواهر ص ۲۴۳)

جو حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس چیز میں حضرات صحابہ کا اختلاف ہوتا ہے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو چن لیتے ہیں اور غیر کے اقوال کر لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں۔

اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰ امام صاحب کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:-

ما جاء ناعن الصحابة فعلى الرأس والعين وملجاء ناعن التابعين فهم رجال ونحن رجال (مفتاح السعادة ج ۲ ص ۲)

جو چیز ہمارے پاس حضرات صحابہ سے پہنچی ہے تو اس کو ہم سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو تابعین سے آتی ہے سو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔

امام ابن حجر مکی اور ملا علی القاری ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

ليس لاحد ان يقول براهيه مع كتاب الله تعالى ولا مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا مع ما اجمع عليه اصحابه (الحدیث ص ۲۱۷)

کسی شخص کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مقابلے میں رائے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اسی طرح جس چیز پر حضرات صحابہ کا (اور امت) کا اجماع واقع ہو چکا ہے اس کے مقابلے میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ان تمام واضح اور روشن اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ تو کتاب و سنت اور اقوال حضرات صحابہ سے بے نیاز تھے اور نہ منکر بلکہ صاف طور پر وہ کھلے لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتا ہوں جب قرآن و حدیث اور اقوال حضرات صحابہ میں مجھے کسی حکم پر روشنی پڑتی نظر

نہیں آتی ماب اہل علم ہی انصاف سے فرمائیں کہ ایسے موقع پر محدث کامل فقیہ دوران اور عالم ربانی کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ آیا کبج عافیت اور زاویہٴ غمبول میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا؟ یا اپنی خدا داد بصیرت، علمی تفوق اور فطرتی بصیرت کے تحت مشکل مسائل اور نوازل کی کھتی سلجھانی چاہیے تھی؟ اور اگر انہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو اپنے ناخن تدبیر و تفرقہ سے حل کر کے امت مسلمہ پر احسان کیا ہے تو اس کی وجہ سے کیا وہ دو تہمین کے مستحق ہیں یا باعثِ نفرین ہیں؟

وہ ایک عالم ہے جہاں نے خرچِ تحمیں لو اکیا ہے

وہ ایک مومن جو لطفِ خالق کی برکتوں سے محروم ہے

امام موصوفؒ کے زمانہ میں بھی بعض کم فہم یا متعصب لوگوں نے ان کو رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا تھا جس کا جواب امام موصوفؒ نے یوں دیا کہ :-

عجبا للناس یقولون اذنی بالترائی ما افقی
 الوباء شر الخبیات الحسان ص ۲۰ و تبیین
 الصیغہ ص ۲۵ و الجواهر المزییدہ ص ۲۰
 لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ
 دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتویٰ
 دیتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ :-

لا تقولوا فی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ
 ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث -
 تم یہ نہ کہا کرو کہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا
 کرو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔

(ذیل الجواهر ج ۲ ص ۱۷۱)

امام عبداللہ بن المبارکؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

لیکن الذی نعتمد علیہ الاثر ص ۲ من الثالث
 ما یفسر الحدیث (جامع بیان العلاء
 تیرا اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے اور رائے و فہم سے
 اتنا احتیاط ضرور حاصل کرو جو تیرے لیے تفسیر
 حدیث میں ملے ہو۔

(ج ۲ ص ۱۲۲)

امام صدر الاممہؒ کی اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کرتے ہیں
 انہوں نے فرمایا کہ :-

عَلَيْكَ بِالْأَثَرِ وَلَا بَدَلًا لِمَنْ أَلَى حَنِيفَةَ
 فَيَعْرِفُ بِهِ تَأْوِيلَ الْحَدِيثِ وَمَعْنَاهُ ۱۱
 (مناقب موفق ج ۵ ص ۵۳)

حدیث و اثر کا لینا تم پر لازم ہے لیکن اثر کے لیے
 امام ابو حنیفہؒ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی وجہ سے
 حدیث کی تفسیر اور اس کا معنی سمجھا جاسکے۔

اور علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے روایت کرتے
 ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ۱۔

ان كان الاثر قد عرفت واحتيج الى الترائي
 فرائي مالك وسفيان وابي حنيفة وابي حنيفة
 احضهم وادقهم فطنة واعوهم على الفقه
 وهو فقه الثلاثة ۱۲

اگر اثر و حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت
 پیش آئے تو امام مالکؒ، امام سفیانؒ،
 اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے
 اور ابو حنیفہؒ ان سب میں فقہ کی تہہ تک پہنچنے
 والے اور ان تینوں میں بڑے فہم تھے۔

(بغدادی ج ۱۳ ص ۲۲۲)

یہ رائے کبھی تو حدیث کے منطوق کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مضموم کے موافق۔ اگر
 حدیث سے اس طرز استدلال کا کسی نے اندازہ لگانا ہو تو وہ حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث
 امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے ابواب و تراجم سے لگا سکتا ہے کہ بعض مقامات میں حافظ الدنیا
 امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے اساطین حدیث و فقہ بھی حدیث اور ترجمہ الباب کی تطبیق کرنے میں حیران
 و ششدر رہ جاتے ہیں اور توجیہ پر توجیہ کہتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر دعویٰ اور دلیل
 کی مطابقت نظر نہیں آتی۔ مگر نہایت باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہوتی ضرور ہے اسی
 لیے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاری فی الأبواب والترجم۔

انتہائی ناسٹف کی بات ہے کہ اگر کوئی ایسی ہی دقیق اور باریک فقہی دلیل حضرت امام ابو حنیفہؒ
 کسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں تو جھٹ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے مخالف و منکر ہیں
 اور علمی ترکش اس مقام میں توجیہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور بدگمانی اور سوہ ظن کا تامل خیر محمدؐ سینوں
 اور سفینوں میں ابلنے لگتا ہے اور جی بھر کر کہنے والے ان کہنی یا تین کہہ گزرتے ہیں۔

مشہور محدث علی بن خشرمؒ درالمتوفی ۲۵۴ھ جو ثقہ تھے تہذیب ج ۱ ص ۲۱۶ کا بیان ہے کہ:-

کنا فی مجلس سفیان بن عیینة فقال یا
 ہم امام سفیان بن عیینة کی مجلس میں تھے انہوں نے

اصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لہ
 یقہرکہ اصحاب التائی ماقال ابوحنیفۃ
 شیئاً اذ و عن نرومی فیہ حدیثا و حدیثین لہ
 فرمایا کہ اے اصحاب الحدیث تم حدیث میں تفقہ
 پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب اللہ نے تم پر غالب آجائیں
 امام ابوحنیفہ نے کوئی چیز ایسی نہیں کہی جس میں ہم ایک
 یاد و حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی کہ اصحاب اللہ نے اکام تفقہ فی الحدیث رکھے۔
 یہی وجہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ اصحاب الحدیث کو اصحاب اللہ کی طرح تفقہ فی الحدیث
 کی ترغیب دے رہے ہیں اور دوسری یہ بات ثابت ہوتی کہ جو کچھ بھی حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا
 ہے اس میں بقول امام سفیان بن عیینہ ایک یاد و حدیثیں موجود ہیں، اس سے زیادہ امام صاحب
 کی رائے و فقہ کے حدیث کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل درکار ہے کہ امام حدیث اس کی تائید
 کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے جو کچھ کہا ہے ہم اس میں ایک یاد و حدیثیں ثابت
 کرتے ہیں گویا امام صاحب کا قیاس و اجتہاد عین حدیث کے مطابق نکلا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں اور
 حضرات صحابہ کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز رائے اور قیاس کا کام نہ لیتے تھے اور نہ
 ان کی رائے احادیث و آثار سے بے نیاز ہوتی تھی۔ امام ابو القاسم عثمان بن محمد بن عبداللہ بن سالم
 التیمی (المترقی) نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے کہ :-

وضع القیاس ابوحنیفۃ کلمۃ فاتی باوضح حجۃ و قیاس

تمام قیاس کی بنیاد ابوحنیفہ نے رکھی ہے اور اس میں انہوں نے واضح حجۃ اور قیاس کا کام لیا

و بنا علی الآثار رأساً و بنا علی فانت عوامض علی الاساس

اور انہوں نے اپنے قیاس کی عمارت احادیث پر رکھی اس لیے اسی بایکیاں مضبوط بنیاد پر کھڑی ہیں

باوجودیکہ حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے و قیاس کی بنیاد قرآن و سنت اور حضرات صحابہ کے

کے اجماعی مسائل پر قائم ہے اور باوجود اس کے کہ امت کی اکثریت ان کی اصابت رائے کی

تعریف کرتی اور ان پر اعتماد کرتی ہے۔ معذرتاً ان کی وسعت نظری اور علم دوستی کا حال یہ تھا

کہ وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ :-

ہذا الذی عن فیہ رأی لأخبر لحد علیہ
ولا نقول یجب علی احد قبولہ بکراہیۃ
فمن کان عنده شیئی احسن منه فلیأت
به امر الانتقاء مثلاً واللفظ له والخیرات
یہ جو ہم نے اختیار کی ہے لائے ہے ہم اس پر کسی
کو مجبور نہیں کرتے اور نہ کہتے ہیں کہ بکراہت اس
کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے، اگر کسی کے پاس اس
سے بہتر لائے ہو تو وہ اس کو لے آئے۔
الحسان ص ۲۷

علامہ خطیب بغدادیؒ امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ :-

ہذا رأی وهو احسن ما قدرنا علیہ فمن
جاءنا باحسن من قولنا فهو اولی بالصواب
منا۔ (مآخذ بعد اد ج ۱۳ ص ۲۵۵)
یہ وہ اچھی لائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے ہیں اور
جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول ہمارے پاس لائے
تو وہ ہمارے قول سے زیادہ اولیٰ اور بہت درست
ہوگا۔

اور امام شعرائیؒ ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ :-

وکان اذا افتحی یقول هذا لائے ابی حنیفۃ
وهو احسن ما قدرنا علیہ فمن جاءنا
منه فهو اولی بالصواب اه
جب وہ فتویٰ دیا کرتے تھے تو صاف فرماتے تھے
کہ یہ ابو حنیفہ کی لائے ہے جس پر ہم عُدگی کے ساتھ
قادر ہوئے ہیں جو شخص اس سے بہتر لائے پیش کئے
تو اس کی لائے زیادہ قابل قدر ہوگی۔
(میزان ج ۱ ص ۱۷ طبع مصر)

انذارہ کیجئے اس بے نفسی اور تواضع کا کہ اپنی لائے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور
نہ اپنی لائے بکراہت کسی کے گلے میں مٹھنا چاہتے ہیں، بایں ہمہ تقریباً نصف امت
سے زیادہ حضرات نے ہر دور میں ان کی لائے کو محض اس لیے قبول کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ
کرامؓ کے بعد پوری امت میں ان کی لائے سے بہتر لائے کسی کی ان کو نظر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے
کہ چوٹی کے محدثین کرامؓ اور فقہاء عظامؓ ان کی لائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے
ہے ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر مصرح ہے۔

الحاصل بلاشک امام صاحب اور آپ کے اصحاب اہل الرائے ہیں مگر مذموم اور قبیح لائے
کا انہوں نے ہرگز ارتکاب نہیں کیا اور نہ فی نفسہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تفیض امر اور باعث

توہین صفت ہے۔ ہاں اگر کوئی جاہل یا متعصب اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا تشریح کے پختے ہونے رائے اور اہل الرائے کی تزییل کرتا یا ان سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے تو اس کا علاج اس جہان میں کچھ نہیں ہو سکتا، آنے والے جہان ہی میں اس کی قلعی کھلے گی انشاء اللہ العزیز۔

پنا نچر امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

اعلم انه يتعين عليك ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابي حنيفة واصحابه انهم اصحاب الراي ان مرادهم بذلك تنقيصهم ولا نسبتهم الى انهم يقدمون رايهم على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا على قول اصحابه لانهم براء من ذلك فقد جاعن ابي حنيفة من طلق كثيرة ما ملخصه انه اول ما يأخذ بما في القرآن فان لم يجد قبالة فان لم يجد بقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الى القرآن او السنة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قوله يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا - اه

(الخيرات الحسان ص ۲۶ و ص ۲۷ طبع مصر)

تھے جاننا چاہیے اور تم پر یہ بات لازم ہے کہ تم علماء کے ان اقوال سے جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے کہا ہے یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے ان کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کی اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہؓ کے قول پر مقدم کرتے ہیں حاشا وگلا وہ اس سے بالکل بری اور بیزار ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتے تھے، اگر اس میں ان کو حکم نہ ملتا تو سنت پر عمل کرتے تھے، اگر سنت بھی نہ ملتی تو حضرات صحابہؓ کا قول لیتے، اگر حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا تو ان کا جو قول قرآن یا سنت کے قریب تر ہوتا اس کو لے لیتے اور ان کے قول سے خارج نہ ہوتے اور اگر حضرات صحابہؓ کا قول بھی ان کو نہ ملتا تو تابعین کا قول نہ لیتے بلکہ جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح وہ خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول میں بالکل واضح ہے، مزید کی تفصیل کی محتاج نہیں ہے

اہم عبد الوہاب شحرانی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ :-

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام
ابلحیفة الی انه یقدم القیاس علی
حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اعلم ان هذا الکلام صدر من متعصب
علی الامام مہمور فی دینہ غیر متورع
فی مقالہ غافل عن قوله تعالی ان التمع
والبصر والنواد کل اولئک کان
عنه مسودا ھ

(میزان جلد اولہ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کی بات کو ضعیف بنانے میں
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم کرتے
ہیں جاننا چاہیے کہ یہ کلام امام موصوف کے بارے
میں اس شخص سے صادر ہوا ہے جو متعصب ادین
میں بے باک اور گفتگو میں پرہیز کرنے والا نہیں ہے
اور وہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے کہ
بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے
میں اس سے پوچھ ہوگی۔

اور اس پر اچھی خاصی بحث کرنے کے بعد آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

فعلہ من جمیع ما قدرناہ ان الامام
یقیس ابتدا مع وجود النص كما یزعمہ
المتعصبون علیہ وانما یقیس
عند فقد النص ھ

(میزان ج اولہ)

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ :-

قاولہم تبیحا من کل رأی یخالف
الشریعة الامام الاعظم ابوحنیفہ النعمان
بن ثابت رضی اللہ عنہ خلافت مائضیفة
الیہ بعض المتعصبین ویافضیفة یوم
القیامة من الامام اذا وقع الوجه فی الوجه
ھ (میزان ج اولہ)

ہم نے جو بحث کی ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو
گیا ہے کہ امام موصوف نص کی موجودگی میں کبھی قیاس
نہیں کرتے تھے جبکہ متعصبین نے ان پر یہ الزام تھرایا
ہے، ہاں وہ اس وقت قیاس کرتے تھے جب
نص موجود نہیں ہوتی تھی۔

ان ائمہ میں سے سب سے پہلے نمبر پر ہم ایسی رائے سے
جو شریعت کے مخالف ہو بیزار ہوتے ہیں امام غلام ابوحنیفہؒ
ہیں برعکس اس کے کہ جو خیال متعصب لوگ ان کی
طرف نسبت کرتے ہیں کیا ہی رسوائی ہوگی ایسے
متعصب کی قیامت کے دن جب کہ وہ امام متعصب
کے رُدر رُو ہوگا۔

نطف کی بات یہ ہے کہ امام موصوف اور آپ کے اصحاب کی یہ صفائی پیش کرنے والے حقیقی نہیں تاکہ مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی کا الزام ان پر عائد نہ کیے ان کی تصریحات کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ حضرات شافعی المسلک ہیں اور امام شہرانی تو وہ بزرگ ہیں جن کی متعدد عبارات سے مولانا میر صاحب نے تاریخ الحدیث میں اور مولف نے تاریخ التقلید نے (مثلاً دیکھئے ص ۷۰ وغیرہ) استدلال و احتجاج کیا ہے، اور ان کے علم و دیانت پر کئی اعتماد کیا ہے۔

یہی امام شہرانی باوجود شافعی ہونے کے احناف کے دلائل و براہین کی قوت سے متاثر ہو کر بیباک و ہل یہ فرماتے ہیں کہ :-

یہ فصل ان لوگوں کے اس قول کی تضعیف میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل غالباً ضعیف ہیں اے میرے بھائی تو جان لے کہ بے شک میں نے بحمد اللہ تعالیٰ مذاہب اربعہ کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور خصوصیت سے امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کا سو میں نے ان کے مذہب کو دلائل کے مزید اہتمام کے ساتھ دیکھا ہے چنانچہ میں نے احادیث ہادیہ کی تحریر پر جس حافظہ طبعی کا نصب الزام اور اسی طرح اور کثرت شروع دیکھی ہیں، میں نے امام صاحب پر ان کے اصحاب کے اولہ ملاحظہ کیے ہیں جو صحیح یا حسن حدیث کی طرف راجح ہیں یا ایسی ضعیف حدیثیں ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے حسن یا صحیح کے ساتھ جا ملتی ہیں اور تین سے دس طرق تک سے مروی ہیں جن سے احتجاج صحیح ہوتا ہے۔

فصل فی تضعیف قول من قال ان ادلة
مذہب الامام ابی حنیفۃ ضعیفۃ غالباً
یا اخی اتی طالعت بحمد اللہ تعالیٰ ادلة
المذہب الاربعۃ لاسیما ادلة مذہب الامام
ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ فانی خصصتہ بمرید
اعتناء و طالعت علیہ کتب تخریج احادیث
الہدایۃ للمفاظ الذلیعی وغیرہ من کتب الشرح
فرایت ادلتہ رضی اللہ عنہ و ادلة اصحابہ
ما بین صحیح او حسن او ضعیف کثرت طرقہ
حتی لحق بالسنن او الصحیح فی صحیحہ الاحقیاج
بہ من ثلاثۃ طرق و اکثر لثی عشرة اھ
(میزان ج ۱ ص ۵۵ طبع مصر)

امام شہرانی ہی کہتے ہیں کہ :-

جس شخص نے ان ائمہ کے کسی قول پر یقین کیا ہے تو محض

وانہ ما طعن احدی قول من اقوالہم الا

لہلہ بہ امامن حیث دلیلہ وامامن حیث
 دقة مدارکم علیہ لوسیما الامام الاعظم
 ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ الذی اجمع السلف والخلف علی کثرة
 علمہ وورعہ وعبادتہ ودقة مدارکہ و
 استنباطاتہ (میزان جلد ۱ ص ۱۵۶)

جمالت کی وجہ سے کیا ہے، یا تو وہ دلیل کو نہیں
 سمجھ سکا اور یا وہ وجہ قیاس کی باریکی کو نہیں سمجھ سکا
 خاص کر امام عظیم ابوحنیفہ پر طعن تو قابل التفات
 ہی نہیں کیونکہ سلف و خلف ان کے کثرت علم،
 ورع، عبادت و وجہ قیاس و مدارک اور استنباطات
 کی وقت اور باریکی پر شفق رہے ہیں۔

مشہور محدث ابو جبر الآجری (المتوفی ۳۲۰ھ) نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں بعض سے
 یہ نقل کیا تھا کہ نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث۔ اس قول کو نقل کئے کے امام شعرائیؒ
 لکھتے ہیں کہ ۱۔

فان المس لا یصدق هذا القائل فنیما
 قاله فی حق الامام ابی حنیفة وقد
 تثبتت بحمد اللہ اقوالہ واقوال اصحابہ
 لما آلت کتاب ادلة المذاهب فلم اجد
 قولا من اقوالہ واقوال اتباعہ وهو مستند
 الی الیة او حدیث او اثر او مفہوم ذالک
 حدیث ضعیف کثرت طرقہ، والی قیاس
 صحیح علی اصل صحیح الخ
 (میزان ج ۱ ص ۱۵۶)

اس قائل نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے
 جس سے اس کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ میں نے بحمد اللہ
 تعلقے جب کتاب ادلة المذاهب تالیف
 کی تو اس وقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے
 دلائل دیکھے ہیں میں نے ان کا اور ان کے اصحاب
 کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو آیت یا حدیث یا
 اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے
 طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے قیاس کی طرف مستند
 ہو جو اصل صحیح پر مبنی ہے۔

اگر یہ حوالہ کسی حنفی عالم کا ہوتا تو مشہور کماوت کے مطابق گھر کی مرعنی وال برابر کہہ کر
 اس کو ٹرٹا یا جاسکتا ہے مگر یہ حوالے تو امام عبد الوہاب کے ہیں جو بقول میر صاحب کے شافعی تھے
 لیکن بہت متاؤب و حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۱ اور یہ بیان بھی وہ مذاہب اربعہ
 کے دلائل گواہ نہ کرنے کے بعد دیتے ہیں۔

خبر واحد قیاس پر مقدم ہے۔

فتاویٰ احناف کثر اللہ جامعہ تم کی یہاں تک تصریحات موجود ہیں کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب در مختار (مصنفہ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی الحنفی المتوفی ۷۵۵ھ) اور اس کی شرح رد مختار (مؤلفہ علامہ محمد امین الشافعی المتوفی ۱۲۵۲ھ) میں فقہانہ انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیہ
اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث پر کوئی چیز وقف
کی تو شافعی المسلک اس میں داخل نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ
حدیث کی طلب نہ کرتا ہو اور حنفی اصحاب الحدیث
الحنفی کان فی طلبہ اولاً۔
کے نمرہ میں داخل ہے عام اس سے کہ وہ طلب
حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔

اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:-

لکونہ یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد
اس لیے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں
اور خبر واحد قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں (لہذا وہ
الحدیث کا اذہن مصداق ہے)

اس عبارت سے جہاں صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے
اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مطلقاً اصحاب الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے احناف ہی
مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسلک مرسل کو تسلیم نہیں
کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے اگرچہ وہ
طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں کیونکہ وہ اصولاً سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر
شافعی المسلک حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث
کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقت کے حقدار ہیں۔ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے
میں ہم نے اپنی مبسوط کتاب احسن الکلام میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے وہاں ہی اس کا
مطالعہ کر لیجئے۔

اسمائی حیرت اور سخت تعجب کی بات ہے کہ زمانہ حال کے نو ایجاد فرقہ نے اہل حدیث کا لقب دوسروں کے گھروں سے چھین کر اپنے لیے الاٹ کر رکھا ہے اور ان کو اصحاب الحدیث یا اہل حدیث کہنے اور لکھنے پر مجھو لے سے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے مقام پر اس کی بحث آئے گی انشاء اللہ العزیز مگر انقلاب زمانہ اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ غیر معتدین کا تعصب بھی عروج پر ہے۔ باقی رہا غیر معتدین حضرات کا یہ بے جا وہم کہ حنفی صحیح حدیث کے مخالفت ہیں یا وہ اس وقت بھی اپنے اہم کے قول کو اخذ کرتے ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ صرف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور بس، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفی تقلید واجب اور علم کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تقلید واجب کی نشانی بتاتے ہیں کہ :-

اور اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے وامارۃ هذا التقليدان یکون علیہ بقول
المجتہد کا مشروط بكونه موافقا للسنة
فلا یزال متفحصا عن السنة بقدر
الامکان فمخفی ظہر حدیث یخالف قوله
هذا اخذ بهذا الحدیث والیہ اشار الائمة
(عقد الجید ص ۷۷ طبع لاہور)

اور تقلید حرام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

اگر اس کو حدیث پہنچ جائے اور اس کی صحت کا اٹے
یقین بھی آجائے مگر بائیں ہمہ وہ اس کو اس لیے قبول
نہیں کرنا کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ
اعتقاد فاسد اور کھوٹا قول ہے اور نقل و عقل اس کی
شہادت نہیں دیتے اور قرون ماضیہ میں ایسا کوئی
ذالك (عقد الجید ص ۷۵)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ :-

جب حدیث صحیح ثابت ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور حدیث پر عمل کرنا اہم ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے ان کا مقلد حنفی ہونے سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام صاحبؒ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے (انہوں نے فرمایا) کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ احناف کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ:-

ان مذہبہم القوی تقدیر الحدیث الضعیف علی القیاس المجرّد الذی یحتمل التزییف (مرقات ج ۳ طبع مصر)

احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر چوتزییف و کمزوری کا احتمال کرتے ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو حضرات حدیث ضعیف کو بھی قیاس مجرد پر مقدم سمجھتے ہوں ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہوں گے؟ باقی اگر کسی حنفی عالم کے کسی غلط استدلال سے یہ تاثر پیدا کر لیا گیا ہو تو یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب ہم حضرات مجتہدین کو معصوم عن الخطا تسلیم نہیں کرتے تو غیر مجتہد کو یہ مقام کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ اور نہ ایسی خطاؤں پر حنفی مسلک کا مدار ہے کیونکہ بات ایسے اجتہاد اور قیاس کی ہو رہی ہے جو صحیح ہو۔

ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے۔

علماء احناف نے حدیث کے بارے میں جو احتیاط کی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی یہ الگ بات ہے کہ دائرہ تحقیق میں رہ کر ان سے علمی مناقشہ کیا جاسکتا ہے اور ان کی عائد کردہ شرطوں میں شدت اور سہل انگاری پر گرفت کی جاسکتی ہے، یہ علمی میدان ہے اور اس میں انصاف و دیانت کے ساتھ ہر اہل علم کو اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے مگر امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجرؒ مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقال ابن حزم جميع اصحاب ابي حنيفة
 جمعون على ان مذهبه ان ضعيف
 الحديث اولى عنده من القياس
 (الحيرات الحسان ص ۲۷)

اور نواب صاحب لکھتے ہیں کہ :-

وذكر ابن حزم الاجماع على ان مذهب
 ابي حنيفة ان ضعيف الحديث اولى
 عنده من المرئى والقياس اذا لم يجب
 في الباب غيره (دليل الطالب ص ۸۸)

کیسے اور کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہی یہ ہے
 کہ ضعیف حدیث بھی قیاس و رائے سے اولیٰ ہے اور اس پر علامہ ابن حزم جیسے وسیع النظر
 محقق عالم اجماع نقل کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے
 مقابلہ میں رائے قائم کرتے ہیں اور بایں معنی وہ صاحب الرائے ہیں کہ قرآن و حدیث کو محل التردد
 میں درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) اور ان کا آثار اور دلائل و براہین کی کائنات
 ہی فتنہ رائے ہے یہ خیال کس قدر غلط ہے بنیاد اور محض جہل و تعصب کی پیداوار ہے
 نعوذ باللہ من شرور النساء۔

پہنچنے علامہ خطیب بغدادی اور امام سیوطی مشہور محدث عبدالرشید بن داؤد الخزازی (المؤلف
 ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور القدمتے جاتذکرہ ص ۳۸) سے نقل کرتے ہیں۔
 انہوں نے فرمایا کہ :-

الناس في ابي حنيفة حاسد وجاهل و
 احسنه عتدى حاد و الجاهل۔
 (بغدادی ج ۱۳ ص ۲۶۷ و تبیض الضمیر ص ۲۷)

اور امام عبدالرشید بن المبارک، قاضی الحسن بن عمارہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام حنیفہ
 اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحب کے
 نزدیک قیاس (ورائے) سے اولیٰ ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع
 ہو چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف
 حدیث ان کے نزدیک قیاس و رائے سے اولیٰ ہے
 جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے۔

لوگ ابوحنیفہ کے بارے میں حاسد اور جاہل واقع ہوئے
 ہیں اور میرے نزدیک ان میں سے اچھی حالت
 والا جاہل ہے۔

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ وہ۔
وما يتكلمون فيك الا حسداً۔
لوگ آپ کے بارے میں محض حسد کی وجہ سے
کلام کرتے ہیں۔

(بعند ادا ج ۱۳ ص ۲۶۷)

یہ یاد رہے کہ جاہل سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کلام کرنے والے علم ہی سے جاہل ہیں بلکہ جاہل سے مراد یہ ہے کہ باوجود محدث فہیتہ اور عالم دین ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صحیح علم اور طرز استدلال اور فتاہت کے انداز سے ناواقف ہوں یا اس طور کہ ان کا زمانہ نہیں پایا، ان سے اور ان کے اصحاب سے تنفر کی بنا پر ان کی کتابیں نہیں دیکھیں یا حاسدین کے غلط پوسٹنگز سے متاثر ہو کر امام صاحبؒ کے علمی مقام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی وغیر ذلک۔ اس مقام پر الجاہل کے لفظ سے ایسے ہی حضرات مراد ہیں اگرچہ وہ اپنے مقام پر اکابر محدثین، ائمین علم اور پایہ کے محققین ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کرتا اور پرانی کے ساتھ ذکر کرتا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

حسد والفتی اذله بنا لوافضله
لوگوں نے اس فتیان سے حسد کیا جو اس کے رتبہ کو نہ پہنچ سکے
فالقوم اعداء له وخصوم
سو قوم ان کی مخالفت اور دشمن بنی ہوئی ہے
كضرائر الحسناء قلن لنوجهها
حسدًا وبعيا انها لدميد
جس طرح خوب تو عورت کی سونکین اس کے غاوند سے حسد اور زیادتی کرتی ہوئی یہ کہتی ہیں کہ وہ تو بد صورت ہے
(ذویل الجماہر ج ۲ ص ۲۶۸)

حافظ ابن عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ونقموا ايضاً على ابي حنيفة الارجاء ومن
اهل العلم من ينسب الى الارجاء كثير
لعين احد بنقل قبج ما قيل فيه كما عنوا
بذالك في ابي حنيفة لامامته وعان ايضاً
مع هذا يحسد وينسب اليه ما ليس فيه و
لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ارجاء کی وجہ سے بھی
عیب جوئی کی ہے اور اہل علم میں سے بہت سے
حضرات ایسے ہیں جو ارجاء کی طرف نسبت کئے گئے
ہیں لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی امامت کی وجہ سے
اس میں پراہنوں مراد لی گئی ہے، اوروں کے متعلق ایسا

ویمتعلق علیہ ما ینلیق وقد اثنی علیہ
 جماعة من العلماء وفضلوه اھ
 (جامع بیان العلم بما من الاطیع مصر)

نہیں کیا گیا۔ علاوہ ان کے ساتھ صحیحی کیا گیا
 رہے اور ایسی چیزیں تراش تراش کر ان کی طرف نسبت
 کی گئی ہیں جو ان میں نہ تھیں حالانکہ علماء کی بڑی عبادت
 نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور ان کی فضیلت
 کا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجع ہونے کی بحث ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے
 ہیں۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ ان صریح اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ
 بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور عیوب تراش تراش کر اور گھڑ
 گھڑ کر بیان کرنے میں حاسدین کا بھی کافی سے زیادہ دخل ہے اور تاریخی اور ٹھوس واقعات کے
 پیش نظر اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور غلط فہمی اور جہالت کی وجہ سے ان کے بارے میں غیر
 صحیح نظریہ قائم کرنا تو دھکی چھٹی بات ہی نہیں ہے۔ اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ فہم و بصیرت
 اور دیانت سے صرف نظر کر کے کوئی شخص امام صاحب کا مقام نہیں سمجھ سکتا۔

بھٹکتا ہی ہے گا اپنی منزل پر نہ پہنچے گا

نہیں ہیں رہ روی سے جس کی آداب بفریدا

اور اس میں امام ابوحنیفہؒ ہی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس کے ساتھ بھی ضد و عدوت
 ہوتی ہے یا جس کے علمی تفوق اور کمال کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسی کاروائیاں
 ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قائل کی مراد کو نہیں سمجھا جاتا اور
 کو تاہ فہمی کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف کی نسبت آتی ہے اور غلط کار لوگوں کے ناروا
 پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر کسی نیک سے نیک آدمی کے متعلق بھی غلط سے غلط نظریہ پیدا ہو جاتا
 اس پر متنازعہ ہے خصوصاً اُس دور میں جس میں نہ اخبارات تھے نہ ریڈیو اور نہ دیگر بیمرعلت
 خبریں پہنچانے کے ذرائع اور نہ جلدی سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع
 ہی آسانی سے دستیاب تھے اور نہ پریس اور مطبع تھے تاکہ بزرگوں کی اپنی کتابیں بکھرت
 اور بجلت طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجاتیں اور وہ اصل کتابوں کو پڑھ کر ان کے

نظریات معلوم کر لیتے الغرض پہلے زمانوں میں تو کسی کے بارے میں غلطی فہمی کا ہاتھی رہ جانا کوئی زیادہ مستعد امر نہ تھا اس روشن دور میں باوجودیکہ غلطی فہمی کے اسباب کے ازالہ کے لیے بے شمار ذرائع موجود ہیں اگر کوئی شخص بزرگان دین کے نظریات ملاحظہ کر کے بھی اپنی ضد کو ترک نہ کرے تو سوائے معتدب کے اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تعصب اور ضد سے محفوظ رکھے، اس کے بغیر کوئی اس سے نجات دے ہی نہیں سکتا۔

باب ششم

مذموم لائے

بعض اصابت آٹا صاف اور احوال علماء سے لائے کی مذمت اور قباحت بھی ثابت ہے جس سے حقیقت ناشناس ہتھکڑ اور خود غرض لوگوں نے بلا کسی تفصیل کے ہر قسم کی لائے کو مذموم ٹھہرانے کی نامہارک سعی کی اور سادہ لوح عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اہل اللہ کے دل کھول کر توہین کی ہے اور اس نامہور راستے کے ذریعہ مطلب پرستی کی مغوس منزل تک رسائی حاصل کرنے کی بے جا کوشش کی ہے، اس لیے بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عنوان کو بھی قوی سے وضاحت پیش کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کریں تاکہ اصلیت کے خوبصورت چہرہ تک پہنچا دشوار نہ ہے اگرچہ وہ کوئی سیر نہماں نہیں ہے۔

نقاب رخ سے ہر جانب شعاعیں ٹھونکنے لگی ہیں
ایسے اوچھلنے والے، حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

چنانچہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:

ومن قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعداً
من النار (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۱ وقال حسن
جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ نوزخ
میں اپنا ٹھکانہ بنے۔

ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ ۱۔

من قال فی القرآن براءۃ فاصاب فقتہ
نخطاء (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸
اور جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور
اس کی بات درست بھی نکلی تو اس نے خطا کی۔
ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵)

اس کی سند میں سہیل بن عبد اللہ واقع ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ فیر ہے۔ صرف
نظر اس کلام سے اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو خود قرآن و سنت کی
روح کے خلاف ہو اور نرمی رائے سے ہو اس کے مذموم اور قبیح ہونے میں کیا کلام ہے؟ اور اگر
وہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس لحاظ سے وہ غلط ہے کہ نرمی رائے سے اقدام کرنا جرم تھا۔
ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت
شتر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تمام فرقوں میں میری اُمت کے حق میں فتنہ
گروہ قوم ہوگی۔

یقسون الامور براءۃہم فیملون الحرام
ویجرمون العدل و مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۳۳
جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرے گی سو وہ حلال
کو حرام اور حرام کو حلال بنا کر ہی دم لے گی۔
وقال صحیح علی شرطہما و جمع الزوائد
ج ۱ ص ۱۰۱ و تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۰)

اس حدیث کے بارے میں حضرت امام بیہقی بن معین نے فرمایا ہے کہ لا اصل لہ
(اس کی کوئی اصل نہیں ہے) (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۰۰ میخان الاعتدال ج ۵ ص ۵۲۵ و تہذیب
التہذیب ج ۱ ص ۱۰۱) اور اس کی سند میں نعیم بن حماد واقع ہے جس پر کڑی صرح پہلے نقل کی جا چکی
ہے۔ امام حاکم نے اگرچہ اس کو صحیح علی شرطہما کہا ہے لیکن علامہ ذہبی نے تخیض متدرک
میں سرے سے اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام حاکم چونکہ متساہل فی الحدیث ہیں (ملاحظہ ہو
احسن الکلام ج ۲ ص ۵۴) اس لیے ان کی اس تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کے مختلف
طریق جمع کرنے میں بعض دیگر محدثین کی طرح علامہ خطیب بغدادی نے کم و بیش چار صفحات
میں مبسوط بحث کی ہے اور آخر میں فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ :-

فقال كل من حدث به عن عيسى بن يونس غير نعيم
 بن حماد فانما اخذه من من نعيم (ج ۱۳ ص ۳۱)

کہ عیسیٰ بن یونس سے جس نے بھی نعیلم بن حماد کے علاوہ
 یہ روایت لی ہے تو وہ نعیلم ہی کے طریق سے ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ دار و مدار ہی نعیلم بن حماد پر ہے اور وہ مکشوف الحال ہے۔ مولانا میر صاحب
 نے (تاریخ الحدیث ص ۶۱ میں) نعیلم بن حماد پر جرح نقل کرتے ہوئے اس حدیث پر بھی کلام کیا ہے
 وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ قطع نظر اس کی بحث کے یہ حدیث ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حلال
 یا حرام کو بلا ثبوت شرعی محض اپنے قیاس سے حرام یا حلال بنا دیں اور ظاہر بات ہے کہ حدیث و
 حرمت تو نص ہی سے ثابت ہو سکتی ہے تو ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو یقیناً مذموم ہے
 اور ایسے لوگ جو نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہوں باعتراف صد نقرین ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبی اسرائیل اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان
 میں مولدوں (دوغلے) پیدا ہوتے جو قیدیوں اور غلاموں کی اولاد سے تھے۔

فوضعوہم فی النار (رد المحتار ص ۴۸۶)

سو انہوں نے رائے پر عمل کیا اور نگراہ ہو گئے۔
 اسکی سندیں کئی ہیں تعلیق المغنی ص ۴۸۶ میں ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ ام ابیہم فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کی حدیث کے
 ترک پر متفق ہیں جو زبانی فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا ام ابیہم بن جابر فرماتے ہیں کہ اسکا جھوٹ بالکل واضح تھا (تہذیب السنن ص ۱۸۱)
 تعلیق المغنی ص ۴۸۶ میں مجمع الزوائد سے بزار کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ فریغ روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے۔
 فافتوا بالرأي فضلا و اضلوا۔

مگر اسکی سندیں قدس بن الربیع واقع ہے بعض محدثین اس کی توثیق کرتے ہیں اور اکثر انکی تضعیف کرتے ہیں ام ربیعؓ
 فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن عیین انکو ضعیف الحدیث لایساری شیعہ کہتے ہیں۔ ابن عیینہ اسی تحت تضعیف کرتے ہیں
 ابو ہریرہؓ انکو کھردر کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ نسائی ان کو متروک الحدیث کہتے ہیں ام احمدؓ
 فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ بھی تھا اور حدیث میں خطا کرتا تھا۔ ابن سعد ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ عجللی دارالقطنی اور الراحمہ الحدیث
 بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۳ تا ۳۹۵ محصلہ)

اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے (ابن عیینہ مجمع الزوائد ص ۱۸۱) مجمع الزوائد کی منکر ام ابیہم بن القطان نے
 تحسین کی ہے لیکن اسکی سندیں وہی قدس بن الربیع ہے اور ابن ماجہ کی سندیں سوید بن جعد واقع ہے جس پر بعض محدثین نے فاسد کلام کیا ہے
 (دیکھئے تہذیب السنن ص ۲۸۳) علاوہ ان میں مذموم رائے کی قباحت اور برائی میں کیا کلام ہے؟ اسکی مزید تحقیق آ رہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

حضرت عمر بن الخطاب نے ارشاد فرمایا کہ:-

تم اصحاب اللہ سے بچو کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں، احادیث کا یاد کرنا تو ان کے بس کا روگ نہیں لہذا انہوں نے رائے پر عمل کر کے گمراہی اختیار کی اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

ایتاکم واصحاب الرائی فانہم اعداء السنن اعیتہم الاحادیث ان یحفظوها فقالوا بالترائی فضلووا واضلوا۔

ردا قطنی ۲۲ ص ۴۸۶

اس کی سند میں مجاہد بن سعید واقع ہے۔ یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے بعض اس کی توثیق اور اکثر اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن سعدی ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ امام احمد ان کو محض بیع تصور کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ لا یتعجب حدیثہ۔ داؤد اوڈی کہتے ہیں، قوی نہیں، لسانی سے بھی ایک روایت میں ان کی تضعیف منقول ہے۔ ابن سعد ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ لیجوز الاحتجاج بہ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲ دمل) کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

انتہائی حیرت ہے کہ ایسی ضعیف و کمزور اور بے بنیاد حدیثوں سے رائے اور اہل اللہ کی مذمت کی جاتی اور اس پر داؤد تحمیں حاصل کی جاتی ہے اور اپنے موقع و عمل پر رائے کو استعمال کرنے کی صحیح حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن حنیف (المتوفی ۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ:-

یا ایہا الناس اتہموا رئیکم علی دینکم! اے لوگو دین کے بارے میں اپنی رائے کو متم دانگاہاں (بخاری ج ۱ ص ۱۸۸ و مسلم ج ۲ ص ۱۸۱) اعتبار سمجھو۔

حضرت امام بخاری اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ:-

قال ابو عبد اللہ اتہموا رئیکم یقول مالغ یکن فیہ کتاب ولا سنت ولا ینبغی لہ ان ینفتی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو سہم سمجھو، کا یہ معنی ہے کہ ایسی رائے جس میں کتاب و سنت نہ ہو تو ایسی رائے پر فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۸)

اور شرح حدیث اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

ای لا تعلموا فی امر الدین بالرئی المجرّد تم دین کے بارے میں خالی رائے پر جو دین کے کسی اصل

الذی لا یستدل بالاصول من الدین اه کی طرف مستند نہ ہو عمل نہ کرو۔
(ہامش بخاری ج ۲ ص ۱۰۸)

اور امام بخاری نے اپنے صحیح میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے کہ :-
باب ما ینکر من ذم الرأی وتکلف
القیاس اه (ج ۲ ص ۱۰۸)

شرح حدیث بیان کرتے ہیں کہ :-

ای الذی یکون علی غیر اصل من الکتب
والسنة والأجماع واما الرأی الذی یکون
علی اصل من هذه الثلاثة فهو محسوس وهو
الاجتهاد وقوله وتکلف القیاس ای الذی
لا یکون علی هذه الاصول لانها ظن والظن
رد واما القیاس الذی یکون علی هذه الاصول
فغیر مذموم وهو الاعتبار والاعتبار مأمور
فالقیاس مأمور به وذلك لقوله تعالی
فاعتبرولیا اولی الابصار فکان حجة -
(ہامش ج ۲ ص ۱۰۸)

یعنی وہ رائے مذموم ہے جو کتاب سنت اور اجماع
کے اصول پر مبنی نہ ہو اور وہ رائے جو ان تینوں میں سے
کسی اصل پر مبنی ہو تو وہ پسندیدہ ہے اور اس کو اجتہاد
کہتے ہیں اور تکلف قیاس سے ایسا قیاس مراد ہے جو
ان تین اصول پر متفرع نہ ہو کیونکہ وہ نرا گمان ہے اور
ایسا ظن مردود ہے اور رد اوہ قیاس جو ان تینوں اصولوں
میں سے کسی پر مبنی ہو تو مذموم نہیں اور وہ جو تھاہل
ہے جو ان تینوں سے مستنبط ہے اور قیاس کے معنی اعتبار
کے ہوتے ہیں اور اعتبار مأمور ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں لے نظر و بصیرت والو تم اعتبار کرو تو یہ
اعتبار و قیاس حجت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ :-

من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ ولو
فخص به سنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لیدر ما هو منه اذ القی اللہ تعالیٰ
اس کا کیا حشر ہوگا؟

حضرت امام شعبی فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جب تم سے جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کیا کرو۔

وما قالوه براءئہم فالتقہ فی الحش۔ اور جو کچھ وہ اپنی رائے سے کہیں تو تم اس کو ٹٹی میں

پھینک دو۔

(دارمی ج ۱ ص ۶۷)

اور ایسی ہی مذموم رائے سے ائمہ دین گریز کرتے تھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ امام شیبہؒ اتباع آثار و اخبار میں بہت سخت تھے اور (محض) قیاس رائے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔

(تاویل مختلف الحدیث ص ۱۹ طبع مصر)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکام کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ :-

لما رأی لاحد فی کتاب وانما رأی الأئمة فیھا کتاب میں کسی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ائمہ کی رائے

لم ینزل فیہ کتاب ولم تمض فیہ ان چیزوں میں قابل اعتبار ہوگی جن میں کتاب اور

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی نہ پڑتی

ہو۔ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے

اللہ علیہ وسلم و دارمی ج ۱ ص ۶۷ طبع دمشق میں کسی کی رائے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔

وطبع ہند ص ۱۷۱)

ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے قابل اعتبار نہیں جو کتاب و سنت

سے متصادم ہو یا جس رائے کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع اُمت پر نہ رکھی گئی ہو۔ بخلاف

اس کے وہ قیاس اور رائے محمود اور مقبول ہے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو اور اس کے

لیے متعدد دلائل موجود ہیں جن میں ایک اجتہاد بربانی کی مذکور حدیث بھی ہے جو تصحیح محمد بن

یحییٰ کے ساتھ باحوالہ ذکر کر دی گئی ہے۔

حضرت امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (المتوفی ۲۵۵ھ) حضرت عمرؓ سے یہ

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر یہ فرمایا کہ اے لوگو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم جب رائے قائم کرتے تھے تو چونکہ آپ پر وحی آہی نازل ہوتی تھی، اس لیے آپ کی

رائے درست ہوتی تھی اور ہماری رائے تو ظن اور تکلف ہی ہے۔ آگے اس کی تشریح کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

اس سے واللہ اعلم ایسی رائے مراد ہے جو کسی اصل کے مشابہ اور اس پر معین نہ ہو اور اسی کے معنی میں ہے جو حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے رائے کی مذمت میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے اکثر کی یہ ولایت بیان کر دی ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی تو وہاں وہ رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

وانما اراد به والله اعلم الراي الذي يكون مشابهاً باصل وفي معناه ورد ما روى عنه وعن غيره في ذم الراي فقد روي عن اكثرهم اجتهاد الراي في غير موضع النص والله اعلم۔ رسنن الكبرى ج ۱ ص ۱۱ طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن)

حضرت امام بیہقی کے اس واضح اور صریح قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ سے رائے کی مذمت کئے الفاظ آئے ہوں یا کسی اور سے، اس سے مراد وہ رائے ہے جو اصول ثلاثہ کتاب و سنت و اجماع امت میں سے کسی اصل کے مشابہ اور اس پر متفرع نہ ہو اور جہاں نص موجود نہ ہو ایسے مقام پر رائے و اجتہاد سے کام لینا اکثر امت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں ہو گا اور وہ ایسا قاضی ہو گا جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق اُس کا اجتہاد واقع ہو۔ اور دوسرا وہ جس میں جائیں گے۔ ایک وہ ہے جو عمداً حق کے خلاف فیصلہ کرے، اور دوسرا وہ ہے۔

اجتہد رائیہ فلخطاء کہ اُس نے اجتہاد کیا اور اُس کی رائے خطا نکلی۔

امام بیہقیؒ اس کی تفسیر الوالعالیہ (المنتوفی ۹۳ھ) سے نقل کر کے اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ :-

کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو اپنی رائے سے اجتہاد کرے مگر اہل اجتہاد سے نہ ہو سوا اگر وہ اہل اجتہاد سے ہو اور ایسی چیز میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس سے انشاء اللہ اللہ اللہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق جیسا کہ حضرت عمرؓ ابن العاص اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خطا بالکل رفع ہو جائے گی۔

ان الخبر ورد فيمن اجتهد رايه وهو من غير اهل الاجتهاد فان كان من اهل الاجتهاد فلخطاء فيما يوسع فيه الاجتهاد رفع عنه خطاؤا انشاء الله تعالى بحكم النبي صلى الله عليه وسلم في حديث عمر بن العاص وابي هريرة الخ رسنن الكبرى ج ۱ ص ۱۱

حضرت عمرؓ و بن العاصؓ (المتوفی ۳۳ھ) کی روایت یوں ہے :-
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :-

اذا حکم الحاكم فاجتهد فاصاب فله ؛ جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد
 اجماعاً و اذا حکم الحاكم فاجتهد فاطلأ فله ؛ درست نکلے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اس کے
 اجتناب میں خطا واقع ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۲ و مسلم ج ۲ ص ۱۸۱ و سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۱)

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت بھی انہی الفاظ کے ساتھ (مذکورہ کتب اور سنن الکبریٰ
 ج ۱ ص ۱۸۱ وغیر میں) آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اہل اجتہاد سے نہ ہو اور اجتہاد کی آگاہی نہ ہو
 اڑاتا ہو تو وہ بھی قصور وار ہوگا۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اہل اجتہاد ہونے کا شاید ہی کوئی کوڑا
 معترض نکال کرے۔ دیگر علماء کی شہادتیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد ہونے کی تو اپنے مقام پر
 مذکور ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الملک حضرت مولانا السید نذیر حسین صاحب دہلویؒ
 (المتوفی ۱۳۲۳ھ) جن کی تعریف میں مؤلف ندح التقلید نے کافی صفحات لکھے ہیں، حضرت امام
 ابوحنیفہؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ :-

امامنا وسيدنا ابوحنيفة النعمان افاض الله
 عليه شأيب العفو والغفران (معياد الحق ص ۳۱)
 ہمارے امام اور ہمارے سرور ابوحنیفہ نعمان اللہ تعالیٰ
 ان پر عفو و مغفرت کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے۔

اور پھر آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

” ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے، ان کے فضائل
 میں اور آیت کریمہ ان اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ زِينَتٌ ان کے
 لیے ہے۔ (معیاد الحق ص ۳۱ طبع چٹان پریس لاہور و تادیج اہل حدیث ص ۳۱)

نمائندہ حال کے صاحب تصنیف غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے
 ہیں کہ :- خدا کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دُنیا میں
 علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے (الذہبی ج ۱ ص ۳۲۲) نیز لکھتے ہیں
 کہ :- آپ کے ہم عصر لاجل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے علم کی خوبیوں اور بلند یوں
 کے سبب آپ امام عظیم کے لقب سے مشہور ہو گئے، بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی آپ

کے شاگرد امامتِ علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ بہت مشہور ہیں۔ (ایضاً ص ۲۳۴) اور لکھتے ہیں کہ۔ آپ بڑے عابد، زاہد، خدا ترس، متقی، پرمیزگار تھے۔ دل ہر وقت خوفِ الہی سے لبریز رہتا تھا، اللہ کے حضور تفرع کرتے بہتے اور بہت کم بولتے تھے بڑے سلیم الطبع بلند اخلاق پسندیدہ طبیعت منکسر مزاج، طنسار، بردبار عالم باعمل، اور فرشتہ خصلت انسان تھے، تقویٰ اور خوفِ خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ذاتِ آپ کی مسلم تھی (ایضاً ص ۲۳۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی لاجواب اور بے نظیر کتاب میں رافضی کا رد لکھتے ہوئے اس کا اعتراض یوں نقل کیا ہے :-

فصل قال الرافضی وذهب الجميع
متهم الى القول بالقياس والتخذ بالرأى
فادخلوا في دين الله ما ليس منه وهرقوا
احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة
لم تكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ولا
في زمن الصحابة واهملوا تاويل الصحابة
مع انهم نصوصا على ترك القياس وقالوا اول
من قاس ابليس اه
فصل رافضی کہتہ ہے کہ سارے اہل سنت قیاس اور
عمل باللہ سے پر عمل ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے
دین میں ایسی چیز داخل کر دی جو دین میں سے نہیں
ہے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے اور چار
مذہب بنا رکھے ہیں جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
واکہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ
کے دور میں حالانکہ صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تاکید
کی ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ابلیس
نے قیاس کیا ہے۔
(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۰۰ طبع لہذا مصر)

قارئین کرام! اکثر غیر مقلدین حضرات نے رافضی کے اس پیش کردہ اعتراض کی تقریباً ایک ایک جزو چیرالی ہے اور اپنے رسالوں، کتابچوں اور اخباروں میں مختلف تعبیرات سے اس کو بیان اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس رافضی بچکے کا جو اس طرز استدلال میں ان کا استاد ہے نام تک نہیں لیتے اور اس کو بیان کرتے وقت عوام کو لفظ لفظ سے یہ باور رکھ کر کہ وہ تو تحمین حاصل کرنے کے ذریعے ہوتے ہیں کہ یہ انہی حضرات کے فکرِ ثاقب کا نتیجہ ہے اور بھولے سے بھی یہ بتانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ہم نے یہ پیاری دلیل رافضی کے تھیلے اور پیٹاری سے چسرائی ہے مگر

تہجے ؟

ہریشہ جہاں ممبر کہ خالی ست شاید کہ پلنگ نختہ باشد
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رافضی کے اس اعتراض کی ایک ایک جرد کو لے کر اس
 کی دھجیاں فضلے آسمانی میں بکھیری ہیں اور اس طرح اس کے بچھے اوصیٹے ہیں کہ رافضی
 اور اس قسم کے اور معترض اس کو مدت العمر بھی رفونہ کر سکیں مگر چونکہ یہ ایک بہت طویل بحث
 ہے اس لیے ہم ان کے جوابات میں سے یہاں صرف ایک ہی جواب عرض کرتے ہیں
 جو ہمارے مدعی کے مطابق ہے :-

الوجه التاسع قوله الصحابة نصوصا على ترك
 القياس يقال له الجمهور الذين يثبتون
 القياس قالوا قد ثبتت عن الصحابة انهم
 قالوا بالتراي واجتهاد الراي وقاسوا كما ثبت
 عنهم مذم ما ذموا من القياس قالوا واصل
 القولين صحيح فالمدحوم القياس المعان
 للنص اهـ (مک)

لوں جو یہ ہے کہ رافضی کا یہ کہنا کہ حضرات صحابہ کرام رضی
 نے ترک قیاس کی تاکید کی ہے، اس کے
 جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جمہور جو قیاس کو
 ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی
 قول بالترای اور اجتہاد و قیاس بھی ثابت ہے
 جس طرح کہ ان سے قیاس کی مذمت ثابت ہے
 اور حضرات صحابہ کرام رضی یہ دونوں قول صحیح میں کیونکہ
 ان سے جس قیاس کی مذمت آئی ہے وہ ایسا قیاس
 ہے جو نص کا معارض ہو اور قیاس مجرد وہ ہے جو
 نص کے مطابق ہو۔

شیخ الاسلام کی اس صریح عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اور جمہور اُمت رائے و
 اجتہاد اور قیاس کے قائل تھے اور جس قیاس کی مذمت کا ذکر آیا ہے وہ ایسا قیاس اور رائے
 ہے جو نص کے مقابلہ اور معارضہ میں ہو اور اس کے مردود ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا
 ہے؟ اور اُمت محمدیہ میں ایسے مردود قیاس کا قائل کون ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ غیر تقلیدین
 حضرات کو تعصب کی عینک استعمال کر کے رافضی کی طرح کچھ کچھ نظر آئے اور اہل الرائے و اجتہاد
 اور ان کے تابعین کو ہی ملزم گردانا جائے مگر اس سے اہل حق کا کیا نقصان؟

تجھے کیوں ٹھکر ہے اے گلِ دل صد چاکِ بُل کی

تو اپنے پیرِ مین کے چاک تو پہلے رفو کر لے

علامہ بدر الدین بعلی الخنبلی (المتوفی ۱۱۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قاضی اور مفتی کے لیے ہر حال رائے اور اجتہادِ کلام

لینا جائز ہے جب کہ حادثہ میں قرآن یا سنت سے نص

موجود نہ ہو اور یہی قول ہے جمہورِ ملت اور ائمہ فقہاء

کاملاً امام مالک، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، شافعی

احمد بن حنبل اور ابو عیینہ وغیرہ اور انہوں نے اس پر عملی

پرکھی دلائل پیش کئے ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ حضرت

عمرؓ نے حضرت ابوسلمیٰ الأشعریؓ کو خط لکھا اور اس میں

یہ بھی تحریر فرمایا کہ ایشاہ و نظائر کو پیش نظر رکھ کر ہر اپنی

رائے سے اور امور کو ان پر قیاس کرو۔

وبكل حال يجوز اجتهاد الرأى للقاضي و

المفتي اذا العجيد في الحادثة نصامن الكتب

او السنة لقول جاهير السلف وائمة الفقهاء

كمالك والوزاعي والثوري و ابي حنيفة

والشافعي و احمد بن حنبل و ابي عبيد وغيرهم

واستدلوا على ذلك بدلائل مثل كتاب عمرؓ

الى ابي موسى الأشعريؓ وفيه اعرف الاشباه

والنظائر وقس الامور على ما

رغمه الفتاوى المصرية ۱۵۵ طبع مصر

امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی (المتوفی ۱۱۷۷ھ) اپنی محقق کتاب میں حضرت عمرؓ حسن

بصریؓ، مسروقؓ اور ہشام بن عمروؓ وغیرہ سے چند آثار رائے کی مذمت میں نقل کر کے آگے فرماتے

ہیں کہ :-

یہ اور اس قسم کے دیگر آثار اس بات کی رہنمائی کرتے

ہیں کہ نظرِ عقل (یعنی قیاس) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی احادیث پر مقدم کرنا مذموم ہے اور علماء

کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ان آثار میں جن آثار

مذمومہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے آثار ہیں جو بدعت

اعتقادی کے رنگ میں گھڑائے گئے ہوں جیسے جہم

وغیرہ اہل کلام کی رائے جنہوں نے اپنے قیاس و رائے

کو رد احادیث کے لیے استعمال کیا ہے۔

فهذه الآثار و اشباہها تشير الى ذم

ايشار نظر العقل على، اثار النبي صلى الله

عليه وسلم وذهب جماعة من العلماء

الى ان المراد بالرأى المذموم في هذه

الامخبار البدع المحدثه في الاعتقاد كرائى

جهم وغيره من اهل الكلام لانهم

قوم استعملوا قياسهم وارايتهم في

رد الاحاديث۔

پھر آگے بحث کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

ورد والسنن فی ذالک کلمہ بلیاہم و اور انہوں نے اپنی بدعتِ اعتقادی کے اثبات کے لیے محض اپنے قیاس و رائے سے احادیث کو ٹھکرا دیا ہے۔

اور قیاس مذموم کی اور کئی صورتیں اور محال بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

فجميع ذالک راجع الی معنی ولحد وهو ان سب کا مضموم ایک ہی نکتہ ہے کہ نظر عقلی دینی اعمال النظر العقلی مع طرح السنن اما قصداً وغلطاً وجہلاً والرأی اذا عارض السنۃ فهو بدعة ضلالة۔

والاعتصام ۲ ص ۲۹ اور ص ۲۹۲ طبع مصر) تو وہ خاص بدعتِ ضلالت ہوگی۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی رائے و قیاس جو سنت کے رد اور معارضہ میں ہو وہ مردود ہے اور خصوصاً وہ رائے و قیاس جو عقائد بدعیہ کے اثبات کے لیے ہو اور احادیث کو رد و خورِ اعتناء نہ سمجھا گیا ہو۔ الغرض جن حضرات سے رائے کی مذمت آئی ہے تو علماء اسلام ان کے اقوال سے یہی مذموم رائے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشروع اور محمود و مقبول رائے کو رد اور ترک کرنا (جو قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے حاصل ہو اور نص کے مقابلہ میں نہ ہو اور اہل الرائے والاہتہاد نے رائے قائم کی ہو) خود بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ الشاطبیؒ ہی مہدی مغربی کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وکان من رائیہ ترک الرأی واتباع هذا الظاہریۃ قال العلماء وھو بدعة ظہرت فی الشریعة بعد المائین الخ

اس کی یہ رائے تھی کہ رائے ترک کر دی جائے اور وہ اہل الظاہر کے مذہب کی پیروی کرتا تھا۔ علماء کا کہنا ہے کہ ترک رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دوسری صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی۔

(الاعتصام ۲ ص ۵۹)

لیجئے بات کیا نکل آئی! آج تو کہنے والے اہل الرائے کو بدعتی کہتے ہیں اور مؤلف نیا عقیدہ وغیروں اس پر خوب دل کھول کر زہر اگلا ہے۔ مگر یہاں تو بات یہ نکلی کہ غیر منصوص امور

میں حضرات صحابہ کرام سے لے کر دوسری صدی تک پائے پر عمل ہوتا رہا۔
دوسری صدی کے بعد اہل الظاہر نے شریعت میں یہ بدعت نکالی کہ پائے پر عمل نہیں کرنا
چاہیے اور دوسروں کو بدعتی قرار دینے والے خود ہی بدعتی قرار پائے۔ شاید ایسے ہی موقع کے
لیے کہا گیا ہے کہ

الجماسہ پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صبا آگیا

غیر متقدمین حضرات تو عقیدہ کو جو چوتھی صدی کی بدعت کہتے ہیں مگر یہاں خیر سے ترک

پائے دوسری صدی کی بدعت نکلی۔

حافظ ابو عمر بن عبدالبرہ حضرت معاذ کی حدیث نقل کر کے اور اس کی تصحیح کر کے پھر

لکھتے ہیں کہ ۱۔

تمام فقہاء کا کہنا ہے کہ پائے کی مذمت کے یہ آثار اور
ان کی مانند اور آثار ایسی پائے اور قیاس کو مذموم قرار دیتے
ہیں جو اصل پر (متفرع) نہ ہو اور محض ظن سے
اللہ تعالیٰ کے دین میں بات کہی گئی ہو بحال
وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر
اس کی مثل کو دیکھ کر اس پر حکم کیا گیا ہو تو اس
کے جواز میں سلف میں سے کسی ایک نے اختلاف
نہیں کیا۔

وسائر الفقہاء قالوا فی ہذہ الاثار وما
کان مثلہا فی ذم القیاس انہ القیاس علی
غیر اصل والقول فی دین اللہ بالظن و
اتما القیاس علی الاصول والحکمہ للشیئی بحکم
نظیرہ فہذا ما لا یختلف فیہ من السلف
وجامع بیان العلم وفضلہ ۲ ص ۶۶

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابو عمر بن عبدالبرہ کے عہد تک سلف میں قیاس کا منکر
کوئی نہیں تھا۔ اس مقام پر سلف سے مراد وہ حضرات ہیں جو اہل السنۃ میں داخل ہیں اہل
الظاہر نے دوسری صدی کے بعد یہ بدعت نکالی ہے کہ پائے اور قیاس بلا تفصیل کوئی
حقیقت نہیں رکھتی۔ اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ ۲۔

فقال طائفۃ التامی المذموم هو البدع
ایک طاائف نے یہ بھی کہا ہے کہ پائے مذموم وہ بدعت

المخالفة للسنة في الاعتقاد كرائي الجهم و
 سائر مذاهب اهل الكلام لانهم قوم
 قياسيهم وارانهم في رد الاحاديث اه
 (ايضاً جلد ۱۳ ص ۱۳۵)

نواب صاحب نے بھی رائے باطل اور رائے محمود پر کافی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو الجنۃ
 فی الأدسوة الحسنۃ بالسنة ۱۵ و ۱۶)۔

قارئین! بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی جا رہی ہے اور ابھی ہم نے بفضلہ تعالیٰ
 کچھ اور بھی عرض کرنا ہے اس لیے اس بحث کو صرف ایک حوالہ پر ہم ختم کرتے ہیں تاکہ مزید بھی کچھ
 عرض کر سکیں۔

مشہور محقق و مدقق غیر متقدم عالم قاضی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) رائے محمود و مذہب کی بحث کرتے
 ہوئے اول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

فالعامل بالرائی فی مسائل الشرع
 ان كان لعدم وجود الدليل في الكتاب
 والسنة فقد رخص فيه النبي صلى الله
 عليه وسلم كما في قوله صلى الله عليه وسلم
 لمعاذ لما بعثه قاضياً به تقضى قال
 بكتاب الله قال فان لم تجد قال اجتهد
 رائی وهو حدیث صالح ولا احتجاج به
 کہا اوضحنا ذلك في بحث مفرد اه
 (تفسیر فتح القدير جلد ۲ ص ۲۱۹ طبع مصر)

شریعت کے مسئلوں میں عمل بالرائی اگر تو اس لیے
 ہو کہ کتاب سنت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو
 اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپ کے اس
 قول سے ثابت ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذؓ
 کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟
 انہوں نے کہا کتاب اللہ کے مطابق آپ نے فرمایا کہ
 اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ فرمانے لگے پھر
 میں سنت رسول اللہ پر فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا
 کہ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ فرمایا کہ میں
 اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ہم نے مفرد بحث میں
 اس کی بحث کی ہے کہ یہ حدیث احتجاج کے لیے

صالح ہے۔

ان تمام سابق پیش کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جن آثار اور اقوال میں رائے کی مذمت کا ذکر آتا ہے وہ ایسی رائے ہے جو کتاب و سنت کے مقابلہ میں ہو اور باطل فرقوں کی طرح عقائد باطلہ اور بدعات وغیرہ کے اثبات کے لیے جو جس سے نصوص کا رد لازم آتا ہو۔ اہل سنت اور ان میں علی الخصوص اہل الرائے اور احناف اور علماء دیوبند ایسی رائے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں، اہل مجتہد سے ناوانتہ طور پر خطا سرزد ہو جائے تو وہ بات ہی الگ ہے۔ آخر مجتہد مصوم تو ہرگز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ :-

اور یہ کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کی مخالفت کریں تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ الزام ہم پر ثابت نہیں ہو سکے گا اور کسی اور سے بھی اس کا تحقق نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سنت سے جاہل ہوتا ہے اور اس میں اس کی خلاف ورزی کر جاتا ہے نہ یہ کہ عمداً وہ ایسا کرتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غفلت کر جاتا ہے اور تاویل میں خطا کر جاتا ہے۔

واما ان مخالفت حدیثاً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابتاً عنہ فارجو ان لا یؤخذ ذالک علینا انشاء اللہ و لیس ذالک لاحد و لکن قد یجہل الرجل السنۃ فیکون لہ قول یخالفها لانه تعمد خلافتها وقد یغفل المرء و ینخطی فی التأویل۔
 الرسالة ص ۳۱۱ لدامام الشافعیؒ طبع بلوق
 مصر المنضمة مع الامم (۶)

اس عبارت میں جہاں امام اہل السنۃ نے اپنی صفائی پیش کی ہے ساتھ ہی و لیس ذالک لاحد فرما کر دوسروں کی صفائی بھی وہ بیان کر گئے ہیں کہ جہاں بوجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح کی مخالفت نہ ہونے کی ہے اور نہ کسی اور نے کی ہے۔ کسی حدیث سے غفلت و جہالت یا اس کی تفسیر و تاویل میں خطا کا سرزد ہو جانا یہ معاملہ ہی جڈا ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اس لیے رائے کی مذمت کے لیے حوالجات سے خلط و سبخت کرنا اور بد مقابل پریشک رعب ڈالنا یا عوام کو مغالطہ سے کر احناف سے متنفر کرنا انصاف

دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قدیماً و حدیثاً عمداً اور دانستہ کوئی شخص اس کا مرتکب نہیں ہوا کہ نص کے مقابلہ میں محض رائے کو لے کر نص کو ٹھکرا دیا ہو۔ حدیث کے مقابلہ میں اگر کسی نص قرآنی یا کسی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے تو یہ بات الگ ہے، اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ استدلال رائے سے نہیں بلکہ نص اور حدیث سے ہے۔ ہمارے اکابر نے تصریح کی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار اور نصوص کی تاویل دین کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت مولانا عثمانیؒ سورہ کہف میں یا جرح یا جرح کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

” اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے“ (حاشیہ ۳۹۳)

اہم ابو حنیفہؒ پر مخالفت حدیث کا الزام

کہنے کو تو یہ بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور فقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے، مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلم اہم کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے کہ انہوں نے بلا کسی عذر قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو، مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں:-

حضرت امیر المؤمنینؒ فی الحدیث امام بخاریؒ (اور اسی طرح امام ابن العربی المالکیؒ و الشافعیؒ) حسن قسم کی حدیث کو قائل استدلال و احتجاج نہیں تصور فرماتے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:-

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی احتجاج جائز ہے جس کو معتبر آئمہ میں سے کسی نے حسن کہا ہو کیونکہ جمہور کے نزدیک حسن سے استدلال جائز ہے اس میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جو جمہور نے کسی ہے کہ حدیث سے استدلال جائز ہے کیونکہ اخبار احماد کے واجب العمل اور ان کے قبول ہونے کے

فكذا يجوز الاحتجاج بما صحح احد الائمة العترة
بحسنه لان الحسن يجوز العمل به عند الجمهور
ولم يخالف في الجواز الا بصغارنا وابن العربي
والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل
بالاحاد وقبولها شاملة له -

رسيل الاوطار ج ۲ طبع مصر والمجلد
في الاسوة الحسنة بالسنه ۱۲۵۸

دلائل حسن کو بھی شامل ہیں۔

علامہ صلح بن المہدی الملقب بالکوکبانی (المتوفی ۵۸۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ولم یشرط فی المعمول بہ کونہ صحیحا
باصطلاح المتأخرین الذی البخاری وھو قول
بعید عن الأدلة بل لو قیل خلاف
ما علیہ الاولون والأخرون لساغ ذالک
ارواح النوافذ لآباء المشائخ طبع معمر ۶۸۹ھ

حدیث کے معمول بہ ہونے کے لیے باصلاح متکثرین
صحیح ہونے کی شرط امام بخاری کے بغیر اور کسی نے نہیں
لگائی اور ان کا قول دلائل سے بعید ہے بلکہ اگر یہ
کہا جائے کہ ان کا یہ قول متقدمین اور متأخرین کے
مسئلہ کے خلاف ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے۔

علم حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصول حدیث و طبقات روایت سے آگاہ
حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے حسن ہیں
اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حماد بن سلمہ سے مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۰)
تو کیا ایسی تمام حسن قسم کی حدیثیں کتب حدیث سے چن چن کر ان کی ایک فہرست مرتب
کر دینی چاہیے اور معتبر محدثین سے باحوالہ ان کا حسن ہونا نقل کر دینا چاہیے اور پھر کتابوں اور
رسالوں اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں یہ مکر وہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت
امام بخاری تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؛ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہل علم
متاثر ہو کر حضرت امام بخاری کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاری
مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام
ابو حنیفہ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کٹری شرط لگائی ہو جس کے فتدان کی
صورت میں وہ حدیث کو قابل احتجاج و استدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکر حدیث اور
مخالف حدیث قرار دیئے جاسکتے ہیں؛ اور ہم باحوالہ ان کی حدیث کے بارے میں کٹری
شرطوں کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔ غیر متقدمین حضرات کو یہ بات ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچنی
چاہیے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؛ اور کیوں ہے؛ اور وہ کیوں جماعتی صورت میں اس مکر وہ
پروپیگنڈہ میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں؛ آخر ہم بھی ۷

ہر چند اہل ضبط ہیں پر بے زباں نہیں

حافظ مغرب ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ:-

عن الليث بن سعد انه قال احصيت على مالك بن انس سبعين مسألة كلها مخالفة لسنة النبي صلى الله عليه وسلم قال فيه يراه قال ولقد كتبت اليه في ذلك قال ابو عمر ليس لحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يردده دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعلل يجب على اصله الا نقيا واليه او طعن في سنده ولو فعل ذلك احد سقطت عدالته فمناذ عن ان يتخذ اماما ولزمه اثر الفسق اه

(جامع بيان العلم وفضله ج ۱ ص ۱۷۵)

امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک بن انس کے نثر مسئلے ایسے شمار کئے ہیں جو سب کے سب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جن میں امام مالک نے محض اپنی رائے استعمال کی ہے اور میں نے ان کو خط کے فریوہ اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ امام ابو عمر فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کو پاتے اور پھر اس کو رد کرتے بدون اس کے کہ وہ کسی ایسے ہی اثر کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے یا اجماع یا کسی ایسے عمل کے ساتھ جس کی اصل پر عمل واجب ہے اور عارضی کرے یا اس کی سند میں طعن کرے، اگر کوئی ران و جوبہ کے سوا ایسا کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر فریق کا گناہ لازم ہو جائے گا چہ جائیکہ اس کو امام تسلیم کیا جائے۔

غیر مقلدین حضرات کو یہ عبارات بار بار پڑھنی چاہیے کہ امام لیث بن سعد جو چوٹی کے محدثین اور ہفتا میں شمار ہوتے ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں (جن کا پورا ترجمہ ہم نے طائفہ منصورہ میں ذکر کر دیا ہے) کیا فرمائے ہیں کہ نثر مسئلے ایسے ہیں جن میں حضرت امام مالک بن انس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی صریح مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی بلکہ امام مالک کے ساتھ انہوں نے اس میں خط و کتابت بھی کی ہے، اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ امام لیث بن سعد کے حضرت امام مالک سے اچھے

خاصہ دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی تھے، یہ نہیں کہ انہوں نے محض حد اور بغض یا تعصب کی وجہ سے ان کے مسائل میں کیڑے نکال کر ان کی تحقیر کرنے کی سعی کی ہے اور نہ بولوں ہی دل کی بھڑاس نکالی ہے (معاذ اللہ) چنانچہ علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ:-

كان الليث يوصل مالكا كل سنة بمائة دينار وكتب مالك اليه ان علي ديناً فبعث اليه خمسمائة دينار
 امام ليث بن سعد امام مالکؒ کو سالانہ ایک سو تالیس عطا دیا کرتے تھے اور امام مالکؒ نے ان کی طرف لکھا کہ مجھ پر قرضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے پانچ سو دینار ان کو بھیجے۔
 (تذکرہ ج ۱ ص ۱۲۹)

ایسے دوستانہ ماحول میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس میں حسد و تعصب کا رفرما ہو۔ کیا اب سچ مچ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کے بیشتر مشیلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے سراسر خلاف ہیں اور پھر ان پر فتویٰ لگنا شروع کر دیا جائے اور ناظم اعلیٰ کے تحت ایک پروگرام تیار کر لیا جائے کہ دنیا بھر میں حضرت امام مالکؒ کو مخالف سنت ٹھہرا کر ہی دم لیا جائے گا اور کسی بدوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر ایک کتاب بھی لکھوالی جائے اور تعصب مذہبی کے نشہ میں سرشار ہو کر اس کی تصدیقات بھی لکھ دی جائیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر اس کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ اللہ کچھ تو فرمائیے کہ آخر کرنا کیا چاہیے؟ آہ

اس قدر بھڑکا حیاتِ نوعِ انسان کا یقین

کارواں کو اعتماد راہنما جا تا رہا!

حافظ ابن عبد البرؒ تو علمی رنگ میں جواب دے گئے ہیں کہ کوئی امام بدوں کسی محقول عذر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہاں اس نے کسی حدیث یا اجماع یا قابل اطاعت عمل سے فسخ کا دعویٰ کیا ہو گا یا سند کے اندر طعن کیا ہو گا جس کی وجہ سے انہوں نے حدیث ترک کی ہوگی۔ اس چیز کو خود مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا ان کے دل کے راز اور بھید بھلا کیا جان سکتا ہے؟

علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے

موطا میں جب مسند حدیث میں شمار کیں تو ان کی تعداد پانچ سو سے اوپر نکلی اور جب مرسل روایتیں گنیں تو وہ تین سو سے زائد نکلیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ:-

وفيه نيفت وسبعون حديثاً قد ترك مالك
ان کے موطا میں ستر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جن
لنفسه العجل بها ۱۱
پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا۔

(بحوالہ مقدمہ تعلیق المحمدية لموطا مالك)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کے مطابق تمام کتب حدیث کے چند طبقات ہیں، طبقہ اولیٰ موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہے۔ دیکھئے حجة الله البالغة ج ۳ ص ۳۳ طبع مصر وعجالة نافعہ ص ۱۱ تعجب ہے کہ صرف طبقہ اولیٰ ہی نہیں بلکہ امام مالک کی خود اپنی انتخاب کردہ کتاب کی حدیثیں ستر سے زیادہ ایسی ہیں جن پر انہوں نے عمل نہیں کیا مگر کسی نے حضرت امام مالک کی امامت اور شان سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کو مطعون ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی احمق ایسا کرے بھی تو اس کی سنتا کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دستور المتبدي کے ساتھ ساتھ بخاری شریف پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں اب علمی تحقیق رہ گئی ہے فالی اللہ المشتکی ع

ایں چینیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم المالکی (المتوفی ۲۶۸ھ جو الامام الحافظ اور فقیہ عصر تھے تذکرہ ج ۱ ص ۱۱ جن کے بارے میں امام الائمہ ابو جبر بن خزیمہ المتوفی ۳۱۷ھ جو الحافظ الکبیر امام الائمة اور شیخ الاسلام تھے ہنذکرہ ج ۲ ص ۲۵۹ فرماتے ہیں کہ:-

ما رایت فی فقہاء الاسلام اعرف باقاویل
الصصابة والتابعین من محمد بن عبد اللہ
بن عبد الحکم (تذکرۃ الحافظ ج ۲ ص ۱۱ و

طبقات الشافعية الكبرى ج ۲ ص ۲۲۴ طبع مصر
نے حضرت امام شافعی کے رد میں

صنفت کتابا سماه الرد علی الشافعی فیما
ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے

خالفت فیہ الکتاب والسنۃ ۱۱
 (مطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۷۷)
 ایسے مسائل جن میں امام شافعیؒ نے کتاب و سنت
 کی مخالفت کی ہے۔

سنت کی مخالفت کا ذکر تو رہا اپنی جگہ اس کتاب میں ابن عبدالحکم نے امام شافعیؒ کو
 کتاب اللہ کا مخالفت بھی ظاہر کیا ہے۔ کیا ہم ایسا ہی سمجھ لیں کہ واقعی حضرت امام شافعیؒ نے
 کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے؟ (معاذ اللہ)
 یہی کہیں گے کہ تعصب مذہبی میں آکر ابن عبدالحکم نے یہ غلطی کی ہے اور یا دینانہ اپنی فہم کے
 موافق انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے مسائل کو کتاب و سنت کے خلاف پایا ہے مگر ان کا
 ایسا سمجھنا دلائل کی رو سے سراسر غلط ہے۔ منلغہ اللہ تعالیٰ بعموم فضلہ وکرمہ۔

مؤلف نتائج التقلید نے امام وکیع بن الجراح کو خفیت اور تقلید کے دائرہ سے خارج کرنے
 کے لیے عجیب قسم کے پاٹھیلے ہیں اور ملری کی طرح انوکھی قسم کی شجہہ بازی دکھائی ہے یہ
 بحث تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی کہ امام وکیع بن الجراح متقلد تھے یا غیر متقلد؟ حنفی
 تھے یا غیر حنفی؟ یہاں ان کا اعتراض خود ان کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے اور پھر اس کا جواب
 بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”کیونکہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ہے ذکر الساجی انا ابوسائب قال سمعت وکیع
 بن الجراح یقول وجدت اباحیفة خالفت ماثنی حدیث عن رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے وکیعؒ ایسے جلیل القدر امام حدیث
 کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی نظر میں کم از کم امام ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیث
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرنے والا پایا ہے۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم
 کے حوالہ پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے
 بعد فرماتے ہیں کاشس کہ دو سو احادیث میں سے کسی ایک ہی حدیث سے
 انکار کا حوالہ وثبوت ذکر کیا ہوتا؟ (نتائج التقلید ص ۱۰۸، ۱۰۹ بلغظہ)
 اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ :-

”عثمانی صاحب اگر مصنف ابن ابی شیبہ کا جزو ذی حنیفہ دیکھ لیتے تو یہ

کننے کی جرأت نہ ہوتی۔ (انتہی بفظلم)

ان عبارات سے مؤلف مذکور کا اصل مدعی تو صرف اس قدر ہے کہ امام وکیع بن الجراح کیونکر مقلد اور حنفی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کم از کم دو سو روایات میں امام ابوحنیفہ کو مخالف حدیث بنا رہے ہیں یہ معلوم نہیں کہ مؤلف نے کم از کم کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ عبارت عربی میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ کم از کم ہو۔ مگر خیر ہماری بلا سے، مؤلف جانے اور اس کی شعبہ بازی۔ اب یہاں سرکڑی نقل دو ہیں (۱) کہ بقول امام وکیع بن الجراح امام ابوحنیفہ نے کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہے (۲) عثمانی صاحب تو ایک حدیث کے متلاشی ہیں مگر مصنف ابن ابی شیبہ میں امام ابوحنیفہ کے رد میں مستقل جزو موجود ہے۔

پہلی شق کا جواب مؤلف مذکور کا اس سے استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اسکی سند میں الساجی ہے علاؤدین کے بارے میں احادیث ماعلمت فیہ جرح کہتے ہوئے بھی امام ابوحنیفہ بن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی توثیق اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (میزان جہمٹ)

امام ابو الجراح رازی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ :-

انه ليس بمؤمن وثقة اه
زوه مامون ہے اور نہ ثقہ۔

(بحوالہ تقدمه نصب الراية ص ۵)

اور یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ :-

كان وقاعا ينفرد بمناكير عن مجاهيل بايدي
وه لوگوں کی پچھتائیاں اٹھالا کرتے تھے اور معمول لوگوں
التعصب قال ابن القطان وثقة قوم وضعفه
سے منکر روایتیں بیان کرنے میں متفقہ ہوتے تھے۔
لغزون و سلام ابن حبان في رواية الخيري
ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطان کہتے
منكوس في النسب ابن سمعاني۔
ہیں کہ ایک قوم نے ان کو ثقہ اور دوسروں نے
وهاش تاريخ بغداد ۱۳ ص ۳۲۵ طبع مصر
ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کا کلام بخیر معنی
کی روایت سے کتاب الانساب علائم ابن سمعانی
میں مذکور ہے۔

مگر ہم ان کی تعریف سے صرف نظر بھی کر لیں اور انکو نقد بھی تسلیم کر لیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے
(ملاحظہ ہو لبان پر ص ۴۸) تب بھی ان کا تعصب خصوصیت سے احناف کے بارے میں
چھٹی ڈھکی بات نہیں ہے۔ مقدمہ فتح الملہم ص ۱ اور مقدمہ نصب الرئیہ ص ۵۸ میں ان کے
تعصب کا خصوصیت سے ذکر موجود ہے۔ و تعصبہ البارد بما لا یطاق نظائر بات ہے کہ
ایسے تعصب کو روایت کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں **والساجی لمن کان ینافس الصحابی حنیفۃ**
(الاشواق ص ۱۰) یعنی امام ساجی "حنفیوں سے چڑتے تھے۔"

امام تاج الدین شیخ الشافعی (المتولی ص ۱۰۰) ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ :-

بل الصواب عندنا ان من ثبت امامتہ
وعد التہ وکثر مادحوہ ومزکوہ وند جارحو
وصانت هناك قرینة دالة علی سبب حجه
من تعصب مذہبی او غیرہ فاننا لانلتفت
الی المریح فیہ ونعل فیہ بالعدالة والاضلو
فتحننا هذا الباب واذنا نقدیم المریح علی
اطلاقہ لما سلمنا احد من الائمة اذما
من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون وهلك
فیہ مالکون اه
(طبقات الشافعیة الکبریٰ ج ۸ ص ۱۸۸ طبع مصر)

بلکہ درست بات جہاں نزدیک یہ ہے کہ جس
کی امامت و عدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور
صفائی بیان کرنے والے زیادہ اور ان پر جسرح
کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود
ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جسرح تعصب مذہبی وغیرہ
کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جسرح کو
قابل التفات نہیں سمجھیں گے اور ہم ان کو عادل
ہی کہیں گے۔ ورنہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں یا ہم
جسرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو انہ میں سے کون
بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن
کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے
والے ہلاک نہ ہوئے ہوں

پھر اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-
ولکن تری ان الضابط ما نقوله من ان
ثابت العدالة لا یلتفت فیہ الی قول من
تشهد القرائن بانہ متعامل علیہ اما لتعصب

لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی
عدالت ثابت ہو اس کے بارے میں اس شخص کی بات
قابل التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرآن پر شہاد

مذہبی اور غیرہ ام (ایضاً)
 دیتے ہوں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی نہیں ہے کی
 وجہ سے الزام قائم کرتا ہے۔

ان ٹھوس اقتباسات کے پیش نظر تعصب مذہبی کے تحت کلام کرنے والے الساجی ہوں
 یا کوئی اور ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کلام کریں یا کسی اور امام کے بارے میں جن کی امامت
 و عدالت ثابت ہو چکی ہو اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنے والے زیادہ اور جرح کرنے والے
 کم اور تعصب ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

وثانیاً اگر امام و کیع بن الجراحؒ کی یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو
 سکتا ہے کہ پہلے جب انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کو بغور سنیں دیکھا ہو گا یہ رائے
 قائم کی ہوگی، مگر جب نظر دقیق کے ساتھ ان کے بیان کردہ مسائل کا جائزہ لیا ہو گا تو ان کی رائے
 بدل گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ
 انہوں نے ان کی تقلید کر اپنے گلے کا بار بنالیا تھا اور انہی کے قول اور رائے پر فتویٰ دیا کرتے
 تھے جیسا کہ طائفہ منصورہ میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر واقعی امام و کیع بن الجراحؒ کے نزدیک امام
 ابوحنیفہؒ نے بقول مؤلف نتائج التعلیٰ کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہوتی تو وہ کبھی ان کی
 تقلید نہ کرتے اور نہ ان کی رائے پر فتویٰ دیتے۔ دو سو حدیث کی مخالفت تو بہت بڑی چیز
 ہے، اگر بالفرض امام ابوحنیفہؒ کسی ایک ہی صحیح اور صریح حدیث کے مخالفت ہوتے تو بھی امام و کیع
 بن الجراحؒ جیسے پختہ کار محدث کبھی ان کی مدح و توصیف نہ کرتے اور نہ ان کی تقلید کرتے۔

وثالثاً علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ (محمد بن عثمان بن کرامہ المتوفی
 ۲۵۶ھ) اوصاف فرماتے ہیں کہ صدوق تھے اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے
 بغدادیؒ ۳ ص ۷۷، محدث سلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں بخاریؒ
 میں ان کی چار روایتیں ہیں۔ تہذیب التہذیب ۲ ص ۲۳۹ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

قال کتّٰ عند وکیع یوماً فقال جعل اخطاؤ
 ہم ایک دن وکیع کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے
 حنیفۃ فقال وکیع کیف یقدر ابوحنیفۃ
 کہا ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے، امام وکیعؒ نے فرمایا یہ
 یخطئ ومعہ مثل ابی یوسفؒ و زہر فی قیاسہما
 کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے
 و مثل یحییٰ بن ابی زائدۃ و حنظل بن عیاض
 جب کہ ابو یوسفؒ اور زہر جیسے قیاس دان اور فقیر اور

و حبان و مندل فی حفظہ الحدیث و القاسم
بن معن فی معرفتہ باللغۃ و العربیۃ و داؤد
الطائی و فضیل بن عیاض فی زہد ہا و عبدلما
من کان ہولہ و جلاءہ لہ یکد یخطئ لہ
ان اخطأ ردوہ -

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۴۷)

کی طرف لوٹا دیتے۔

یہ روایت امام ابن جریر مکیؒ مولیٰ طاش کبریٰ زاوہ اور حضرت ملا علی نقاشیؒ نے بھی نقل کی
ہے اور ان کی روایت کے آخر میں یوں ہے کہ :-

وان اخطأ ردوہ الی الحق (وفی روایۃ للحق)
والخیرات الحسان ص ۲۸ مفتاح السعادة ج ۲
ص ۸۳ و ذیل الجواهر ج ۱ ص ۴۵

علامہ الخوارزمیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) یہ پوری روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-
ثوقال وکیع رحمہ اللہ و الذی یقول
پھر امام وکیع نے فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہؒ کے
بائے میں یہ کہتا ہے وہ توجاہوں کی مانند بان سے بھی
زیادہ گم کردہ راہ ہے۔
مثال ہذا کلام عام بل ہم اصل
جامع المسانید ص ۲۳ طبع دکن حیدرآباد

مؤلف نتائج التقليد اور ان کے خواری دیدہ بینا اور چشم بصیرت کے ساتھ یہ اقتباسات
بار بار پڑھیں اور انصاف و دیانت سے یہ فرمائیں کہ امام وکیع بن الجراح کیا امام ابوحنیفہؒ کے
مخالف ہیں یا موافق؟ اور کیا وہ ان کے علم و دیانت پر اعتماد کرتے ہیں یا بد اعتمادی؟ اور امام ابوحنیفہؒ
پر خطاب کا الزام عائد کرنے والوں کو بروایت الخوارزمیؒ انہوں نے کیا خطاب دیا ہے؟ ہم کچھ نہیں
کہتے خود ہی مصلحت میں و کار آسان کن۔

اشعار بیدن

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام وکیع بن الجراح کے اس بیان کے ساتھ ایک اندر ضروری

بحث بھی عرض کر دیں جس کی وجہ سے دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مولانا مبارکپوری صاحب (دیکھئے تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۱۱۱) اور مؤلف نتائج التقلید وغیرہ حضرات کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید، امام ویح بن الجراح کو حنفیت کے زمرہ سے خارج کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کا مخالف بنانے کے سلسلہ میں ترمذی شریف (ج ۱ ص ۱۱۱ طبع نوکلشور) کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم انہی کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

”حضرت ویح اشعار کی حدیث بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے کہ اشعار مستثابہ اور اہل الرائے کو فر واللہ کا قول بدعت ہے لہذا ان کے قول باطل کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ ابو سائب کہتے ہیں کہ ہم حضرت ویح کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اشعار کو مثلہ قرار دیتے ہیں اور مثلہ ہونے کی دلیل میں ابراہیم نخعیؒ اپنے دادا استاذ کا قول پیش کرتے ہیں۔ پس حضرت ویح اس شخص کا یہ جواب سن کر انتہائی جوش خشم میں فرمانے لگے کہ تیرے جیسے نالائق و منکر سنت کی ادنیٰ نسیبہ ہے کہ تجھے قید کیا جائے اور جب تک تو اپنے اس قول و عقیدہ سے توبہ نہ کرے تجھے قید سے نہ نکالا جائے۔ دو سو حدیث کی مخالفت سے بطور نمونہ ایک مصرح صحیح خلاف و الکار کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اھ“ (نتائج التقلید ص ۱۱۱)

مؤلف نتائج التقلید اور ان کے جنوا ساتھیوں کا اس سے استدلال پچند وجوہ مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس حکایت ہی میں خاصا کلام ہے جس کی مبسوط بحث علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی ۷۱۰ھ) نے اپنی کتاب منیۃ الملحی ص ۳۱ میں کی ہے۔

وثانیاً امام ویح بن الجراح نے اس ساری عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کی شان کے خلاف کوئی ہلکا سا جملہ بھی استعمال نہیں کیا اور اہل کوفہ میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ امام ثوریؒ وغیرہ بے شمار حضرات شامل ہیں جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے، اور باحوالہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اور سائل نے جب حدیث کے خلاف ابراہیمؒ کا حوالہ دیا تو اس پر حضرت ویح بن الجراح برہم ہوئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام تاقرباً پھر بھی نہیں لیا، اس لیے اس عبارت کے

منطوق اور نص کے طور پر امام ابوحنیفہ کی تعقیص ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

و مثلاً امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے اشعار اور ترک اشعار دونوں میں تخریر نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ فعل سنتِ موکدہ نہ تھا بلکہ محض اباحت اور استحباب کے درجہ میں تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الملہم ۳ ص ۲۱) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی مطلق اشعار کے ہرگز منکر نہ تھے بلکہ اس اشعار کے منکر تھے جو ان کے زمانہ میں لوگ بے احتیاطی کے ساتھ کیا کرتے تھے چنانچہ اعلیٰ الناس بمنہ ابی حنیفہؒ امام طحاویؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ :-

فقال لم یکره ابوحنیفہ اصل الشعر وانما
کره ما یفعل علی وجه یخاف منه هلاک
البدن کسرایة الجرح لا سیما مع الطعن بالشفرة
فادارة الباب عن العامة لا تم لا یراعون
الحدی ذالک الخ

امام ابوحنیفہؒ اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس اشعار کو مکروہ کہتے ہیں جو ایسے طریق پر کیا جاتا تھا جس سے قربانی کے جانوروں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ زخم سرایت کر جاتا۔ اور خصوصاً چھری سے زخم کرنا تو امام صاحبؒ نے سب ذرائع کے طور پر اس سے منع کیا کیونکہ علوم اس کی رعایت نہیں رکھ سکتے تھے۔

(بحوالہ فتح الملہم ۳ ص ۲۱)

اور امام صاحبؒ کا یہی فریب امام ابو منصور ماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) علامہ نضکیؒ اور ابن عابدینؒ (وفیہ) نے بھی نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ :-

و یتعین الرجوع الی ما قال الصحاوی فانہ
اعلم من غیرہ باقوال اصحابہ اھ

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۱ فتح الملہم ۳ ص ۲۱)

اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۲۵۳ھ) نے بھی امام طحاویؒ کا یہ حوالہ نقل

کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو المعروف الشذی ص ۳۳)

اشعار کے مسئلہ میں سب سے زیادہ لے دے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر علامہ ابن حزمؒ نے کی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کا قول نقل کر کے آخر میں یہی لکھا ہے کہ امام طحاویؒ کے قول کے مقابلہ میں کسی اور کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ باقی یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اشعار کا حکم دیا ہے ہلاکت اور غیر ہلاکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا تو بلاشبک ایسا ہی ہے مگر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی دیگر صحیح اور صریح روایات جانوروں پر تعدی کرنے سے منع کرتی ہیں۔ اہل عرب کے پاس اونٹ بھی فراواں تھے اور وہ سنت کے مطابق اشعار کا طریقہ بھی بخوبی جانتے تھے۔ بخلاف اکثر اہل عجم کے جن کی بے اعتدالی کو دیکھ کر امام صاحب نے اس غلو کو مکروہ کہا ہے۔

الغرض امام ابوحنیفہ کا غلو فی الاشعار کو بدعت کہنا اور چیز ہے اور نفس اشعار کا جو ازسليم کرنا الگ بات ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں کے مسجد میں صلوٰۃ الضعۃ (چاشت کی نماز) پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:-

بدعة۔ (بخاری ج ۲۳۸ و مسلم ج ۴۹) یہ بدعت ہے۔

امام نووی الشافعیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان مراده ان اظهارها في المسجد والجماع ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا یہ بدعت ہے۔
لها هو البدعة لان اصل صلوٰۃ الضعیۃ بدعة (شرح مسلم ج ۴۹)

اور اہل علم پر یہ بات محفی نہیں کہ بعض چیزیں باوجود سنت ہونے کے جب کہ ان کے ساتھ مزید غیر شرعی قیود شامل ہو جائیں تو وہ بدعت ہو جاتی ہیں۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب "راہ سنت" میں ملاحظہ کیجئے۔

ورابعا اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام وکیع بن الجراح نے اپنی فہم کے مطابق اشعار کے منہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کر دیا ہے تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ وہ کئی طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مخالفت تھے یا ان کے مقلد نہ تھے؟ اس امر کی تاریخی طور پر سینکڑوں مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اسی پر نگاہ جمائیے کہ کیا حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں اصولاً حنفی نہ تھے؟ مگر بیسیوں مسائل میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف رائے کیا اور ان کے خلاف دلائل پیش کئے ہیں، کیا اس طریق سے وہ حنفیت سے خارج ہو گئے تھے؟ مولانا مہاراج پوری صاحبؒ کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور حنفی نہ تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۷۴)

محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ طاقت منصورہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ترمذی کی اشعار والی عبارت سے امام ابو حنیفہ کا مخالف سنت ثابت کرنا اور امام ویح بن الجراح کو ان کا مخالف قرار دے کر ان کے حلقہ تقلید سے خارج کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ تو حضرت امام ابو حنیفہ کسی صحیح حدیث کے منکر تھے اور نہ امام ویح بن الجراح غیر مقلد تھے بلکہ وہ بچے مقلد اور کٹر حنفی تھے مگر اسی طرح جس طرح کہ اہل علم تقلید کیا کرتے ہیں۔

دوسری شق کا جواب :- بلا شک امام کبیر ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (المتوفی ۷۳۵ھ) جو الحافظ عدیم النظیر اور الثبت النخری تھے، تذکرہ ص ۱۸ نے اپنے مصنف میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے :-

هذا لمخالفت به ابو حنیفة الابرار الذی کریر وہ باب جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جاعل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کی ہے

اس باب میں انہوں نے بزعم خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک سو پچیس مسائل میں امام ابو حنیفہ نے احادیث و آثار کی مخالفت کی ہے لیکن اسکی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی فہم سے جو کچھ احادیث سے سمجھا ہے امام ابو حنیفہ کے تفقہ کو اس سے متصاوم ہوتے ہوئے حدیث کی مخالفت کی بھیا نک شکل میں پیش کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان تفقہ اور اس کے طریق کار کا اختلاف ہے۔ گویا یوں کہہ لیجئے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابن ابی شیبہ کے ہفتی مذہب کے خلاف کیا ہوئے بلکہ ان کے زعم میں حدیث ہی کے مخالف ہو گئے۔

(معاذ اللہ) اور اس سے بڑھ کر اس کی اور کوئی تحقیقت نہیں ہے۔

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بعینہ یوں سمجھیے جس طرح امام لیث بن سعد نے امام مالک کو ستر حدیثوں کا مخالف بتایا ہے اور علامہ ابن حزم نے ان کو ستر سے زائد حدیثوں کا، ان کے گردانا ہے یا جس طرح امام ابن عبدالحکم نے حضرت امام شافعی کو کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف گردانا ہے۔ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ یہ امہ دین اور اساطین علم جن پر علم اسباب میں علوم شریعت کا

انحصار ہے واقعی ایسے تھے؟ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین حضرت کو فہم عطا فرمائے کہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور ائمہ دین میں سے کسی کے خلاف اگر کتابوں میں کوئی حوالہ نظر آئے تو اس کو لے کر چوہے کی طرح پسناری نہ بن بیٹھیں جس کو سونٹھ کی گرہ ملی تھی اور وہ پسناری و عطاری بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا مگر افسوس ہے کہ :-

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب ہیں

یہ یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہؒ کے جواب میں بہت سے علماء اسلام نے تردیدی کتابیں لکھی ہیں جن میں خصوصیت سے مندرجہ ذیل حضرات کی کتابیں قابل ذکر ہیں :-

① حافظ عبد القادر القرشی الحنفی مؤلف الجواهر المصیۃ ان کی کتاب کا نام الدرر المنیفة فی الرد علی ابن شیبہؒ فی ما اورده علی ابی حنیفہؒ ہے۔

② حافظ حدیث اور فقیہ وقت قاسم بن قطلوبغا الحنفی المتوفی ۸۷۹ھ جن کو حافظ ابن حجرؒ باوجود استاد ہونے کے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :- الامام العلامة المحدث الفقیہ اور

الشیخ الفاضل المحدث الکامل الا وحدهم الضو اللامع فی اعیان القرن التاسع مبر ازعمہ السنجاوی الشافعی ان کی کتاب کا نام الاجوبۃ المنیفة عن اعتراضات ابن ابی شیبہؒ علی ابی حنیفہؒ ہے۔

③ علامہ سجاد محمد زاہد کوثری الحنفی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) ان کی تالیف کا نام النکت الطریفة فی التحدت عن ردود ابن ابی شیبہؒ علی ابی حنیفہؒ ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نہ تو حدیث اشعار کا انکار اور مخالفت کی ہے اور نہ کسی ایسی حدیث کی جو انہی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہے۔ ان پر انکا حدیث یا مخالفت حدیث کا الزام بالکل نہیں اور محض مخالف ہے۔ ہاں چونکہ وہ مجتہد ہیں اس لیے یہ تو ممکن ہے کہ کسی شرط کے عائد کرنے میں غلطی کر گئے ہوں جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث حسن کو قابل استدلال نہیں گردانا۔ حالانکہ گزیر چکے ہے کہ ان کا یہ نظریہ بغیر ابن العربیؒ کے اور تمام تقیدین متاخرین کے خلاف ہے، مگر اس انجی دیانت پر کیا اثر؟ اور سی طرح فقہی اور معنوی طور پر نکتہ اجتماعی تو قابل انکار چینیے اور نہ قابل گرفت صحیح میراج اور فروع روایت کے چکے ہے کہ مجتہد بصورت خطابی ایک جہ کا متفق ہوتا ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ بقول شخصے :-

’ اُس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت ‘

باب ہفتم

مخالفتِ حدیث کی ایک نفیس بحث

اس مقام پر اصولی طور پر یہ بحث بھی بجلی معلوم ہوتی ہے کہ مخالفتِ حدیث کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ کیا ہر مقام پر مخالفت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کی مخالفت مراد ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اندر جو معنی اور مدلول پہنا ہوتا ہے، اس کی مخالفت بھی مراد ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص آپ کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن ان کے اندر جو معنی مستنبط ہوتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے جو بظاہر لفظوں سے متبادر نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کو مخالفتِ حدیث کا لازم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر اس منع اور منی سے حرمت اور کراہت تحریمی ہی مراد ہوگی یا اس سے ترکِ اولیٰ اور کراہت تنزیہیہ بھی مراد ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ نے کوئی حکم ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر وہ امر اور وجوب ہی کے لیے ہوگا یا کہیں محض ارشاد اور مشورہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جس کا نہ ماننے والا عاصی اور نافرمان نہیں کہلایا جاسکتا؟ ہم نہایت اختصار کے ساتھ صحیح احادیث سے ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں، غور فرمائیں۔

① حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہٗ احزاب کے موقع پر (جب کہ یہود بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دور قلعہ بند ہو گئے تھے) یہ ارشاد فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کے

پاس پہنچو اور

تم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے
مگر نبی قریظہ میں جا کر چنانچہ راستہ میں ان میں سے
بعض پر عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ ان میں سے کچھ حضرت
نے کہا کہ ہم تو نبی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے
اور بعض دیگر نے کہا کہ ہم تو نماز یہاں ہی پڑھیں گے
کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ ہم نماز پڑھیں
انہوں نے نماز پڑھ لی جب آپ کے سامنے اس
کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

لا یصلین احدہ العصر الا فی بنی قریظۃ
فادرك بعضہم العصر فی الطریق فقال
بعضہم لا نصلی حتی نایتہا وقال بعضہم
بل نصلی لہویردنا ذالک فذکر ذالک
للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم
یعنف واحداً منہم
(بخاری ج ۱ ص ۵۹)

ان میں سے ایک گروہ نے معنی مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کے وقت نماز پڑھ لی اور دوسرے
گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر پڑھی۔ حافظ ابن القیمؒ
لکھتے ہیں کہ پہلا گروہ فقیہ تھا اور وہ دوسرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ معذور بلکہ ماجور تھا مگر
ایک اجر کا وہ بھی مستحق ہوا۔ (زاد المعاد ص ۲۷)

تعبیر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبی جو نون تاکید تھی لہذا کے ساتھ ہے
اور لفظ احد جو نیکو ہے نہ ہی کے نیچے داخل ہو کر تنزق کا فائدہ دیتا ہے جس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں مگر یاں ہم
حضرات صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتا ہے اور وہ پھر بھی قابل ملامت
نہیں ٹھہرتا بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اجر بھی دوسرا اور مفہوم کو وہ لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے ظاہری
الفاظ میں تو اس کی کہیں بڑتک محسوس نہیں ہوتی، چاہیے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو خلاف
حدیث گردانا جاتا اور آپ کی صریح نبی کا (جو ان کے حق میں قطعی تھی کیونکہ ان کو یہ حکم بالمشافہ ملا تھا)
مخالف قرار دے کر قابل ملامت سمجھا جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ سوچئے کیوں؟ اور جس گروہ نے ظاہری لفظ
دیکھے اور انہی پر عامل ہوا اور عصر کی تاکید نماز کو قضا کر دیا تو ایک اجر کا وہ بھی مستحق رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

قال السہیللی وغیرہ فی هذا الحدیث من الفقہ
امام سیوطی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے جو فرقہ

انہ لایعاب علی من اخذ بظاہر حدیث حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث
یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب نہیں اور
اوایۃ وعلی من استنبط من النص معنی یخصمہ
(فتح الباری ۱۰/۱۰۰ طبع دہلی)
ان لوگوں پر بھی کوئی عیب نہیں جنہوں نے نص سے
کوئی معنی استنباط کیا جو اس کو مخصوص کرتا ہو۔

اگر مخالفت حدیث کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی مخالفت ہو اور معنی مستبط کو
نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ضرور مخالفت ہوگی ورنہ یہ عمل بالحدیث ہی ہوگا جو کسی طرح قابل
علامت نہیں ہے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوٹھی حضرت عائشہ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے
چچا زاد بھائی حضرت مابوڑ سے متم کر دیا۔ یہ خبر اس انداز سے پھیلی کہ خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس خبر کا یقین آگیا اور کچھ قرآن اور شواہد بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے
آپ کا یہ یقین بے جا نہ تھا۔ آپ نے غیرت میں آکر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مابوڑ کو
جہاں ملے جا کر قتل کر دو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

اذھب فاضرب عنقه (مشکوٰۃ ص ۳۶۸) جا اور جا کر اس کی گردن اڑائے۔

حضرت علیؑ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنوئیں میں پاؤں لٹکاتے ہوئے بیٹھا ہے اس کو
جو وہاں سے کھینچا تو اس کشمکش میں اس کا تہ بند کھل گیا، حضرت علیؑ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ :-
لعمریک اللہ له مال الرجال (مت۔ رک ۳۹۰) اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آکہ ہی پیدا نہیں کیا۔

اور امام مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

وانہ لمحبوب ماله ذکر (مسلم) وہ محبوب و نامزد تھا اس کا سر سے آکہ تعلق
ہی نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شخص میں قتل کرنے کی وہ عقلت ہی نہیں پائی۔
جاتی جس کی بنا پر مجھے دربار رسالت سے حکم ملا تھا۔ تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس
ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی اور واپس جا کر آپ سے یہ باجرا بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

الشاہد یزی ما لوزیری الغائب (مسند احمد) حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

جراح استادہ رجال ثقات، البدایہ والنہایہ ۲/۴۵

وروی النسن مثله، واستادہ صبیح الجامع الصغیر ۲/۲۲

آپ جلتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیرِ محدثہ کی مدد کا جس میں حکم خداوندی کسی نرمی اور آفت کی کوئی گنجائش ہی نہیں، کیا درجہ رکھتا ہے؟ مگر حضرت علیؑ اس حکم کی تعمیل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور درپازِ نبوت سے بجائے ولایت اور سرفرازی کے وہ اس ترکِ حکم پر دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔ اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؑ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے مستحکم اور مخالف حدیث ہیں؟ حاشا وکلا کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(۳) حضرت علیؑ ہی کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

فان امۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ذبت قامنی ان اجلدھا فاذاھی حدیث
عهد بنفاس فحشیت ان اناجلدتها ان
اقتلھا فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال احسنت (مسند ۲/۱۸۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک لڑکائی نے
نہا کیا، مجھے آپ نے فرمایا کہ جا کر اس کو کوڑے لگا دو۔
میں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں پتھر پیدا ہوا ہے مجھے
یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ
مر ہی نہ جلتے میں بغیر سزا دینے واپس آپ کی
خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ سنا دیا۔ آپ نے فرمایا
تو نے اچھا کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ آپ کا ظاہری حکم مقید اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؑ نے جو فہمائے صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں اپنے تفسیر و اجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم درحقیقت مشروط و مقید ہے۔ بایں شرط کہ وہ کوئی ہلاک نہ ہو جائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا ہو سکتا ہے کہ اس کی موت پر ممتنع ہو اس لیے انہوں نے کوئی سزا نہ دی اور واپس چلے آئے۔ آپ نے یہ سن کر جو بجائے اس کے کہ ان کو عسبیاں اور روگردانی کے داغ سے داغدار کرتے اٹھ اُن کی تائید و تصویب اور تحسین فرمائی اَحْسَنَتْ کہ تو نے اچھا کیا۔ برعکس اس کے اگر اس حالت میں حضرت علیؑ اس کو کوڑے لگا دیتے تو آپ کے ظاہری حکم کی تعمیل کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ وہ محبوب

ٹھہرتے۔ اس ایک ہی واقعے سے بہت سے اجتہادی، قیاسی اور فروعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہدین تفقہ و اجتہاد کا ملکہ ہونا ضروری امر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتی تفقہ کا پانچواں سوار ہی یہ دعویٰ کر بیٹھے۔ سچ ہے کہ :-

تسے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار میں ساقی

ہوا علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین ساقی

④ حضرت براء بن عازب (المتوفی ۱۶ھ) کی ایک طویل حدیث میں، جس میں انہوں نے صلح حدیبیہ کے پورے حالات کا نقشہ کھینچا ہے، اس میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ بالآخر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ طے ہوا تو آپ نے عمر نامہ اپنے کاتب حضرت علیؓ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے کہ ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ الا یعنی یہ وہ عمر نامہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فراقِ ثانی سے طے کیا ہے۔ مشرکین کے نمائندہ (سہیل بن عمرو جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے) نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور کہنے لگا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا اور آپ کا اختلاف کیا؟ اس لیے رسول اللہ کے الفاظ آپ کو صلح نامہ سے کاٹنے پڑیں گے اور محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھوائے پڑیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں، لیکن جب مشرکین نے انانیت کی انتہائی نزاکت کے سریش نظر آئے فرمایا کہ :-

ثم قال لعلي ائح رسول الله قال لا والله

لا احواء ابدأ۔ (بخاری ج ۳ ص ۳۷۷)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے :-

فامر عليا ان يمحاها فقال علي والله لا

امحاه۔ (مسند ج ۱ ص ۱۰۱)

بڑا ہی عجیب معاملہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت علیؓ کو نام

لے کر ام اور حکم دے رہے ہیں کہ اے علیؓ یہ لفظ مٹا دو مگر حضرت علیؓ ہیں کہ آپ کے اس صریح حکم کی تعمیل

کھنے کے بجائے حلفیہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔ انصاف سے فرمائیے کہ حضرت علیؓ پر کیا فتویٰ لگانا چاہیے؟ اور لگانا بھی چاہیے یا نہیں؟ نظرِ ظاہر تو فتویٰ نہ لگانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردِ روحِ حکم ہو اور نام لے کر ہو۔ لیکن اس کے جواب میں حضرت علیؓ خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر عدم تعمیل پر مصر اور کمر بستہ ہوں تو پھر وہ فتویٰ بازی سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اور کب بچ سکتے ہیں؟ (معاذ اللہ) ظاہر بین جانیں اور ان کی فتویٰ بازی، اہل البتہ دیدہ بصیرت رکھنے والے اور بات کی تہ اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریش مکہ کے نمائندوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے اس ظاہری انکار میں بھی ادب اور عشقِ محمدی سمندر کی اندرونی موجوں کی طرح اُبل رہا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس رسول اللہ کی جنت اور خدایت نے دنیا کے تمام لذائذ و مسرتوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کے نقشِ پاک کو دل کے آئینہ سے مٹانا تو رہا الگ بخدا ان کے اس پیلے نام کو سطحِ کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں ہے۔

سکوتِ شمع سہر بزم کو خسر ہی نہیں
 ٹرپ رہا ہے ازل سے مذاق پر روانہ
 چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وهذا الذي فعله علي من باب الادب
 المستحب لانه لم يفهم من النبي صلى الله
 عليه وسلم تحميم محو علي بنفسه ولهذا
 لم ينكر ولو حتم معوه بنفسه لم يجز لعلي
 تركه ولما اقره النبي صلى الله عليه و
 سلمه على المخالفة
 (شرح مسلّم پڑھا)

یہ کاروائی جو حضرت علیؓ نے کی ہے ادبِ مستحب کے
 بجائے ہے کیونکہ وہ آپ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ
 اس فرشتہ کا مٹانا خود علیؓ پر لازم نہیں اور اسی
 لیے آپ نے حضرت علیؓ پر کوئی گرفت نہیں کی۔ اگر
 ان کے لیے بدستِ خود مٹانا ضروری ہوتا تو نہ حضرت
 علیؓ کے لیے اس حکم کا ترک جائز ہوتا اور نہ آپ
 ان کو اس مخالفت پر برقرار ہستے دیتے۔

اس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی تہ میں ادبِ مستحب کا جو معنی نختہ و پتہاں ہے جس کو حضرت علیؓ کی دُور رس اور فقیہانہ نگاہِ تاریخی

ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجئے جس کا ظاہری الفاظ میں کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ آج تک امت سے
مروجہ میں سے کسی کو یہ بات نہ سنبھلی کہ وہ حضرت علیؑ کو منکر یا مخالف حدیث بنا کر کومتا ہوا اور
منظم طور پر مخالف حدیث ہونے کا مکروہہ پراپیگنڈا ان کے خلاف شروع کرتا ہو۔ مگر سے

جودل میں عشق نہیں دل ہے جنس ناکارہ!

نہ ہو چمک تو ہے آئینہ ایک پارہ سنگ!

⑤ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (المتوفی ۶۵ھ) کی یہ شکایت جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی کہ انہوں نے تازیسیت ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کے قیام کا
الترام کر لیا ہے جس کی وجہ سے لقیہ جائزہ کاموں کے علاوہ حقوق زوجیت میں بھی شغل واقع
ہوتا ہے۔ آپ نے ان کو اس فعل پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ رات کو قیام بھی کرو اور ہر عیدینہ میں
تین دن روزے رکھو، یہ صوم اللہ صوم ہو جائے گا۔ انہوں نے اس سے زیادہ کی خواہش کی تو آپ نے
فرمایا کہ پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے
اور یہ سب سے افضل روزہ ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۵)

اور ایک روایت یوں ہے کہ:-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصام
من صام الابد مرتین (بخاری ج ۱ ص ۲۶۵)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ جس نے
ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔

اس صحیح اور صریح روایت کے ظاہری الفاظ سے صوم اللہ صوم کی ممانعت یا کراہت
ثابت ہوتی ہے لیکن اہمیت مروجہ میں بے شمار لوگ ایسے بھی گھڑے رہے ہیں جو صائم اللہ صوم تھے۔
حضرت امام شعبہ بن الحجّاج صائم اللہ صوم تھے۔ (مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۲)

امام وکیع بن الجراح صائم اللہ صوم تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۴۷۰)

حضرت امام بخاری صائم اللہ صوم تھے۔ (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰)

اگر ہم چاہیں تو کتب اسما الرجال اور طبقات روایت سے سینہ پورے مثالیں ان حضرات
کی پیش کر سکتے ہیں جو صائم اللہ صوم تھے مگر صرف ایک حوالہ اور عرض کرتے ہیں:-

موتلف نتائج التقلید اپنے استاد محترم حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی

کے حالات میں زیر عنوان مشاہدہ لکھتے ہیں کہ :-

”مدت میداور عرصہ بعید سے صائم الذہر ہیں۔ صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں“ (بلفظ ص ۳)

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا روپڑی صاحبؒ سحری بھی نہیں کھاتے تھے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث یوں آتی ہے کہ :-

تسعدوا فان فی السعد بركة (بخاری ج ۱) یعنی تم سحری (کھایا) کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ (۲۵۰ مسلم ج ۳۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۵)

تسعدوا امر کا صیغہ ہے، وجوب کے لیے نہ نسبی استصحاب کیا تم ہوگا؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے (ج ۳ ص ۳۵) مگر اس حوالے کے پیش نظر مولانا حافظ روپڑی صاحبؒ کا عمل اس پر نہیں تھا، اور پہلی روایت کے ظاہری الفاظ کی تلاویٰ کرنے والے جمہور ائمت میں علاوہ امام شعبہؒ، امام وکیعؒ، امام بخاریؒ کے خود مولانا روپڑی صاحبؒ بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو لخصاً من صام الا بعد فرما کر اس کی سنی کی ہے مگر یہ حضرات اس کے خلاف چلتے رہے ہیں تو کیا اب ان تمام حضرات کو مخالف حدیث کہہ کر کو سنا شروع کر دیا جائے؟ یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ آپ نے یہ ارشاد تو فرمایا ہے مگر اس کی تہ میں امت مسلمہ کے ساتھ ترفیق اور سہولت منظور ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے لیے سہولت سمجھتا ہے اور ایام ممنوعہ کے علاوہ جیسٹہ روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کے اندر جو مضموم پنہاں و پوشیدہ مگر زبان حال سے گویا ہے اس پر عامل ہے اور یہ کاروائی حدیث کے مخالف نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کسی پر ملامت جائز اور روا ہے، اور اس طرز عمل میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ اکثر ائمہ ان کے ساتھ ہیں غرضیکہ ع

”اس گنہدیت کہ در شہر شمانیز کنند“

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصالِ فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

ونتف الا بطن (بخاری ج ۳ ص ۱۷۵ و مسلم ج ۱ ص ۱۷۵) زیر بغل بال کھائے جائیں۔

والہووانہ جلد ۱۹ صفحہ

لغت عربی میں نتف کے معنی مچھنے کے ساتھ بالوں کے اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح اور مرفوع روایت میں حلق الابط (استرے کے ساتھ زیر بغل بالوں کا منڈانا) نہیں آتا مگر جمہور اُمت نتف پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود غیر متدین حضرت بھی جہاں تک ہم نے دیکھا اور سنا ہے اور جو عمل بالحدیث کے بزعم خویش مدعی بھی ہیں نتف پر عامل نہیں ہیں۔ تو کیا اب سب اُمت کو اس حدیث کا تارک اور مخالف قرار دے کر ان پر برسا شروع کر دیا جائے؟

امام نووی اور قاضی شوکانی نتف الابط کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

امانت الابط فسنّة بالاتفاق والافضل
 بہر کیف زیر بغل بالوں کا اکھاڑنا بالاتفاق سنّت
 فیہ النتف لمن قوی علیہ ویحصل ایضاً
 ہے۔ اور افضل اس میں جو اس پر قوی ہو اکھاڑنا ہی
 بالخلق وبالنورۃ وحکی عن یونس بن
 ہے اور منڈوانے اور چوڑے زائل کرنے سے بھی یہ
 عبد اذ علی قال دخلت علی الشافعی رحمہ اللہ
 مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یونس بن عبد الاعلی سے
 وعندہ المزین یحلق ابطلہ فقال الشافعی
 مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی کے پاس
 علمت ان السنّة النتف ولكن لا اقوی
 گیا تو ان کے پاس حجام تھا جو ان کی بغلوں کے بال
 اُمترے سے صاف کر رہا۔ حضرت امام شافعی نے
 علی المصحح۔

(شرح مسلم ۱۲۹ ج ۱ و نیل الاوطار ص ۱۲۴)

از خود ہی یہ فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ سنّت
 بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے مگر میں تکلیف کو برائت
 نہیں کر سکتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث میں بصراحت کوئی ایسی قید
 ثابت نہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکھاڑنے پر قوی ہو مگر شرح حدیث لمن قوی علیہ
 کی قید سے اس کو مقتیدہ کرتے ہیں اور استرے اور چوڑے سے بھی فرماتے ہیں کہ یہ مقصود حاصل
 ہو جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام اہل سنّت حضرت امام شافعی بھی نتف الابط کی حدیث
 پر باوجود اس کو سنّت کہنے کے عمل نہیں کر سکے اور معذرت کر گئے ہیں۔ اب کیا تمام اُمت

کونتنف ابط کی حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے منکر یا تارک حدیث کہہ دیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو حضرات روح شریعت سے واقف ہیں اور صرف پوست پر ہی گفتا نہیں کرتے وہ از روئے تفسیر سمجھتے ہیں کہ مقصود بالذات تو بالوں کا دودر کرنا ہے، انخواہ وہ کسی بھی صورت سے حاصل ہو جائے۔

﴿ حضرت انس بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے کہ:﴾

قال النبي صلى الله عليه وسلم لا يمتين احدكم الموت من ضرب اصابعه فان كان اذنبه قاعلا فليقل اللهم احيني ما كانت الحيوة خيرا الي وتوفقي اذا كانت الوفاة خيرا لي۔
(بخاری ج ۴ ص ۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دیکھ کی وجہ سے جوئے پہنچا ہو موت کی تمامت کرے سو اگر خواہ مخواہ یہ تمنا کرنی ہی ہے تو یوں کہے اللہ تو مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے اور تو مجھے وفات دے دے اگر میرے حق میں وفات بہتر ہے۔

اس حدیث میں لفظ صر مطلق ہے، عام اس سے کہ یہ ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی فون ماکید ثقیلہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مگر شرح حدیث اس مقام میں ضرر کو دنیوی ضرر سے مقید کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”حضرت علیؑ نے موت کی آرزو کی تھی جب کہ معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے بڑھ گئے اور قتل و قتال کا بازار گرم ہو گیا اور قیل و قال بہت کمزرت شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی۔

لما اشتد عليه الحال ولقي من مخالفيه اوهوالا
جب ان کی حالت سخت ہو گئی اور اپنے مخالفین سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اور حدیث منی عن الموت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

والمراد بالضره هنا ما يخص العبد في بدنه
من مرض ونحوه في دينه الخ
(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۱۹)

ضرر سے مراد اس حدیث میں ایسا ضرر ہے جو آدمی کو بدنی طور پر پیش آئے، مثلاً بیماری وغیرہ، اس سے دینی ضرر مراد نہیں ہے۔

عزور فرمائیے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم نہیں کرے گا اور حدیث میں نہی کو عام

تھے گا تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر وہ اس حدیث کے اندر یہ تقسیم تلاش کرے گا تو اس کو ناکامی ہوگی مگر شرح حدیث اور فتاویٰ اُمت کے تفسیر سے یہ گتھی سلجھے گی اور ان اکابر کے خلاف مخالف حدیث ہونے کا ادنیٰ وہم بھی نہیں ہوئے گا۔

حضرت امام بخاریؒ کو جب اپنے استاد محترم امام محمد بن یحییٰ الذہلیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حکم بخاریؒ اور دیگر بعض اہل وطن کی گزری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور مرقند سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں فرنگ میں حضرت امام بخاریؒ فروکش ہوئے کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں بستے تھے۔ امام عبدالقدوس بن عبدالحیاء السمرقندی کا بیان ہے کہ :-

نمعتہ لیلۃ من الیالی وقد فرغ من
صلوۃ اللیل یدعوا ویقول فی دعائہ
اللہم انہ صافق علیٰ ارض بمارجت
فاقبضنی الیک قال فاتمہ الشہر حتی
قبضہ اللہ الیہ وقبرہ بخرتنگ۔
(تاریخ بعد ادب ص ۲۱۸ وطبقات الشافعیۃ البکر
ج ۲ ص ۱۰۰ طبع مصر)

میں نے ان کو ایک رات مسجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے سو تو مجھ اپنی طرف اٹھائے اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا ہی لیا اور ان کی وفات ہو گئی، اور ان کی قبر خرتنگ میں ہے۔

جو شخص لَا یَسْتَتِینَ کی حدیث کو عمومی نگاہ سے پڑھے گا تو اسے حضرت امام بخاریؒ کا یہ فعل ضرور مخالف حدیث نظر آئے گا لیکن اگر تعمق و باریک بینی اور تفسیر کی نگاہ سے وہ دیکھے گا تو اسے کوئی مخالفت نظر نہ آئے گی اور ہر چیز اپنے مقام پر ہے گی کہ ہینگے نہ پھینکی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

اقرأ فی کل سبع لیل مرۃ۔ (بخاری ج ۵ ص ۵۰)

یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :-

فاقد فی سبع و لوتزد علی ذالک (بخاری ج ۲) ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھا اور اس زیادہ سنت کرو۔

حضرت امام بخاریؒ اختلاف روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال بعضهم فی ثلاث و فی خمس و اکثرهن بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ میں اور علی سبع (بخاری ج ۲) اکثر نے سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کا کہا ہے۔

گویا فن روایت کی دوسے حضرت امام بخاریؒ نے اکثر روایات (اور ایک روایت میں ہے کہ اکثر روایات) کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور بظاہر اسی کو ترجیح دی ہے۔ چلنے تین ہی راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کی روایات کو لے لیجئے، تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین سے کم راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کا ذکر حضرت امام بخاریؒ کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُمتِ مرحومہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک ہی رات میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ، قیام اللیل صلا و طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۳، حضرت قسیم داریؒ المتوفی ۳۸ھ، حضرت ابو جہل ج ۲ ص ۲۰، و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۰ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر (المتوفی ۳۶ھ) ص ۱۰۰ اور حضرت ابو جہل و قیام اللیل ص ۳۱ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان مبارک کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲) اور ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں نو دفعہ قرآن کریم ختم کیا تھا (مفتاح الجنۃ ص ۲۹ للسیوطی طبع مصر) اور امام وکیع بن الجراحؒ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳) امام الجراحؒ والتعلیل بحی بن سعید الطحطاوی ج ۱ ص ۱۳۰ اور امام ابو حنیفہؒ ج ۱ ص ۱۳۰ و تہذیب الاسماء واللغات خودی ج ۲ ص ۱۵۴)۔

ایک دوئیں سینکڑوں مثالیں باحوالہ تاریخی طور پر اس کی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا مقصد دلائل و حوالجات کا استیعاب نہیں ہم تو صرف اپنی بات کو مبسوط کرنا چاہتے ہیں صرف

ایک حوالہ اور سن لیجئے۔ حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں کتب تاریخ، طبقات، رسالت اور اسماء الرجال میں یہ بھی مذکور ہے کہ:-

وكان يختم بالنهار في كل يوم ختمه ويكُون ختمه عند الإفطار كل ليلة ويقول عند كل ختم دعوة مستجابة -
 امام بخاریؒ ہر روزوں کو ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے اور یہ ختم افطار کے وقت ہر شب کو ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ۔
 علامہ سبکیؒ والمحلۃ ص ۲۳

اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہل ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دنوں سے کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ہامش بخاری ۲/ ص ۷۶) اور سلف صالحین کے ان اکابر کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کامرتکب کہنا پڑے گا۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہی سچ صحیح مخالفت ہوتی ہے اور اس کی تہ میں کسی پہنچا معنی اور مضمر حقیقت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو یقین جانیے کہ ان اکابر کو مخالفت حدیث کا لقب دیا جائے گا۔ اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ان کی رستگاری ہو سکے مگر معاذ اللہ کہ کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارا کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالفت حدیث تھے بلکہ اس حدیث کے دیگر بیان کردہ مطالب کے علاوہ ایک آسان مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ اُمت پر شفقت اور ترحم کے سلسلہ میں ہے تاکہ اتنے دنوں میں غرر و فخر سے قرآن کریم پڑھا جائے اور اس کے معنی کو سمجھا جاسکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً امام شافعیؒ نہیں کہ مسئلہ اجماع کے سمجھنے کے لیے تین دن میں تو مرتبہ قرآن کریم ختم کر لے اور منتہائے نظریہ ہو کہ یہ مسئلہ استنباط کرنا ہے، ہر ایک کو جہلا یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ع

نہ ہر کہ آئینہ دار و سکن درمی واند

⑨ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے نبی فرماتے ہیں لیکن الفاظ اس تفصیل اور تشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اُس میں نبی کا درجہ کیا ہے؟ حرام ہے یا خلاف اولیٰ؛ مگر ٹانے والی نگاہیں اپنی خدا داد فراست و بصیرت اور تفت سے

اس کا مقام متعین کر لیتی ہیں مثلاً حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ:-

ذہبنا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا ہم عورتوں کو جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔
(بخاری ج ۱ ص ۱۸۱)

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-

كُنَّا نُهَيُّ عَنْ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يَعْزِمِ عَلَيْنَا (ہم عورتیں جنازوں کے ساتھ جانے سے تو منع کی جاتی تھیں مگر ہم پر اس کی تاکید نہیں کی جاتی تھی۔
(مسلم ج ۳ ص ۳۴۳)

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

معناه ذہبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ عن ذالک نہی کر اھتہ تنزیہ لانی عذیمتہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا ہے لیکن یہ نہی تنزیہی کے درجہ کی ہے۔
وتحریر۔

(نووی ج ۱ ص ۳۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام عطیہؓ نے اپنی بصیرت اور تفقہ سے آپ کی اس نہی کا درجہ قائم کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ خلاف اولیٰ اور تنزیہی کے مرتبہ کی ہے، حالانکہ حدیث میں صرف نہی کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ تقیم مذکور موجود نہیں ہے مگر اس کے اندر کی حقیقت اور تہ کو سمجھنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے اور اسی کو پالینے کا نام تفقہ ہے۔

⑩ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم صادر فرماتے ہیں مگر وہ حکم صرف مشورہ کی حد تک ہوتا ہے اور اس کا ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہوتے ہیں اور آپ کے ایسے حکم کا انکار (معاذ اللہ) آپ کی نافرمانی تصور نہیں ہوتی، مثلاً ملاحظہ کیجیے کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے تحت ان کو اپنے خاوند حضرت عیث کے پاس رہنے یا نکاح فسخ کرنے کی اجازت ملی، انہوں نے حضرت عیثؓ سے رستگاری کو ترجیح دی اور وہ بے چارے گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر یہ التجا کرتے رہے کہ تو میرے

ایک نہ ہو مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بریرہ تو مغیثؓ کے پاس ہی ہے تو کیا اچھلے ہے۔ وہ کہنے لگی کہ:-

یا رسول اللہ تاملنی؟ قال انما اشفع قالت
فلا حاجت لی فیہ۔ (بخاری ج ۹ ص ۹۵) و مشکوٰۃ
یا رسول اللہ کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپ
نے فرمایا کہ حکم تو نہیں دیتا ہاں صرف سفارش کرتا ہوں
انہوں نے کہا تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھئے کہ حضرت بریرہؓ اپنے تعلقہ فی الدین کی وجہ سے آپ کے حکم و ارشاد کا درجہ
خود آپ ہی سے متعین کرانا چاہتی ہیں کہ اگر یہ حکم اور امر ہے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے سے کیا
چارہ ہے؟ اور اگر صرف مشورہ ہے تو مجھے قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ آپ
کے ارشاد کے بعد حضرت بریرہؓ نے وہی کچھ کیا جو ان کو پسند تھا اور حضرت مغیثؓ سے
رہائی حاصل کر لی۔

① بعض مواقع اور مقامات ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے صریح الفاظ کی مخالفت ہی سے فہم اور رسالت اور منشاء نبوت کی تعبیر
ہو سکتی ہے اور ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جرم اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف
ہوگا۔ یقین نہ آئے تو حضرت ابوالیوب انصاریؓ (المتوفی ۱۷۵ھ) کی روایت ملاحظہ فرمائیے:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت کے مسائل و احکام بتاتے ہوئے یہ بھی
فرمایا کہ تم نہ تو کعبہ کی طرف پیٹھ کرو اور نہ منہ آگے فرمایا کہ:-

شَرَقُوا وَغَتَبُوا۔ (بخاری ج ۲ ص ۲)

مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-

وَلٰكِنْ شَرَقُوا وَغَتَبُوا (مسلم ج ۱ ص ۱۳)

اور لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو

حضرت امام نوویؒ (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل مدینہ اور ان کی سمت والوں کو ہے

جن کا قبلہ شمال یا جنوب رو یہ ہے (محصلاً ج ۱ ص ۱۳)

اب اگر ہم لوگ اس ملک میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے تو توہین قبلہ کا

ارتکاب لازم آئے گا اور یہ بات منشاء نبوت کے خلاف ہوگی کیونکہ ہماری علاقے کا غسل

واقع ہی ایسا ہے، لہذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صریح الفاظ کی مخالفت کرنا لازم ہے تاکہ جہاں ملک میں اس حکم کی تہ میں جو مراد نبوت مضر ہے اس پر عمل ہو سکے اور قبلہ کی تعظیم اور احترام ملحوظ ہے۔

(۱۲) پھر کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند عزیز کے حکم کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجتہد کو حکم خداوندی سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے اجتہادی حکم پر عمل کرنا پڑے گا اور اس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لشکر کو جداد کے لیے روانہ فرماتے تو امرار لشکر کو نہایت ضروری اور مفید وصایا اور فصاحت فرماتے۔ اور ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ:-

واذا حاصرت اهل حصن فارادوك ان
تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على
حكم الله ولكن انزلهم على حكمك فانك
لوتدرى التصيب حكم الله فيهم ام لا -
رمسلم ۲۸۷ واللفظة - والبوداؤد ۲۵۵ و
توملنی ۱۹۷ وابن ماجه ۲۱۱

اور جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے
مصالحت کرتے ہوئے یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو
اللہ تعالیٰ کے حکم پر آنا تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے
حکم پر پناہ نہ دو لیکن تم ان کو اپنے حکم پر پناہ دو
کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے حق میں اللہ تعالیٰ
کے حکم کو پاس کر گئے یا نہیں۔

اور اسی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر وہ تمہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر راضی ہونے کی پیشکش کریں تو تم ان کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر مت پناہ دو بلکہ خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ پر پناہ دو، کیونکہ یہ بات نہایت آسان ہے کہ تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کو برقرار نہ رکھ سکو یہ بہتر ہے بجائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کو توڑ دو اور عہد شکنی کرو۔

غور کیجئے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ان الحکموا للہ اللہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں اور دوسری طرف اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امرار لشکر کو یہ حکم دیتے ہیں فلا تنزلہم علی حکم اللہ کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حکم

پرہش آنارو بلکہ اپنے حکم پر ان کو آمادہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی حقیقت اور تہ تک تم رسائی حاصل نہ کر سکو۔ اس مقام پر ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کیا اجتہاد ہی مسائل میں مصیبت ایک ہوتا ہے یا سب ہی مصیبت ہوتے ہیں؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مجتہد بصورت خطا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ تو بیخ و سرزنش کا۔

امام نووی الشافعیؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

هذا النهي ايضا على التنزيه والاحتياط
 وفيه حجة لمن يقول ليس كل مجتهد مصيباً
 بل المصيب واحد وهو الموافق لحكم الله
 تعالى في نفس الامر الخ

یہ منی بھی تنزیہی اور نئے احتیاط ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیبت نہیں ہوتا بلکہ مصیبت صرف وہی ہوتا ہے جس کا فیصلہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔

(لووی پ ۵۷)

انذار فرمائیے کہ ایک مقام وہ بھی نکل آیا جہاں مجتہد حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم سے بائیں وچر صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ شاید اس تک نہ پہنچ سکے اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا مامور ہے، علاوہ انہیں آپ کی اس ممانعت اور نہی میں تحریم و تنزیہ کی کوئی قید موجود نہیں مگر امام نوویؒ وغیرہ فلاں تنزیہ کی منی کو تنزیہی پر حمل کرتے ہیں۔ خود فرمائیے کہ ان دقیق اور عمیق علمی باریکیوں کو بھلا درایت و فراست بصیرت و فہم اور فہم و اجتہاد کے بغیر کس طرح حل کیا جاسکتا ہے؟ مگر فلاں بیہنوں کی بے جا شکایات کو دیکھا جاتے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں بھی حدیث کا منکر ہے اور فلاں بھی مخالف حدیث ہے اور فلاں بھی تارک حدیث، تارک سنت اور زمرہ اہل حدیث سے خارج ہے اور فلاں بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ہاں مگر صرف وہی عامل بالحدیث بالمجہد اور اصحاب الحدیث ہیں، باقی سب دنیا الہدایت کسلانے کی مستحق نہیں ہے مگر ایسی بیجا شکایات کا کیا علاج ہے؟

کس سے کہوں کہ لاکھ امیریں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں جسے

قارئین کلم! سلسلہ کلام دراز اور بطلاق بیان وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ ہم صرف انہی مثالوں پر ہر دست اکتفا کرتے ہیں جن سے ہر منصف مزاج باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی تہ میں کہیں شرط خفتہ ہوتی ہے اور کہیں قید پوشیدہ ہوتی ہے، کہیں کوئی علت اور لم پنہاں ہوتی ہے اور کہیں برعکس ظاہری الفاظ کے ادب مستحب مضمر ہوتا ہے۔ کہیں امر میں استجاب و اباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط و تنزیہ کا فرما ہوتے ہیں۔ کہیں ترفیق و ترقم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ و سهولت کا مقام ہویدا ہوتا ہے اور کہیں ضاف لفظ تو کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنی مستبط کوئی اور ہی جھلکتا ہے جس کو صرف فقیہ اور مجتہد کی نظر بصیرت اور فراست علمی ہی تازہ کی ہے اور باقی پورے کج ولدانہ مغز کی لطف اندوزی سے یکسر محروم اور حیران نصیب رہتے ہیں۔ سچ ہے کہ سہ

گمراہوں میں نماں ہیں خدا ہی نے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتوح اس خزانے کی

اس تمام بحث کے بعد ہم ظاہر بینوں کی لفظ پرستی کی ہر دست صرف ایک ہی مثال عرض کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ (المتوفی ۳۷ھ) اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت آتی ہے کہ:-

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نهى
ان يبال في الماء الراكد - وعن النبي
صلى الله عليه وسلم قال لا يبول احدكم
في الماء الدائش ثم يغتسل منه -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکد اور دائم
(یعنی ٹکے ہوئے) پانی میں پیشاب کرنے سے
منع کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں آتا ہے
ہے کہ اپنے سر دیا کہ تم میں سے کوئی شخص
ٹکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ہو سکتا ہے
کہ کہیں پھر اسے اس سے غسل کرنے کی ضرورت
پیش آجائے۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۳۵)

تمام نظر و بصیرت والے فقہاء کرام اور محدثین عظام یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ٹکے

ہوتے پانی کے اندر پیشاب کرنا ممنوع ہے بعینہ اسی طرح پاخانہ بھی ممنوع ہے اور حرام جانوروں کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے اور ایسے پانی کے قریب بھی پیشاب ممنوع ہے جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور کسی کوزے یا برتن میں پیشاب گرنے کے پانی میں ڈال دینا بھی منع ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں پانی ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ مگر مشہور محدث داؤد بن علی الظاہری (المتوفی سنہ ۳۸۷ھ) اور اسی طرح دیگر بعض اہل الظاہر الفاظ پر محمود کا شکار ہو کر اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی الشافعی لکھتے ہیں :-

حکى عن داؤد بن علی الظاہری ان النہی
یختص ببول الإنسان بنفسه وان الغائط
لیس کالبول وكذا اذا بال في اناء ثم
صبه في الماء او بال بقرب الماء هذا
الذی ذهب الیه خلاف الجمع وهو
من اقبیح ما نقل عنه فی المجموع علی الظاهر
والله اعلم۔ (نووی ج ۱ ص ۱۳۸)

داؤد بن علی الظاہری سے حکایت کی گئی ہے وہ
کہتے ہیں کہ نبی صرف انسان کے پیشاب سے مخصوص
ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے۔ اور
اسی طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب گرنے
پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب گرنے
اور وہ بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی
حرج نہیں۔ داؤد ظاہری کا یہ مذہب اجماع کے
خلاف ہے اور محمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔

گویا انسان کا پاخانہ اور اس کا لٹے میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا یا پانی کے
قریب پیشاب کرنا جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور اسی طرح گرنے اور گدھے وغیرہ کا پیشاب
ماء را کہ کو نجس نہیں مگر تا یہ ہے تفقہ کے بغیر ظاہری الفاظ پر عمل بالحدیث کا فہم نہ لانا۔ لَا يَحْتَلُّ وَلَا
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اور شیخ الاسلام ابن وقین العیّد فرماتے ہیں کہ :-

مما یحلہ قطعاً بطلانہ ما ذهب الیه
الظاہریة الجمادۃ من ان الحکوم مخصوص
بالبول فی المأحی لوبال فی کوز و صبتہ فی المألم
یعتر عنہم اولوبال خارج الماء فجری البول لی المألم

اہل ظاہر اس بے جا محمود کا بطلان قطعی طور پر معلوم
ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم پانی کے اندر پیشاب گرنے
کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کونے میں
پیشاب کر کے اس کو پانی میں بہائے تو ان کے نزدیک

یضرعندہم ایضاً والعلو القطعی حاصل
بیطلاق قولہم لا ستواء الصرین فی
الحصول فی الماء فان المقصود اجتناب
ما وقعت فیہ الضیاسة من الماء ولیس
ہذا من محال الظنون بل هو مقطوع بہ
(احکام الاحکام ۲۷ مطبع انصاری دہلی)

یہ مضر نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی نے پانی کے
باہر بیٹاب کیا اور وہ بہر کہ پانی میں چلا گیا تو یہ بھی
ان کے نزدیک مضر نہیں ہے اور علم قطعی سے یہ
بات معلوم ہے کہ ان کا یہ قول باطل ہے
کیونکہ پانی کے ٹخن ہونے کیلئے دونوں باتیں برابر ہیں۔
کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی کو نجاست سے بچایا جائے
اور یہ کوئی ٹخن کا عمل نہیں بلکہ قطعی امر ہے۔

واضح ہے اس عمل بالحدیث کی کہ ظاہری الفاظ کو لے کر کس قدر غلطی کی ہے اور روح شریعت
کی کس طرح خلاف ورزی کی ہے اور افضح العرب اور صاحب جوامع الکلم (علی صاحب) کا
الف الف تھیہ کے بلیغ جملوں کو کس طرح حماقت کی نذر کر دیا ہے۔ فوا اسفا۔ اور حیرت ہے
کہ اس قسم کے حضرات ہی اہل الرائے پر اس طرح بستے ہیں جس طرح بلاد قحہ موسم ساون کی
موسلا دھار بارش پرستی ہے اور ان حضرات کو اہل حقہ اور اصحاب الرائی کی غلطیاں تو شب
تاریک میں ریت کے باریک ذرات میں بھی نظر آجاتی ہیں مگر اپنی پہاڑ جیسی کوتاہیاں
آفتاب نصف النہار میں بھی نظر نہیں آتیں۔ سچ ہے کہ

غیر کی آنکھوں کا تینکا جھگڑا آتا ہے نظر

دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

امام ربکی نے اہل ظاہر کے اختلاف کے بارے میں تین مسلک نقل کئے ہیں کہ ان کا اختلاف
مطلقاً معتبر ہے، مطلقاً معتبر نہیں۔ قیاس علی کے خلاف ہو تو معتبر نہیں ورنہ معتبر ہے۔
اور قاضی ابوبکر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

اصحاب ظاہر علماء شریعت سے نہیں ہیں بلکہ وہ
صرف نقال ہیں جب کہ ان کی ثقاہت ظاہر ہو۔

ان اصحاب الظاہر لیسوا من علماء الشریعة
وانما نقلت ان ظہرت الثقة (طبقات ص ۳۷)

الحاصل

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر قدیماً وحدیثاً جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حرد و تحصب

مذہبی اور جہالت و لاعلمی کی پیداوار میں جن کی دلائل و براہین کی دنیا میں سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور کچھ علمی طور پر ایسے امتراضات بھی ہیں جو بعض حضرات نے دیانہ اٹھائے ہیں مگر ان کے صحیح اور معقول جوابات بھی علماء احناف نے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں اور ایسے فقہی جزئیات اور اجتہادی مسائل میں جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوے نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح باقی ائمہ مجتہدین کا معصوم عن الخطا ہونا بھی یقیناً ثابلاً ہے اور ایسے مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ کل احد یؤخذ عنہ ویترک الاقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

کہ چوں باور سیدی تمام بوہی است

شیخ الاسلام ابن عبدالبرؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

الذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واثنوا
علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین
تکلموا فیہ من اهل الحدیث اکثر ما عابوا
علیہ الاغراق فی الدلای والقیاس والدرجا
اھ (جامع بیان العلم ص ۱۴۹ طبع مصر)

کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی ہے وہ ان سے بدرجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث نے ان میں کلام کیا انہوں نے ان کا زیادہ عیب یہ نکالا ہے کہ وہ سائنے و قیاس اور ارجاء میں منہمک ہیں۔

ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جس معنی میں امام صاحبؒ مہجر تھے وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور جس لئے اور قیاس کے وہ قائل تھے وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، پھر ان پر اعتراض کیوں اور کیسے؟ اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فمن قرأ فضائل مالک وفضائل الشافعی
وفضائل ابی حنیفۃ بعد فضائل الصحابۃ
والتابعین وعنتی بہا ووقف علی کریمو
سیرہم وھدیہم کان ذالک لہ عذاباً لکلیاً نفعنا اللہ

جس نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین کے بعد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے فضائل پڑھے اور ان کا اہتمام کیا اور ان کی عمدہ سیرت اور خصلت پر مطلع ہوا تو یہ اس

کا ایک مستحکم عمل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب کی محبت سے نفع عطا فرمائے۔ امام ثورنی نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور جس شخص نے ان کی خبروں میں سے صرف وہی خبریں یاد کر لیں جو بعض سے اسکے بارے میں حسد، یہودگی، بغض اور نفس پرستی کے طور پر صادر ہوتی ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فضائل بھی یاد رکھے تو وہ شخص حرام نصیب اور وہ غیبت میں داخل ہو گیا اور راہِ راست سے دور ہو گیا۔

مُحِبِّ جَمِيعِهِمْ قَالَ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللهُ عَن ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ وَمَنْ لَمْ يَحْفَظْ مِنْ أَخْبَارِهِمُ الْإِمَابِدَ مِنْ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضِ عَلَى الْحَسَدِ وَالْهَفْوَاتِ وَالْغَضَبِ وَالشُّهْوَاتِ دُونَ أَنْ يَلْحِقَ بِفَضَائِلِهِمْ حَرَمَ التَّوْفِيقِ وَدَخَلَ فِي الْغَيْبَةِ وَحَادَ عَنِ الطَّرِيقِ اهـ
(جامع بیان العلم ۶ ص ۱۶۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :-

كَمَا أَنَّ ابْنِ حَنِيفَةَ وَإِنْ كَانَ النَّاسُ خَالَفُوهُ فِي أَشْيَاءَ وَانْكُرُوا عَلَيْهِ فَلَا يَسْتَرِيبُ أَحَدٌ فِي فِقْهِهِ وَفِطْرَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَدْ نَقَلُوا عَنْهُ أَشْيَاءَ يَقْصِدُونَ الشَّاعَةَ عَلَيْهِ وَهِيَ كَذِبٌ عَلَيْهِ قَطْعًا مِثْلًا مَسْئَلَةَ الْحَنْزِيرِ الْبَتْرِيِّ وَمِثْلَهَا هـ
(منهاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۹ طبع مصر)

مثلاً امام ابوحنیفہ کی شخصیت دیکھئے کہ اگرچہ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی ہے اور ان کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر کوئی شخص ان کی فتاہت، فہم اور علم میں شک نہیں کر سکتا اور لوگوں نے محض ان کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جھگلی خنزیر کا حلال ہونا وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر امام صاحب کے مثال جن حضرات نے ذکر کئے ہیں۔ ان میں علامہ خطیب بغدادی الشافعی خصوصیت قابل ذکر ہیں اور ان کا تعصب بھی ایک کٹھلی ہوتی حقیقت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزی الحنبلی (المتوفی ۵۹۷ھ) جو امام العلامة الحافظ اور عالم العراق تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱) اپنی سند کے ساتھ اسمعیل بن ابی الفضل القومس الاصہمائی سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :-

وہ حدیث کے جاننے والے تھے فرماتے تھے کہ تین حفاظ کو میں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ سخت متعصب اور قبیل الانصاریت ہیں امام حاکم ابو نعیم اصبہانی اور خطیب بغدادی اور اسماعیل نے بالکل سچ کہا اور وہ اہل معرفت سے تھے۔

وعان من اهل المعرفة بالحديث يقول
ثلاثة من الحفاظ لا اُجهمهم لشدّة
تعصبهم وقلة انصافهم الحاکم ابو نعیم اللہ
وابو نعیم الاصبہانی وابوبکر الخطیب وصد
اسمعیل وكان من اهل المعرفة الخ
(المنتظم ج ۲ ص ۲۶۹ طبع دائرة المعارف حیدرآباد)

اور اسی قسم کا مقلد ابو نعیم ان الفاظ کے ساتھ سعد بن علی الریحانی سے بھی منقول ہے (ملاحظہ ہو
السهم المصیب لملک المعظم)
اور الملک المعظم کہتے ہیں کہ :-

قلت كان اسمعیل هذا حافظاً ثقة صدوقاً
بالمعرفة بالرجال والمتون عزيز الديانة
(السهم المصیب ص ۱۳۴)

میں کہتا ہوں کہ اسمعیل مذکور حافظ ثقہ اور صدوق تھے
ان کو رجال اور متون میں خاصی مہارت حاصل تھی اور
عذرہ دیانت کے مالک تھے۔

حافظ ابن الجوزی نے یہ مضمون اپنی کتاب السهم المصیب میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے
آخر میں لکھا ہے کہ :-

واما الخطیب فانہ زاد علیہا فی التعصب
وسوء القصد ۱ھ

امام خطیب ان دونوں پر تعصب اور بڑے قصد
میں بڑھے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ تانیب الخطیب طبع مصر)

اور بہت افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امام البیہقی کے مثالب میں جو روایات وہ
نقل کرتے ہیں فن روایت کے لحاظ سے وہ نہایت ضعیف کمزور اور مخدوش ہیں، بجائے
اس کے کہ ہم الملک المعظم کی السهم المصیب یا علامہ کوثری کی تانیب الخطیب کے حوالجات سے
علامہ خطیب کی ان روایات اور ان کے راویوں کا حال ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ کسی غیر حنفی ہی کا حوالہ عرض کر دیں تاکہ تعصب مذہبی کا وہم پیدا نہ ہو۔

امام ابن حجر مکی الشافعی علامہ خطیب بغدادی کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ :-

اس پر جو چیز ولایت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ کی قدح میں جو سندیں پیش کی ہیں وہ بیشتر منکرم ذمہ روایات یا مجہول روایوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانی سے بالاتفاق کسی مسلمان کی ہتک عزت نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ مسلمانوں کے امام کی۔

ومما يدل على ذلك ايضا ان الاسانيد التي ذكرها للقدح لا يخلو اغلبها من متكلم فيه او مجهول ولا يجوز اجاعاً ثلثه عرض مسلمو يمثل ذلك فكيف بامام من ائمة المسلمين (الخيرات الحسان ص ۱۹)

علامہ خطیب بغدادی نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت کے بابے میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقنت في صلاة الصبح حتى مات - اتخرفت صلى الله عليه وآله وسلم في تادم وفات صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔

اور اس پر وہ بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ امام ابن الجوزی الحنبلی جو شش میں آ کر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وسكوته عن القنح في هذا الحديث و احتجابه به وقاحة عظيمة وعصبية باردة وقلة دين لانه يعلم انه باطل اه رجواله نصب الرأية ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر) خطیب بغدادی کا اس روایت پر سکوت کرنا اور اس سے احتجاج کرنا بڑی کھینچی اور زنا تعصب اور کم دینی ہے کیونکہ وہ مجہول جانتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

اور علامہ ذہبی الحنبلی نے بھی ان کی اس اخلاقی پستی کا رونا رویا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

احمد بن علي بن ثابت المحافظ البوبكر تكلم فيه بعضهم وهو ابو نعيم وكثير من العلماء المتأخرين لا اعلم لهم ذنبا اكبر من دعوتهم بالحديث الموضوع في تأليفهم غير محذرين منها وهذا الثور وجناية علي التسنن فالله يعفو علامہ خطیب بغدادی اور ابو نعیم اور بہت سے علماء متاخرین کا گناہ میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے ہیں اور یہ گناہ سب سے اور سنت و حدیث پر ایک جنابت اور ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو

احمد بن علي بن ثابت المحافظ البوبكر تكلم فيه بعضهم وهو ابو نعيم وكثير من العلماء المتأخرين لا اعلم لهم ذنبا اكبر من دعوتهم بالحديث الموضوع في تأليفهم غير محذرين منها وهذا الثور وجناية علي التسنن فالله يعفو

عناوہم اھ (الرواة الثقات المتکلم فیہم کو معاف فرمائے۔ (آئین ثم آئین)

بسالہ یوجب ردم صلا طبع مصر)

قارئین کرام آپ انصاف کے ساتھ ان اقتباسات کو دیکھیں کہ بقول علامہ ذہبی خطیب بغدادی، ابو نعیم اور اکثر متاخرین نے سنت پر کس قدر ظلم کیا ہے کہ اپنی کتابوں میں بے تحاشا جعلی حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے حالانکہ من کذب علی الحدیث بقول علامہ ابن الصلاح (المتوفی ۷۴۲ھ) درجہ اول کی متواتر حدیث ہے (شرح تجرید ص ۱۱) اور امام ابو محمد الجوزی (المتوفی ۴۵۰ھ) کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنا اور جعلی حدیث بنانا کفر ہے اور جہو محمدیثین اس پتفق ہیں کہ بلا بیان موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے۔ (شرح تجرید الفکر ص ۵۹) یہ وہی علامہ ذہبی ہیں جن کے بعض حوالوں سے مؤلف نتیجہ التقلید نے (ص ۱۹۹) میں دھوکا دیا ہے ان مٹھوس اور معنی خیز سوالوں کو بھی دیکھیں اور علامہ خطیب کی کتابوں سے متاثر ہو کر حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے امام المسلمین کی پگڑھی اچھلنے والوں کی دیانت اور علمی انصاف بھی ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس کہ اہل علم جو ہر چیز کو اپنے مہم پر رکھنے اور سوچنے کے عادی تھے اٹھتے چلے گئے اور اعجاب کُل ذی راہی بربایہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اب ہم ان مبارک اور منصف مزاج ہستیوں کو کہاں سے تلاش کریں جن کے دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں ترستی ہیں۔ آہ

پیرِ مِخال کا دم کہاں، اس کی وہ بزمِ جم کہاں

بادہ نہیں تو ہم کہاں، زلیست یہ زلیست ہی نہیں

اختلافات تو پہلے بھی ہوتے تھے لیکن عموماً ان میں زیادہ تر ملحوظ احتیاق حق اور فراقِ نانی کی علمی خامیوں پر اُسے آگاہ کرنا ہوتا تھا، اور اس میں خیر خواہی، ہمدردی اور دوسوزی کا حتی الوسع خیال ملحوظ رکھا جاتا تھا اور باوجود اختلاف کے فراقِ نانی کی علمی اور خداواد بصیرت کی قدر ہوتی تھی یہ انداز تو ہرگز نہ ہوتا تھا جو آج اختیار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے امر کرام کو معاذ اللہ کفر ثابت کر کے ہی دم لیا جائے اور ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو بیکسر پس پشت ڈال دیا جائے اور ان کی علمی تحقیقات کو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد

عینِ بَدِّمقابل لاکھڑا کر دیا جائے اور یہ باور کرنے کی بیجا سعی کی جلتے کہ ان حضرات نے ایک متوازی دین قائم کر رکھا ہے جس سے اصل دین کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر دی گئی ہیں اور یہی حضرات دینِ حق میں سختے ڈالنے کے اصل ذمہ دار ہیں (العباد باللہ) اور خیر سے بات خود نہیں سمجھی ہوتی کہ ان بزرگوں نے کیا فرمایا اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور ان کے بیان کردہ مسائل کی کڑی کن نصوص روشن برہین اور صحیح دلائل سے جا ملتی ہے؟ اور اگر مقتضائے تشریح ان سے کہیں کوئی علمی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو اس کی مناسب توجیہ بیان کر کے ان سے بدظنی کو دور کیا جائے مگر یہ کام تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو اور علم اور اہل علم کی قدر و منزلت ہو اور تحریب (گردہ بندی) اور تعصب سے بچے ہوئے ہوں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ غرضیکہ ائمہ دین کے بارے میں طعن و لعن اور سب و شتم تو بڑی چیز ہی ہے ان کے متعلق یہ طعن بھی کچھ کم گناہ نہیں جو زبانِ حال یہ کہتے ہیں ۔

اے مالی نہ دے گالی بگاڑا ہم نے کیا تیرا چمن بنے سیر کرنے کو نہ گھر تیرا نہ گھر میرا

باب ہشتم

ایک لطیف بحث

غیر مقلدین حضرات نے فقہ حنفی اور کتب فقہ حنفی اور مسائل فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور
 علوم کو ان سے بظن کرنے کے لیے کئی حربے اختیار کر رکھے ہیں۔ کبھی تو کتب فقہ سے کمزور ضعیف
 اور متروک العمل جو بیات چن چن کر عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ ہے حنفی فقہ، جیسا کہ داد حق ،
 حقیقت الفقہ جلد دوم، نتائج التعلیم اور مجمع محمدی وغیرہ میں یہ طریق اختیار کیا گیا ہے مگر انروئے
 انصاف اس پر غور نہ کیا کہ فقہ کی ہر جڑنی اور ہر مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فہم و مدوہ نہیں
 بلکہ بیشتر مسائل بعد کے فقہائے کرام اور خصوصیت سے متاخرین کی تخریجات ہیں اور نظام بات ہے
 کہ غیر معصوم اور غیر مجتہد کے نظریات میں خطا اور غلطی کا پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد
 ہے، کہ غیر مقلدین حضرات نے کتب فقہ کے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں بعض مقامات میں
 حوالجات کے اندر قطع و بڑید اور بعض میں کم فہمی اور کج فہمی کی وجہ سے ناجائز مطلب برابری بھی بیشتر
 مسائل میں شامل ہے۔ اور جن مسائل کو اغلاط سے تعبیر کیا جاسکتا تھا ہے وہ صرف معدودے چند
 مسائل ہی ہیں باقی سب غیر مقلدین حضرات کی کج فہمی ہے۔ اگر ہم فقہاء احناف کے حوالے اس
 پر عرض کریں تو شاید غیر مقلدین حضرات کو ان سے اطمینان نہ ہو اس لیے خود ان کے گھر کا
 ایک حوالہ ہر دست عرض کیے جیتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم مرزا حیرت صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :-

”جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کسلائی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام عظیمؒ کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد (فی الفروع، صفحہ) کی کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحبؒ کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ آج تک امام صاحبؒ کے کسی شاگرد یا معتقد نے بالکل یہ امام کے ہر مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبینؒ بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے اپنا کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا۔“ (حیات طیبہ ص ۲۴۵)

ہمارا بھی اس پر صاف ہے، نہ تو ہر مسئلہ اور جزئی جو کتب فقہ میں مطور و مذکور ہے حضرت امام عظیمؒ کی فرمودہ ہے اور نہ ہر جزئی اور مسئلہ صحیح اور معمول بہا ہے اور نہ اس کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت اور فقہ حنفی پر اعتراض درست ہے اور نہ ایسی متروک اور ناقابل عمل جزئیات کی وجہ سے وہ کتابیں ہی سر سے مخدوش قرار دی جاسکتی ہیں جن میں ان متروک جزئیات کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل قرآن و حدیث اور اجماع اُمت کے عین مطابق اور معمول بہا ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو غیر معتقدین حضرات کے مسلم اور معتبر علماء کی کتابوں سے ایسی ہی مردود جزئیات اور متروک مسائل پیش کر سکتے ہیں المعروف الجادہ، روضۃ الندیہ، دلیل الطالب، بدور الآہلہ اور ایسی ہی دیگر متعدد کتابیں جہاں سے پیش نظر ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم اتنے کم حوصلہ نہیں ہیں، کہ غیر معتقدین حضرات کی غلط روی سے متاثر ہو کر طعنہ بازی پر اتر آئیں۔ ہم تو صرف اصولی بات عرض کر رہے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جس طرح کتب حدیث میں (باستثنائے صحیحین) بیسیوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں ضعیف معلول منکر بلکہ خالص جعلی اور من گھڑت بھی موجود ہیں۔ مگر نہ تو کسی دیانتدار اور خدا ترس فرقہ اور فرد نے ان ضعیف اور موضوع حدیثوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر کوئی اعتراض کیا ہے نہ کوئی حدیث اور باطل فرقوں کی بات نہیں ہو رہی اہل حق کی بات ہو رہی ہے) اور نہ اس قسم کی ضعیف اور موضوع روایات کی وجہ سے کسی متدین نے علم حدیث ہی کا انکار کیا ہے؛ اور نہ ان کتابوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے جن میں یہ باطل اور موضوع حدیثیں موجود ہیں، بس یہی کہتے ہیں کہ ان روایات کو رد کرتے ہوئے صحیح اور حسن قسم کی روایات کو قابل عمل گانتے ہیں۔

کہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کوئی حرف رکھتے ہیں اور نہ حدیث کو ناقابلِ اعتماد اور متروک العمل سمجھتے ہیں اور نہ ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والے تخریثین کراہم پرہتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ :-

ولذیب ان القیاس فیہ فاسدٌ وکثیر
من الفقہاء قاسوا قیة فاسدة بعضہا
باطل بالنص وبعضہما اتفق السلف
علی بطلانہ لکن بطلان کثیر من القیاس
لو یقتضی بطلان جمیعہ کما ان وجود
الکذب فی کثیر من الحدیث لایوجب
کذب جمیعہ اہ

پائے جانے سے یہ تو لازم نہیں کہ سب حدیثیں ہی جھوٹی ہو جائیں۔

(منہاج السنۃ ۲ ص ۹۷ طبع مصر)

اگرچہ اصولی طور پر یہ جواب بالکل کافی ہے مگر ہم غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور عناد کو پیش نظر رکھتے ہوتے اس کی فراز یادہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تقریر طبع کے لیے ان کی مرکزی کتاب کے چند حوالے عرض کر دیں جس پر ان کے تقریباً سبھی علماء کی تصدیقات و تقریظات ثبت ہیں۔ ان کی مرکزی کتاب نتائج التقلید میں لکھا ہے کہ:-

مصنف ہدایہ کا باطل طوفان۔ مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے ڈھڑکے۔ اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افتراء میں اسے انتہائی لذت و علادت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح الفاظ میں لکھا ہے :-

انما سنتہ کذا روی الحسن عن ابی حنیفہؒ لانه واطلب علیہ الخلفاء الراشدون (ہذا
ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعۃ مجتہبی دہلی) تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسن بن زیادؒ
نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے

اصلیت واقویر ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی
 حسن یا کسی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا کہ حضرت امامؑ پر یہ ہدایہ ایسی مقدس
 دستند کتاب کا حکم کھلا افتراء ہے جس کتاب کی تقدیس کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اسل
 قرار دینا جنوں اور مذہب کے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ زبلیؒ جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار
 رکن اور تخریج ہدایہ کا بانیگ دہلی معنی ہے، مصنف ہدایہ کے اس افتراء عظیم کو دیکھ کر انتہائی
 شرمندہ و نادم ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ جو تخریج ہدایہ
 پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپید انکار علی معلومات کے باوجود ہدایہ کے اس قولِ باطل پر حیرت نہ
 ہو کر فرماتے ہیں: ما وجدنا یعنی مصنف ہدایہ کے اس قول کا کہیں سراغ و نشان نہیں ملا

”جو میں آیا اسے نام شریعت دے دیا“ (نتائج التقلید ص ۱۵)

اور مؤلف مذکور نے ص ۱۵ تا ص ۱۹ میں صاحب ہدایہ، صاحب درمختار اور توضیح و تلویح
 وغیرہ کے بارے میں بزرگ خویش جعلی اور موضوع حدیثیں نقل کرنے کی آڑ میں خوب جلی کٹی
 سنائی ہیں۔ اس عبارت میں مؤلف نتائج التقلید نے جس طرح دل کھول کر صاحب ہدایہ اور
 علامہ زبلیؒ پر قلب ماؤف کی بھڑاس نکالی ہے وہ محتج تشریح نہیں ہے۔ تراویح کے مسئلہ پر
 الگ رسالہ کی ترتیب پیش نظر ہے اس لیے ہم اس پر یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں
 ہم بفضلہ تعالیٰ بتائیں گے کہ آیا صلوة تراویح کا حضرت خلفاء راشدین سے ثبوت ہے یا نہیں؟
 اور جب انہوں نے اس پر عمل شروع کیا تو کیا اس پر انہوں نے مواظبت کی تھی یا نہیں؟ یہ اور
 اس قسم کے اور کئی مسائل النشاء اللہ و امل ہی عرض ہوں گے۔ ہر دست یہ بتانا مقصود ہے کہ
 مؤلف نتائج التقلید نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے جو ما وجدنا کے الفاظ نقل کئے ہیں وہ غلط
 ہیں۔ ان کے الفاظ لم اجده ہیں (دیکھیے درایہ ص ۱۲۳) علاوہ ازیں مؤلف نتائج التقلید اور اس کے
 جملہ مصدقین حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ ابن حجرؒ نے مستقل طور پر احادیث ہدایہ کی تخریج
 نہیں کی جیسا کہ مؤلف نتائج التقلید اور اس کے حوالوں نے غلط سمجھ رکھا ہے بلکہ حافظ موصوفؒ
 نے علامہ زبلیؒ کی تخریج ہدایہ کی تلخیص کی ہے اور اس کا نام الدلیہ رکھا ہے اور ص ۱۳
 میں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۳ میں اس کی تصریح موجود

ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں سے جو بات ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ غور سے ملاحظہ فرمائیے :-
 اگر ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی پوزیشن اس لیے مخدوش ہے کہ اس میں بعض بے اصل اور
 فرض کیے ہوئے معلول بلکہ موضوع اور جعلی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں تو مؤلف نتائج التقلید اور ان کے
 حوالی صحیحین کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں سے ہاتھ دھو ڈالیں کیونکہ حضرت امام بخاریؒ اور
 امام مسلمؒ نے بھی اپنے اپنے صحیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اور ہم اہم بخاریؒ
 کی کتاب تاریخ صغیر کے متعلق مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ کا حوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں جس میں
 نعیم بن حماد جیسے شیر کی روایت بھی موجود ہے جو خیر سے بڑھ کر خود سنت کا شیدائی بن کر تقویت
 سنت کی حدیثیں بھی وضع کیا کرتا تھا اور اسی طرح ان کی باقی کتابوں میں بھی ضعیف اور کمزور
 روایتیں موجود ہیں۔ کیا مؤلف نتائج التقلید اور ان کے مصدقین کے نزدیک مشکوٰۃ اور صاحب
 مشکوٰۃ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جس میں لاسخلاق اللہ العقلؑ کی حدیث مزج ہے جس
 کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ صرف یہ بلکہ سے لفظ استعمال کرتے ہیں :-

وقد تكلم فيه بعض العلماء (ج ۲ ص ۴۳) کہ اس میں بعض علماء نے کلام کیا ہے

حالانکہ علماء السخاوی الشافعی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ :-

انه كذب موضوع باتفاق . کہ یہ اتفاق جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔

(بجوالہ موضعتا کبیر ص ۲۹)

حافظ ابن تیمیہ وغیرہ بھی اس کو موضوع کہتے ہیں (ایضاً) اور محدث زکشی فرماتے ہیں کہ :-

هذا موضوع باتفاق (موضعتا کبیر ص ۴۷) یہ روایت بالاتفاق جعلی اور موضوع ہے۔

اور یہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بغیر کسی نیچر کے (بلکہ مقام استدلال میں) ہمیش

کی ہے (ملاحظہ ہو حجة اللہ ص ۳۱۱ باب ذکر عالم المثال طبع مصر)

تو کیا اب صاحب مشکوٰۃ اور حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مؤلف

نتائج التقلید کی طرح مرنخی اور عنوان قائم کر کے دل کی بھڑاس نکالی جائے جس طرح کہ انہوں نے

صاحب ہدایہ کے لیے یہ مرغوب نفس عنوان قائم کیا ہے؟ اس کو بھی جانے دیجئے، یہ بتائیے کہ غیۃ الطالبین

میں کتنی حدیثیں خالص جعلی اور موضوع ہیں؟ اگر سب کے بارے میں کسی لائق استاد اور عارف

رجال اور ماہر طبقات رجال سے پوچھنے کی توفیق میسر نہ ہو تو صرف فضائل جبب اور شعبان وغیرہ
الواباب ہی کے حدیثوں کے متعلق بتائیے کہ ان میں کتنی جعلی اور موضوع حدیثیں ہیں؟ مگر افسوس
کہ غنیۃ الطالبین سے تو صرف مطلوب نفس سوائے ہی دیکھ لیے ہیں کہ حنفی مہر جمعہ کے باطل فرقہ میں
داخل ہیں اور اہل حدیث ہی اہل علم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہماری بات کا یقین نہ آئے تو علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال (جز ۱ ص ۲۷) ترجمہ حارث
بن اسد المہاجر ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ چند دیگر کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی موضوع حدیثوں
کے بارے میں اور خصوصیت سے غنیۃ الطالبین کے بارے میں انہوں نے کیا کہا ہے؟ انشاء اللہ تعالیٰ
آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی۔

اور مستدرک حاکم کے اندر مندرج بہت سی جعلی اور موضوع روایات کا حال بھی شاید غیر مقلدین
حضرات سے مخفی نہ ہو گا جس کی احادیث سے وہ مطلوبہ مسائل میں احتجاج کرتے ہیں۔

اس کو بھی جانے دیجئے، یہ دیکھئے کہ سنن ابن ماجہ محدثین عظام کی ایک خاصی جماعت کے
نزدیک صحاح ستہ میں شامل ہے مگر امام ابن الجوزی کے خیال میں اس کے اندر تقریباً پچاس سے ۲۰
روایتیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:-

وفي الجملة ففيه احاديث كثيرة منكورة۔ المحاصل اس میں بہت سی حدیثیں منکرہ ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳)

اور حدیث منکر کو خود حافظ ابن حجر (وغیرہ) نے مردود قسم کی حدیثوں کی تد میں ذکر کیا ہے

(ملاحظہ ہو شرح منجۃ المکرہ ص ۵۹)

(اور حافظ ابوالحجاج المزنی الشافعی رالموتوفی ۶۷۲ھ جو العالم الجبر للمافظ ابو احمد

اور محدث الشام تھے، تذکرہ ص ۲۸) نے تو اس سے بھی زیادہ وزنی بات کہہ ڈالی ہے کہ:-

كل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعيف يعنى

بذلك ما انفرد به من الحديث عن الاممة

يعنى جو حدیث امام ابن ماجہ نے باقی پانچ اماموں

سے منفرد ہو کر روایت کی ہے وہ ضعیف ہے۔

الخمسۃ ۱۰ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳)

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ:-

فانہ تفرده باخراج احادیث عن رجال
متہمین بالكذب وسرقۃ الاحادیث الخ
کہ وہ جھوٹ اور حدیث میں پوری کرنے سے متہم
راویوں سے احادیث روایت کرنے میں متفرو ہیں۔

(زہد الربی علی المجتبی ص ۸)

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

وله حدیث فی فضل قزوین منکر بل موضوع
ولهذا اطعنوا فیہ فی کتابہ ۱۱
انہوں نے فضائل قزوین کے بارے میں ایک شعر
بلکہ جعلی اور موضوع حدیث بھی روایت کی ہے اور
اس وجہ سے محدثین نے ان میں اور ان کی کتاب
(المحطہ ص ۸)

میں طعن کیا ہے۔

مگر یقین جانئے کہ یہ طعن صرف دائرہ تحقیق اور علم تک محدود رہا ہے۔ اس طرح کانئیں
جس طرح کہ مؤلف نتائج التقلید نے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں پیش کیا ہے، ان کے
اصل الفاظ پھر وہاں ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ مستحضر فی الذہن ہوں اور ان سے ذہول نہ ہو جائے۔

مسند امام احمد بن حنبلہ میں تصریح حافظ عراقی الشافعیؒ نے حدیثیں موضوع میں۔ علامہ ابن الجوزیؒ
نے پندرہ حدیثیں ان کی موضوع قرار دی ہیں۔ امام سیوطیؒ نے ان سے بھی زیادہ کا ذکر کیا ہے اور
پھر جواب دہی کی سعی بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تعجیل المنفعتہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ
مسند احمد میں اصل لہ قسم کم صرف تین یا چار روایات موجود ہیں۔ (محصلہ الجنۃ فی الاسواق
الحسنۃ بالسنة ص ۸۱ ذاب صاحب)

صحلہ ہستہ میں سے ترمذی کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بہت
سی احادیث انتہائی درجہ کی کمزور، منکر اور ضعیف ہیں اور خصوصیت سے مناقب وغیرہ کے
ابواب کی حدیثیں حتیٰ کہ محدثین ان کی تصحیح و تحمیل کی شکایت کے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس الکلام
میں ہم نے باحوالہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ اب رہی باری، نسائی اور ابوداؤد کی تو بلاشک
صحیحین کے بعد صحت اسناد کے لحاظ سے نسائی کا پھر ابوداؤد کا مقام بہت بلند ہے۔ مگر اس
کو کیا کیجئے کہ بعض کمزور اور ضعیف و منکر روایات کے علاوہ جعلی اور موضوع حدیث بھی ان میں
موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

عن ابن عباس قال السجل كاتب للنبي صلى الله عليه وسلم وهكذا رواه البوداؤد والنسائي اه (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۰ طبع مصر)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سجل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب اور منشی تھا۔ اس کو البوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اور پھر اسی صفحہ میں آگے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وقدم صرح جماعة من الحفاظ بوضعها وان كان في سنن ابى داؤد منهم شيخنا الحافظ الكبير ابوالحجلیب المزی اھ

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ یہ سنن البوداؤد، (وغیرہ) میں ہے ان حفاظ میں ہمارے شیخ الحافظ البکیر ابوالحجلیب مزی بھی شامل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا ہو حدیث موضوع۔ کہ یہ جعلی حدیث ہے۔ یہ حدیث البوداؤد ج ۲ ص ۵۱ طبع مجیدی کانپور میں موجود ہے اور حافظ ابن القیم بھی اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جعلی اور موضوع ہے۔ (مہذب سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹۶ طبع مصر)

مؤلف نتائج التعلیہ (اپنے مصدقین سمیت) ہمیں یہ بتانے کہ کیا امام البوداؤد اور امام نسائی وغیرہ کے خلاف اسی طرح کی سرخی قائم کر دی جائے جس طرح کہ انہوں نے صاحب بدایہ کے خلاف قائم کی ہے؟ اور اسی طرح ان کو جھوٹ اور افتراء وغیرہ کے ظالم تیروں سے پھیلنی کر دیا جائے اور یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ جن کتابوں کی تقدس کا یہ عالم ہوا نہیں مذہب اسلام کی اساس قرار دینا جنون اور مذہب مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشا وکلا کہ کسی متدین عالم بلکہ ادنیٰ ترین مسلمان کے ذہن میں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہوگا۔ یہی کہا جائے گا کہ ان اکابر محدثین نے اپنے اجتہاد وحسی سے ان احادیث کو صحیح سمجھ کر یا تسامح اور سہل انگاری سے کام لے کر کتابوں میں درج کر دیا ہے اور وہ سب محققین علمائے ان کے اجتہاد کی غلطی واضح ٹھہری ہے کیونکہ نہ تو یہ علامہ خطیب بغدادی وغیرہ کی طرح متعصب ہیں اور نہ ان کا مقصد تراویح ہی بڑ ہے۔ ہاں غلطی ہے، اور آخر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کون معصوم ہے؟ نہ تو ان کی ذات مقدوس ہے اور نہ ان کی کتابیں ناقابل اعتقاد ہیں، صرف وہی حدیثیں قابل رد ہیں جن کو محترم محدثین کرام نے نقل و مقلد مردود

واری حضرات کھڑے کئے ہیں جنہوں نے اجتہاد سے
کلام لیا اور ان کی وجہ سے امت کے لیے دین
مخفوظ رہا اور باقی لوگ ان کے تابع ہیں، یا تو وہ ان
کے اصول کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور یا
ان کے مقلد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ جس طرح فقہان نے اجتہاد کیا ہے اسی
طرح محدثین نے بھی اجتہاد کیا ہے اور سب لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ
نے دونوں گروہوں میں سے کچھ نفوس قدسیہ کھڑے کئے ہیں، بقیۃ الناس یا ان کے
قائم کردہ اصول کے مطابق استدلال کرتے ہیں اور یا انھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے
ہیں۔ صحیفہ کی بات ہے کہ اس میں فقہان کی تقلید تو ناجائز اور محترَب دین ہو مگر محدثین کی
تقلید کسی کا کچھ نہ بگاڑے۔ فقہان کی تقلید تو غیر مقلدین کے نقل کردہ حوالجات کے پیش نظر دیکھو
نتیجہ تقلید ص ۱۱۰ وغیرہ) مگر اہی کی ماں اور موجب ہلاکت و تباہی اور مستوجب ہزار قباحت
ہو۔ حتیٰ کہ اس تقلید کے خلاف بیسیوں کتابوں کے علاوہ نتائج تقلید جیسی کتاب بھی معرض
وجود میں آجائے اور اس کی تصدیقات بھی ہو جائیں مگر محدثین کی تقلید کی سکر سے ماں ہی
کوئی نہ ہو اور نہ وہ موجب گمراہی و ضلالت اور باعث شرک ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر
ہے کہ ایک ہی حدیث کے معنی اور روایت میں کسی امام کی تقلید تو مذموم ہو اور اسی روایت کی
سند اور روایت میں تقلید عین ایمان ہو؟ خذرا فرمائیے کہ بات کیا ہے؟ اور تقلید کی اس شق کو
کیوں معرض وجود اور منصفہ شہود پر نہیں لایا جاتا؟ آخر سچ

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

الحاصل ہدایہ ہو یا ہتھ کی کوئی اور کتاب ہو، ان میں بعض قواعد اصولیہ قسم کی روایات
یا بعض ضعیف اور ناقابل عمل مسائل اور جزئیات کی وجہ سے نہ تو پوری ہتھ کی افادیت کا انکار
کیا جاسکتا ہے؟ اور نہ ایسی کتابیں اور ان کے مصنفین حضرات کو ہدف ملامت قرار دیکر ان کو
ناقابل اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے جس طرح کہ آجکل غیر مقلدین حضرات نے جماعتی رنگ میں یہ

معم شرم کر رکھی ہے۔ ورنہ معاذ اللہ اسی قسم ہی کے دلائل سے احادیث کا پورا ذخیرہ محسوس ہو کر رہ جائے گا اور انہیں کے قائم کردہ اصول سے منکرین حدیث (جو بیشتر نام نہاد اہل حدیث ہی سے ترقی کر کے اس کیٹیج پر پہنچے ہیں اور ابھی تو وہ

ابتدائے عشق ہے رونا ہے کیا؟ آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا؟

کام لے کر اپنی نامبارک گاڑی چلاتے ہیں۔

نواب صاحبؒ فتنہ کی افادیت کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

”وفادہ تصنیف کتب فقہ دو چیز است، یکی استفادہ طرق اجتہاد و تصرف فقہاء در حواش و کیفیت بنا، بعض بر بعض، دوم معرفت متفق علیہ از مختلف فیرا فتوے بغیر متفق علیہ نمہ“ (هدایة السائل الی ادلة المسائل ص ۳۱)

غیر مقلدین حضرات کے جماعتی پرچہ الاعتصام میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:-

”اہل حدیث یا غیر مقلدین کے ہاں فقہ حنفی کو علوم میں بہت ہی اونچی درجہ حاصل ہے۔ ان کے مدارس میں یہ باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ ان کے نصاب تعلیم میں دلیل ہے اور قدوری سے لے کر ہدایہ تک تمام کتابیں بالالتزام طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں ان کے ہاں اسے مسائل کا بہت بڑا ماخذ سمجھا جاتا ہے وہ فقہ کے مسائل پر عمل کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے اس کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں“

(بلفظہ الاعتصام ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳)

حقیقت الفقہ، درایت محمدی، شمع محمدی اور نتائج التقلید کے مؤلفین حضرات کو یہ حوالہ بار بار پڑھنا چاہیے جو فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے عین مد مقابل کھڑا کرنے پر مصر ہیں حالانکہ اس حوالہ سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے فقہ کی تعلیم ضروری ہے۔ اور فقہ حنفی مسائل کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے اور اس کے مسائل قابل عمل ہیں۔

”مانتے جس کو نہ تھے لہجے پہنچے وہاں؟“

اور مولانا میر صاحب سیال کوٹی فرماتے ہیں کہ:-

”نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو

ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقول باتیں سمجھائی ہیں۔ ان میں امام
برهان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جائے گی؟ اور یہ
بات سولے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ هذا والله الہادی؛

انتہی بلفظہ۔ تاریخ الحدیث ص ۱۲)

ان الفاظ کے پیش نظر مؤلف نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اپنا مقام اور
خطاب و لقب خود سمجھ لیں کیونکہ :-

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

ہدایہ وہ مبارک کتاب ہے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکلی حضرت مولانا سید نذیر حسین
صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اپنے ذمہ صرف قرآن و حدیث ،
اصول حدیث اور ہدایہ کو خاص کر لیا تھا۔ (الحیات بعد الممات ص ۲۹۵) اگر ہدایہ کوئی ایسی ویسی کتاب
ہوتی تو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ آخر عمر میں اس کا شغف چہ معنی وارو؟
دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مؤلف نتائج التقلید (ملاحظہ ہو ص ۵) کتاب ہدایہ کے متعلق
گرفت کرتے ہوئے دیدہ دلیری سے یہ بھی لکھتا ہے کہ :-

”اسی پر کتنا نہیں کیا بلکہ انتہائی جرأت اور پوری جسارت کھل کر کہا گیا ہے۔“

ان الہدایۃ کالقدان قد نسخت ما صنفا قبلہا فی الشرع من کتب
ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے اور اس کے وجود پذیر (تصنیف)
ہونے سے پہلی تمام شرعی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ جہل جلالہ یعنی جیسا کہ قرآن مجید
سے تورات و انجیل منسوخ ہو گئیں ویسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے کتب حدیث
اور حنفی شافعی وغیرہم فقہی کتب بھی منسوخ ہو گئیں۔ (بلفظہ)

جواب :-

مذکورہ جو عبارات نقل کی۔ ہے انتہائی جرأت اور جسارت سے کام لیا ہے
کیونکہ اصل الفاظ ”فی الشرع من کتب“ نہیں بلکہ ”فی الفقہ من کتب“ ہیں۔ خود راقم المحروف نے
متعد و کتابوں میں فی الفقہ کا لفظ ہی دیکھا ہے، یہ یا تو مؤلف مذکور کی اپنی ذاتی تحریف ہے۔ اور

یا کہیں کسی رسالہ سے غلط لکھا ہوا گھسیٹ دیا ہے۔ اور جس طرح اسی عبارت میں مؤلف مذکور نے کتب کو ذوی العقول بنا کر وغیرہم ہمتی کتب الخ کر دیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنی بے باکی سے لفظ "فی الفقہ" کو "فی الشرح" بنا دیا ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اصل ہی میں لفظ "فی الشرح" ہے تو بھی اس سے مراد کتب فقہ ہی ہیں اور نسخ سے یہ مراد نہیں کہ جملہ مسائل فقہ ہدایہ سے منسوخ ہو گئے جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے ناگجھ حوالہ دہی یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ درز صاحب ہدایہ متقدمین مسائل نقل نہ کرتے اور نہ قدوری اور جامع الصغیر وغیرہ کی شرح کر کے اس کا نام ہدایہ رکھتے بلکہ نسخ سے بقول شاعر صرف یہی مراد ہے کہ جس طرح نقلی اور عقلی دلائل اور براہین کو سنایت اختصار اور بیغناذ انداز سے صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ہمتی کوئی کتاب مذاہب اربعہ میں موجود نہیں ہے۔ ہم نے بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں دیکھی ہیں، مگر صاحب ہدایہ کا انداز بیان اور طرز استدلال کچھ اور ہی ہے۔ بقول غالب ؎

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ مؤلف نتائج التقلید کے ترجمہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفظ کا لفظ ان کو حشر ان کی خیر تصور کر لیا ہے حالانکہ اس کی خبر قدسغت الخ کا جملہ ہے اور کالقرآن شغف کے متعلق ہے اس لحاظ سے اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ بے شک ہدایہ نے ان کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے جن کو ہمتا نے اس سے قبل تصنیف کیا ہے جیسے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو تشبیہ صرف نسخ میں ہے۔ اور نسخ بھی صرف مجازی یعنی ان سے بے نیاز کر دیا ہے نہ یہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے بلاوجہ سمجھ رکھا ہے۔

امام قاسم بن فیروز الشاطبی رالموتوفی سن ۵۹۰ھ جو الامام العلامہ احد الاعلام الکبار تھے مفتاح السعادة ج ۲ ص ۲۸۵) کی مدح و تعظیم میں مشہور محدث البوشامہ المقدسی الشافعی (الموتوفی ۶۱۵ھ جو الحافظ العلامہ اور المتبہد تھے۔ تذکرہ ج ۴ ص ۲۳۳) فرماتے ہیں

رأیت جماعۃ فضلاء فاذا برؤیة شیخ مصر الشاطبی

وكلهم يعظمه ويشنئ

(مفتاح السعادة ۲۸۸)

کہ میں نے فضلاء کی جماعت کو دیکھا جو شیخ مصر الشاطبی کی روایت میں کامیاب ہو گئے اور وہ سب کے سب ان کی تعظیم اور مدح کرتے ہیں جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ کیا اب یہ کہنا شروع کر دیا جائے کہ محدث ابوشامہ نے حافظ الشاطبیؒ کو (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر جا پہنچایا ہے اور ان کے فاضل شاگردوں کو صحابی بنا دیا ہے؟ اس کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے شاعرانہ تخیل کے تحت اپنی حسنِ محبت کا اظہار کیا ہے اور بس، نیز یہ بھی ملحوظ ہے کہ شبیبہ میں من کل الوجہ مشابہت بھی ضروری نہیں ہوتی کما لا یخفی۔

رجح الحدیث

بات یہاں سے چلی تھی کہ علامہ ذہبی نے امام خطیب بغدادیؒ امام ابو نعیمؒ اور اکثر متاخرین پر یہ تنقید کی ہے کہ انہوں نے بے تحاشا موضوع، جعلی اور من گھڑت روایات اپنی کتابوں میں درج کر کے سنت پر ظلم ڈھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ مگر بایں ہمہ نہ تو ان کی شخصیت پر مفسرتی اور کاذب وغیرہ ہونے کا فتویٰ درست ہے جس طرح کہ صاحب نتائج التقدیر نے مصنف ہدایہ پر ظلم کیا ہے اور نہ مجموعی لحاظ سے ان حضرات کی کتابیں درجہ اعتبار سے ساقط ہیں جس طرح کہ نوائف مذکور نے ہدایہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کی موجود سعی کی ہے۔ اب اس کے بعد ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آدم بربر مطلب کے بطور پر کچھ لفظی حوالجات عرض کرتے ہیں:

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (المعروف ۳۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وَلَمْ تَغْتَرِبْهُمَا لِقَوْلِهِ الْحَافِظُ الْبُيُوكِيُّ بِنِ ثَابِتٍ	حافظ ابو یحییٰ خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہؒ
الْحَطِيبِ الْبَغْدَادِيَّ مِمَّا يَجِدُ بِنِعْظِيمٍ	کے بارے میں جو عمل تعظیم باتیں نقل کی ہیں ان سے
اَلْاِمَامِ اَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاَنَّ	دھوکا نہ کھانا۔ خطیب بغدادی نے اگرچہ پہلے
الْحَطِيبِ وَاَنْ نَقَلَ كَلَامَ الْمَادِحِينَ	مدح کرنے والوں کی باتیں نقل کی ہیں مگر اس کے

فقد عقبه بسلام غيرهم فشان كتاب
بذالك اعظم شين وصار بذالك
هدفا للكبار والصغار واتى بقاذورة لا
تقتلها الجحاد ر عقود الجمان ص
بحواله ماتمس اليه الحكمة طبع اصم المطابع
كراچی

بعد در سکر لوگوں کی باتیں بھی نعت کی ہیں۔
سو اس وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب کچ بڑا وفادار
کر دیا ہے اور بڑوں اور چھوٹوں کے لیے ایسا کرنے
سے وہ ہر طرف ملامت بن گئے ہیں اور انہوں نے
ایسی گت دگی اچھالی ہے جو سمندوں میں بھی نہ
دھل سکے۔

اور علامہ جمال الدین ایوسف بن حسن بن عبدالہادی الحنبلی (المتوفی ۹۰۹ھ) اپنی کتاب
”تنویر الصحیفہ“ میں لکھتے ہیں کہ :-
ومن المتعصبين على ابي حنيفة الدارقطني
والونعيم اه ر بحواله ماتمس اليه الحاجة
امام ابو حنیفہ کے بارے میں جن حضرات نے
تعصب برتے ان میں امام دارقطنی اور ابو نعیم
بھی شامل ہیں۔

علامہ عینی نے امام دارقطنی کا متعصب ہونا ذکر کیا تھا جس پر دیگر اپنے ہم مشرب دوستوں
کی طرح مولف نتائج التقلید بھی سیخ پا ہو گیا (دیکھئے صفحہ ۱۸۹ وغیرہ) مگر یہ سوچا کہ اس میدان
میں تنہا عینی ہی نہیں خود شافعی المسلک وغیرہ بھی ان کو متعصب ہی کہتے ہیں کج
اِس گناہیت کو در شہر شامیز نہ رکھند !
اور علامہ محمد معین الزندہی لکھتے ہیں کہ :-

وهذا الدارقطني قد طعن في امام الائمة ابي
حنيفة وضعفت مادار عليه من الاحاديث
بسببه وكذلك الخطيب البغدادي
قد افترط في ذلك ولم يعبا بهما وبمن
حذى حذوهم مع اتفاق على توثيقه وبعلة
قدره وعظيم منقبته التي تال بها العلم
في الدنيا على ما يشير اليه قوله صلى الله عليه

امام دارقطنی نے امام الائمة ابو حنیفہ کے بارے میں طعن
کیا ہے اور جو حدیثیں ان کے طریق سے مروی
ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور اسی طرح خطیب
بغدادی نے بھی بہت ہی غلو سے کام لیا ہے مگر
ان دونوں اور ان کے نقشب قدم پر چلنے والے
حضرات کی اس کاروائی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ
امام ابو حنیفہ کی توثیق اور جلال شان اور بڑی فضیلت

پر بھی کا اتفاق ہے جس فضیلت کی طرف آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مشیر ہے کہ اگر علم
ثریا میں بھی پہنچ جائے تب بھی اتنی بلند سی سے
فارس کے کچھ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔

وسلّم لو كان العلم في الدنيا لانه رجا
من فارس اه
رداسات اللیب ص ۲۸۹ طبع لاہور

امام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

واما ما اسنده المحافظ ابو الثیفی فی کتاب
النسبة له من الکلام فی حق بعض الائمة
المقلدین وکذا المحافظ ابو احمد بن عدی
فی کامله والمحافظ ابوبکر الخطیب فی تاریخ
بغداد وآخرون ممن قبلهم کابن ابی شیبہ
فی مصنفه والبخاری والنسائی مما کنت
الزهد من ایراده مع کونه مجتهدین و
مقاصدهم جمیلة فینبغی تجنب اقتنائهم
فیه اه

بہر حال حافظ ابوالشیخ نے اپنی کتاب استتہ میں
بعض ایسے اہل علم پر جو کلام نقل کیا ہے جن کی تقلید کی
جاتی ہے اور اسی طرح حافظ ابن عدیؒ نے کمال میں
اور حافظ ابوبکر خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں اور
دوسرے حضرات نے ان سے پہلے مثلاً ابن ابی شیبہؒ
نے اپنے مصنف میں اور اسی طرح امام بخاریؒ اور
نسائیؒ نے کلام کیا ہے میں ان کے کلام کو پیش کرنے
سے بھی احتراز کرتا تھا باوجودیکہ یہ حضرات مجتہد تھے اور
ان کے مقاصد بھی اچھے تھے مگر پھر بھی اس کلام میں
ان کی پیروی سے اجتناب کیا جائے۔

(الاعلان بالتویجیح لمن ذم التاريخ: ص ۱۷)

مؤلف نتائج التقلید اور مصنف حقیقۃ الفقہ اور اسی طرح ان کے دوسرے ہمنوا حضرات
کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جن جن حضرات نے کلام کیا ہے یا تو
وہ محض تعصب اور عناد و حسد کی پیداوار ہے جس کی ایک پرکاوہ کی حیثیت بھی نہیں ہے اور
بعض حضرات نے اگرچہ دیانتہ کلام کیا ہے مگر اس لئے کہ قائم کرنے میں جس اجتہاد سے انہوں
نے کام لیا ہے وہ سراسر باطل ہے کیونکہ تاریخ ان تمام غلط فہمیوں کو تریخ و بون سے اکھاڑ رہی
ہے۔ اس لیے ان حوالجات سے مخالطہ آقویٰ میں مبتلا ہونا یا دوسری کو دھوکا دینا انصاف و نیت
کاجنہ نکالنا اور محض تعصب اور حسد اور غیبت جیسے گناہ میں آلودہ ہونا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن عبدالبرؒ وغیرہ کے کلام سے نقل کیا جا چکا ہے۔

قاضی القضاة شمس الدین ابن خلکان الشافعی (المتوفی ۶۸۸ھ) علامہ خطیب بغدادی کے اس

غلط طرز پر گفتگو اور تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

خطیب نے اپنی تاریخ میں امام صاحب کے بارہین سے منقبت ذکر کئے ہیں اس کے بعد کچھ ایسی ناگفتہ بہ باتیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اجتناب کرنا بہت ہی مناسب تھا کیونکہ امام عظیم مدینی شخصیت کے متعلق نہ تو دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ بدع اور غلطی میں آپ پر کوئی لکھ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

وقد ذکر الخطیب فی تاریخہ منها شیئاً
کثیراً ثم اعقب ذالک بذكر ما كان
الدلیق تركه والاضراب عنه فمثل هذا
الامام اذینك فی دینه وادورعه واد
فی حفظہ ولم یكن یعاب بشیئ سوری
قله العربیة اه

(تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۵)

باقی عبارت تو بالکل صاف اور بے غبار ہے لہذا البتہ آخری جملہ جس میں حضرت امام ابوحنیفہ کی قلت عربیت کا ذکر کیا گیا ہے، محتاج تشریح ہے اور غیر مقلدین حضرت ان کی قلت عربیت کی ذلوم با باقیوں کی مثال کو بھی لئے لئے پھرتے ہیں کہ ان کو تو بخود اور گریہ سے واقفیت نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حرف ب مابعد کو جو دیتا ہے اور امام ابوحنیفہ اس کو جوہر اور شخص نہیں دے رہے۔ جب وہ عربیت ہی سے واقف نہیں تو پھر صحیح طریقہ پر استنباط مسائل اور قیاس وہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور ان کے ایسے اجتہاد کا جھلا اعتبار بھی کیا ہے؟

امام صاحب کا یہ مفروض عیب بھی تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۲۱ وغیرہ میں مذکور ہے۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بجائے اسم المصیب اور تائب الخطیب کے حوالوں کے کسی اور بزرگ کا حوالہ دینا کر دیں جو حقیقی نہیں اور بقول غیر مقلدین حضرات مجتہد اور غیر مقلد ہیں تاکہ تعصب مذہبی اور جزبہ داری کا شبہ باقی نہ رہے۔

العلامة الحافظ محمد بن ابراهيم الوزير (المتوفى سنة ۵۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:-

اگر امام ابوحنیفہ جاہل اور زبور علم سے عاری ہوتے تو علماء حنفیہ میں علم کے پہاڑ ان کے مذہب پر کیوں متفق ہوتے؟ مثلاً قاضی ابوسعید محمد بن الحسن، طحاوی

ولعمان الامام ابوحنيفة جاهلا ومن
حليته العلم عاطلا ما تطابقت جبال العلم
من الحنفية على الاشتغال بمذاهبها كالقاضي

کئی اور ان جیسے اور ان سے دو گنے ہو گئے حضرت
 علماء احناف کا طائفہ ہند، شام، مصر، یمن، جزیرہ ہرمین
 عراق، عرب اور عراق عجم (دو بخیرہ) میں ایک سو پچاس
 ہجری (۱۵۸۰ء) سے لے کر آج کی تاریخ تک
 جو چھ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، انہوں
 کی تعداد میں گزر چکے ہیں جو اہل حدیث سے باہر ہیں اور
 مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جو شمار میں نہیں آسکتے
 جو اہل علم اور صاحب فتویٰ اور دروغ و تقویٰ کے مالک ہیں،
 سو یہ معترض کیسے جرات کرتا اور کس طرح ان
 کے حق میں یہ جائز سمجھتا ہے کہ وہ سب کے سب
 ایک عامی اور جاہل پر متفق ہو گئے ہیں جو یہ بھی نہیں
 جانتا کہ حرف ب مابعد کو جبر زینت ہے۔

ابن یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی و
 الطحاوی و ابی الحسن الکرخی و امثالہم
 اصنافہم فعلماء الطائفة الحنفیة فی الهند
 و الشام و مصر و الیمن و الجزیرة و الحرمین
 و العراقین من مائة و خمسين من الهجرة
 الی هذا التاريخ ینید علی ستمائتہ سنة ففہم
 الوقت لا ینحصر و ن و عوالم لا ینحصر و من
 اهل العلم و الفتویٰ و الودع و التقویٰ
 فکیف ینبتی هذا المعترض و یمیز علیہم
 انہم تطالبوا علی الاسناد الی عامی جاہل
 لا یعرف ان الیاء تجر ما بعدھا الخ

(الروض الباسم ۲ ص ۱۶ طبع مصر)

پھر اس کی مزید تفصیل و تشریح کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ وہ

اور بہر حال اس معترض کا بابا باقیس کے لفظ
 سے اعتراض تو اس کے کئی جواب ہیں۔ اول
 یہ کہ امام صاحب کی طرف اس لفظ کی نسبت کسی
 صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونی چاہیے اور معترض
 نے صحیح کو بھی ان کے اہل کی طرف نسبت کرنے
 میں تشدد سے کام لیا ہے حالانکہ ان کی شہرت
 سماعت اور ضبط و محافظت ناقابل انکار حقیقت
 ہے سو اس (غیر صحیح) روایت کا کیا اعتبار؟ دوم
 اگر یہ نسبت کسی صحیح سند سے ثابت بھی ہو جائے
 تو اس کی شہرت اور صحت اس پایہ کی نہیں جس پایہ

و اما قوله بابا قیس فالجواب علیہ من وجہ
 الاول ان هذا ینتجج الی طریق صحیحة و
 المعترض قد شدت فی نسبة الصحاح الی
 اہلہم مع اشہار سماعہا و المحافظة علی
 ضبطہا فکیف بہذہ الروایة الشانی ان
 ثبت بطریق صحیحہ فانہ لم یشہد و لم
 یصح مثل شہرۃ صد و الفتیاء و دعوی
 الیہم عن الامام ابی حنیفۃ و قد تواتر
 علمہ و فضلہ و اجماع علیہ و لیس ینقدح
 فی المعلوم بالمظنون بل بما لا یتحقق ان

کی امام صاحب سے صدرِ فتویٰ اور دعویٰ اجتناب کی نسبت
مشہور اور صحیح ہے اور تو اترو اجماع سے ان کا علم و فضل
ثابت ہے۔ لہذا ایک معلوم حقیقت پر مظلوم چیرا اعتراض کس
طرح ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو مظلوم کسلنے کی بھی سعی نہیں ہے
موسم، اگر ہم اس نسبت کو صحیح بھی تسلیم کر لیں کہ صحیح طریقہ کے
ان سے یہ ثابت ہے تو بھی یہ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ غلط بلکہ
صحیح لغت ہے جیسا کہ مشہور نحوئی فرار نے بعض عرب کے نقل کیا
ہے اور اس پر یہ شعر پڑھا ہے کہ

ان ابابا و ابابا

قد بلغا فی المجد غایتاها

علامہ مصوفؒ کی یہ عبارت بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے
متبعین کے بارے میں مصوف نے کیا کہا ہے؟ اور کن الفاظ سے ان کی توصیف و مدح کی
سے اور کس طرح ان کو علم کا پہلا تسلیم کیا ہے؟ اور ان کے اہل علم اور صاحبِ فتویٰ اور ورع
و تقویٰ کے مالک ہونے کا فرغِ خدائی کے ساتھ اقرار کیا ہے؟ اور یہی منصف مزاج اہل علم کی خوبی
ہوتی ہے کہ وہ حقیقت پر وہ نہ ڈالیں بلکہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار کریں۔ بخلاف اس کے
معاندین اور متعصبین کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ حوالجات میں قطع و برید کر کے یا حاسدین اور تعصبین کے
حوالے چن چن کر نقل کرتے اور دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور ہر ناجائز طریق سے ان کو محبوب
و مطعون ٹھہرانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں جس طرح کہ غیر مقلدین حضرات نے اور ان میں
خصوصیت سے مؤلف حقیقت الفقہ شمع محمدی اور مصنف نتائج التقلید اور اس کے جملہ
مصدقین حضرات نے کی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے پیروؤں کو نہایت ہی جلی کٹی
سنائی ہیں اور ادھوئے حوالے نقل کئے ہیں اور ان کے فضائل سے بالکل آنکھیں
بند کر لی ہیں۔ سچ ہے ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

مؤلف حقیقت الفقہ کا بیجا تعصب

موصوف نے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث کے عنوان سے ایک رسمی قائم کی ہے اور آگے کسی ایک نامکمل اور اوصوے اور ضعیف حوالے نقل کئے ہیں مثلاً علامہ ابن خلدون کا صرف یہی حوالہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ صدی پیش پہنچی ہیں۔ (لفظ حقیقت الفقہ حجتہ اول ص ۷) اور اس کے ماقبل اور مابعد کی ساری عبارات جس میں علامہ ابن خلدون نے اس روایت کی تردید کی اور امام صاحبؒ کو من کبار المجتہدین فی علو الحدیث کہا، شیخ ابو سعیدؒ کو ہڑپ کر گئے ہیں اور آگے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر جرح کا عنوان دے کر متعصبین اور حاسدین اور کچھ ایسے حضرات کے حوالے نقل کئے ہیں جو خود غلط فہمی کا شکار ہیں جس کی ہم نے باحوالہ مبسوط بحث پہلے عرض کر دی ہے وہاں ہی دیکھ لیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور پھر مصنف حقیقت الفقہ نے حصہ اول ص ۷ میں تو کمال ہی کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

«ایضاً اسمائے گرامی ان ائمہ محدثین فقہاء و فضلاء کے جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو ناقص الحافظ اور حدیث کم جاننے والا اور اس کی جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے اور ان کے عقائد و مسائل پر اعتراض کیا ہے، یہ میں ابو اور پھر آگے اسی حضرات کے نام درج کئے ہیں جن میں امام ابو یوسفؒ، عبداللہ بن المبارکؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن ابراہیمؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، علامہ ذہبیؒ، یزید بن ہارونؒ، وکیع بن الجراحؒ، الرقیؒ، امام عبدالوہاب شمرانیؒ، ملا معینؒ، مولانا عبدالحیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نام بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے بیشتر حضرات کی صریح عباراتیں پہلے عرض کی جا چکی ہیں کہ وہ امام صاحبؒ پر جرح کرنے والوں کو دندان شکن جوابات دیتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے انتہائی بددیانتی اور پوری بے حیائی کے ساتھ خالق و خلق کی شرم سے بے نیاز ہو کر یہ لکھ دیا ہے

دندان شکن جواب

ہم مؤلف حقیقت الفقہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی پوری جماعت کی کوشش صرف کر کے ہمیں یہ بتائے کہ ان حضرات مذکورین کی امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اپنی رائے تھی کہ وہ ناقص الحافظ، حدیث کم جاننے والے اور پرکھ میں ناقص اور عربی زبان سے ناواقف اور عقائد و

مسائل میں قابلِ ملامت تھے۔ کیا نوٹن حقیقتِ لفظ اور اس کی پوری جماعت میں یہ دم خم ہے کہ وہ ان حضرات سے اپنی قائم کردہ شرخی کا ایک ایک دعویٰ باحوالہ ثابت کرے؟ فہم!

من مبارز! ع

کلبِ مائیز زبانیہ ویبانیہ وارد

یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے امام صاحب پر اعتراضات کرنے والوں کے بعض اقوال نقل کئے ہیں مگر ساتھ ہی ان کی پُر زور تردید بھی کر دی ہے۔ یہ کتنا بڑا جہل اور تلبیس ہے کہ ان اکابر پر یہ صریح بہتان اور خالص جھوٹ تراشا گیا ہے۔ مگر صد حیرت اور ہزار افسوس ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی فسق نہیں آتا۔ لَحَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ لٰكِن سہ

حقیقت ہر نقابِ زندگی سے رونا ہوگی

نظر کی قوتوں کو امتیازِ حقیق و باطل ہے!

کیا احناف میں بھی کوئی ولی ہو ہے؟

حقیقتِ لفظِ حصہ اول ص ۸۵ میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ کیا حنفی مذہب میں ولی ہونے میں؟ اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے ہیں اس کا جواب بجز دلِ ملاحظہ ہو۔

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جن کو چاروں مذہبوں کے بڑے بڑے اولیٰ ماننے ہیں وہ صاف اس بات سے انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابنِ رجبؒ ص ۲۰۱ میں ہے :-

قيل للشيخ الجيلائي هل كان لله وليا
علي غير اعتقاد احمد بن حنبل فقال
حضرت پیرانِ پیر سے پوچھا گیا کہ حنبلی مذہب والوں کے سوا اور مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں؟ فرمایا نہ تو ہوئے

ہیں نہ ہوں گے (انتہی بلفظ)

ماكان ولا يكون

الجواب

یہ استدلال کسی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ ہم نے ابھی الروض الباسم کی عبارت نقل کی ہے جس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امامِ عظیمؒ کے متبعین میں علم

کے پہلے، صاحبِ فتویٰ اہل علم اور تقویٰ اور ورع کے ساتھ متعقبات شمار تھے ان گنت حضرات گزرتے ہیں۔ اور اگر اہل تقویٰ اور متقی اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں تو اور کون ولی ہوگا؟ قرآن پاک میں تو یوں آتا ہے کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ الْبُشْرٰى الْاٰتِيَةٌ اور بفضلہ تعالیٰ احناف میں مختلف ممالک کے اندر بقول حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر مزارول متقی اور ولی گزرتے ہیں اور فنِ حدیث کے رُوسے مثبت روایت نافی سے اولیٰ ہوتی ہے۔ کیا بزرگم خویش اہل حدیث کملانے والے اس اصول سے گریز کر سکتے ہیں؟ اور اگر کریں بھی تو اس کی وقعت کیا ہے؟

دُعا تیا دعویٰ تو یہ ہے کہ کیا حنفی مذہب میں ولی ہوتے ہیں؟ اور دلیل یہ ہے کہ حنبلی مذہب کے بغیر نہ تو کوئی ولی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے، تقریب تمام نہیں ہے اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے دُعا تیا مولف مذکور نے علیٰ غیر اعتقاد احمدیہ کا ترجمہ مذہب کیا ہے جو غلط ہے کیونکہ فقہی طور پر مذہب مسک کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں اعتقاد کا ذکر ہے اور عقیدہ میں تمام ائمہ متفق تھے ان میں کوئی بھی علیٰ غیر اعتقاد احمد بن حنبل نہ تھا۔ ہاں البتہ غیر مقلدین حضرات جو اہل اسلام کی تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ علیٰ غیر اعتقاد احمد بن حنبل ہو سکتے ہیں اور یہ ارشاد ان پر فرٹ ہو سکتا ہے۔

ورابعا حنفیوں کو توجہ نہ دیجئے، ان کے ساتھ آپ حضرات کا خدا واسطے کا بیڑ اور حمد ہے۔ مان لیجئے کہ ان میں سرے سے کوئی ولی نہیں ہوا لیکن کیا آپ کا ضمیر دب بشرطیکہ کہیں ہو بھی) یہ مانتا ہے کہ مالکیوں اور شافعیوں میں بھی نہ کبھی کوئی ولی ہوا اور نہ ہوگا؟ دل کی اور ایمان کی گنا۔ ہم تو بخدا اس کے ہرگز قائل نہیں کہ مالکیوں اور شافعیوں میں کوئی ولی نہیں گزرا بلکہ ہم سب انکے دہل یہ کہتے ہیں کہ ان میں بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں اولیاء اللہ گزرتے ہیں۔

وضاحت اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حنبلی مذہب کے بغیر کبھی کوئی ولی نہیں گزرا اور نہ ہوگا تو اس سے غیر مقلدین حضرات کو کیا فائدہ؟ آخر حنبلی مذہب بھی تو مقلد فرقہ ہے، ولایت تو پھر بھی مقلدین ہی میں رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین میں نہ کبھی کوئی ولی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ حضرت پیران پیر کی بات جو ولی مسلم ہیں کیونکہ غلط اور خطا ہو سکتی ہے؟ لامحالہ ولایت مقلدین ہی کے

اندھے سے گی۔ بڑے بھائیوں کو نہ ملی چھوٹوں کو مل گئی کیوں نہ ہو آخر بڑے میاں تو بڑے میاں
 چھوٹے میاں سبحان اللہ مشہور ہی ہے۔ یہ دراشت عینی علاقائی اور اخپانی بھائیوں کو مل سکتی ہے۔
 ان کی موجودگی میں بے پالگوں کو دراشت کس طرح مل سکتی ہے؟ دیکھا آپ نے کہ غیر مقلدین حضرت
 بکار خلیش کیسے ہوشیار ہیں کہ حنیفوں کو زک پہنچانے کی خاطر مالکیوں اور شافعیوں کو بھی ولایت کے
 دفتر سے خارج کر دیا ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ

چمن دیکھے نہیں ہم نے کہ ویرانے نہیں دیکھے

کہیں غافل بکار خلیش فرزانے نہیں دیکھے

تؤلفت حقیقت الفقه حصہ سوم ص ۱۹۱ میں المسجد الحرام میں حنفی مصلیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ
 اس مقام پر قدیم دار الندوہ مشرکین عرب کا تھا جہاں بیٹھ کر ابو جہل وغیرہ کفار
 حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ (تاریخ نبوی ص ۱۸)
 یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر اب تک محمدیوں کے مقابل کام کر رہا ہے۔ (انتہی ملاحظہ)

الجواب

یہ بالکل مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مستند تاریخی کتابوں سے اس کا ثبوت درکار ہے۔
 وثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا مسجد نبوی کی جگہ مشرکین کی قبریں نہ تھیں؟

(ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۱۷ وغیرہ) جن کو عذاب قبر بھی ہوتا رہا ہوگا۔ تو کیا مسجد نبوی کا اعتبار اور احترام
 نہیں کرنا چاہیے؟ اور کیا کسی غیر مقلد نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی؟ فرمائیے تو سہی! صرف
 نظر اس سے کیا کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت نہ تھے؟ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰
 میں فتح مکہ کے موقع پر دُور کیا تھا تو کیا معاذ اللہ کعبۃ اللہ کا احترام ترک کر دیا جائے؟ ہوش
 میں آکر جواب دیں۔

ایک اور اعتراض

بعض غیر مقلدین حضرات کُتب فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لیے یہ بھی کہا کرتے
 ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ شعر بھی لکھا ہے کہ

فلعنۃ ربنا اعداد رمل علی من ردّ قول ابی حنیفۃ

چنانچہ حقیقت الفقہ حصہ سوم ص ۱۱۱ میں بحوالہ درمختار ج ۲۶ یہ شعر نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ”لعنت ہو مجھ سے رب کی بقدر شمار ریت کے اس شخص پر جو ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے یعنی قبول نہ کرے“ (انتہی بلفظ) اور آگے لکھا ہے کہ ”صحابین یعنی امام ابوحنیفہ کے شاگردوں امام محمد و ابو یوسف نے تین مثلث سے زیادہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کا خلاف کیا ہے“ (درمختار ج ۱ ص ۲۴) حقیقت الفقہ حصہ دوم ص ۱۱۱ گویا یہ بھی مردود ٹھہرے۔ (معاذ اللہ)

الجواب :-

اس اعتراض کا تعلق اگرچہ حضرت امام صاحب کی ذات سے نہیں، اس لیے کہ یہ ان کا قول نہیں بلکہ یہ امام عبداللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) کی طرف منسوب، دیکھئے مقدمہ عقائد الراحۃ ص ۳۳ وغیرہ) مگر چونکہ اس سے امام صاحب کی فقہ کو رد کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اس کا جواب بھی ہم عرض کئے تھے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ رد اور اختلاف میں کافی فرق ہے۔ یہ قول امام صاحب کے شاگرد کا ہے اور ان کے ان مسائل کے بارے میں ہے جو ان کے علم کے مطابق قرآن و حدیث کے عین مطابق تھے اور انکار دکر نیا لا مستحق لعنت ہی ہے۔ متاخرین کے مسائل و تخریجات جو غیر مجتہدین کے قیاسات ہیں وہ اس سے مراد نہیں ہیں اور اپنے استاد کے متعلق ایسی جس عینیت جو شرم مجتہد اور فرط عشق کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اس کو اگر غلو فی العقیدت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہو چنانچہ غیر متقلدین حدیث کے شیخ النکل مولانا سید نذیر حسین صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

”اساتذہ کا ادب :- میاں صاحب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز اور جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہم اور ان کے خاندان کلبت اوب کرتے، اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر فرماتے تھے سے اس کا مقصد ہی ترجمہ سنجو ہمارے بزرگوں سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور بیان مسائل میں بھی انہی بزرگوں کے اقوال سے سزا لیتے اور فرماتے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں، اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سنا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سزا نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے، مردود! کیا یہ حضرات گھس گھس کئے تھے ایسی

ہی اڑان گھائی اڑتے ہیں؟ (بلنظہ الحیات بعد الممات ص ۲۱۳)

حضرت میاں صاحب کا حلقہ درس بہت وسیع اور شاگرد کثیر تعداد میں ہوتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا اعتراض مولانا ابوطیب محمد شمس الحق صاحب ڈیالوی، مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولانا امیر ایہم صاحب سیالکوٹی یا اس قسم کے جری، ذکی اور دلیر ہی کر سکتے تھے ورنہ ہر کہ وہ کو اتنی بھری مجلس میں سوال کرنا بھی کلمے وارد۔ مگر حضرت میاں صاحب مرحوم ان معترض حضرات کو اس لیے مردود کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے اساتذہ کرام کے بارے میں سنی عقائد کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی شان رفیع میں انتہائی بے اعتدالی کا ذکر کرتا ہو اور ان کے قول کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے رد کرتا ہو جن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کو حضرت میاں صاحب مرحوم کے اساتذہ کرام بھی نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے ہوں بلکہ ان کی تقلید کرنے والے کا ہر بناتے اور سمجھتے ہوں اور اُمت کی اکثریت ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو اگر کوئی صاحب فرط محبت اور جو شش عقیدت میں آکر شاعرانہ تخیل کے تحت ایسا کہے تو وہ کیونکر باعثِ ملامت ہو سکتا ہے؟ اور جن کتابوں میں اس کا ذکر ہے وہ کیونکر ناقابل اعتبار ٹھہرائی جاسکتی ہیں؟ اگر یہی طرز استدلال ہے تو الحیات بعد الممات کو ناقابل اعتبار سمجھنا چاہیے۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے اساتذہ پر بے اعتدالی کرنے والے کو مردود کہا گیا ہے بلکہ خود حضرت میاں صاحب پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے جنہوں نے اپنے اساتذہ پر بے اعتدالی کرنے والے کو مردود کہا ہے۔

کیا اصحاب ابی حنیفہ نصاریٰ کے مشابہ ہیں؟

موقف نتائج تقلید نے اصحاب ابی حنیفہ کو بزعم خود نیچا دکھانے اور ان کی علمی شدت اور عملی کمالات کو دریا بڑ کرنے کے لیے یوں گومر افشانی کی ہے کہ:-

”ایک دوسرا قول حضرت خطیب نے بنت صحیح بنید بن ہارون ایسے نامہ بندوں کا اس طرح نقل کیا ہے، یحییٰ واسطی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم بنید بن

ہارون سے یہ کہتے ہوئے مناسب ہے ماثلت قومًا اشبہ بالنصارى من
اصحاب ابی حنیفہ۔ حنفیوں سے زیادہ عیسائیوں کے مشابہ میں نے دوسری
قوم کوئی نہیں دیکھی ۵

(ترجمہ ابوحنیفہؒ تاریخ بغداد، ملفوظہ نتائج التعلیہ ص ۸)

الجواب :-

مؤلف مذکور کا اس سے استدلال سرسرا بطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لیے کہ مؤلف مذکور
اس قول کو بسند صحیح کہتا ہے۔ پہلے اس کی سند بتائے کہ کہاں ہے؟ یہ روایت تاریخ بغداد
ج ۱۳ ص ۴۱ طبع مصر میں یوں آئی ہے۔ وقال ایوب بن شاذ بن یحییٰ الواسطی صاحب ینبذ
بن ہارون الإعلامة خطیب کی وفات ۳۶۲ھ میں اور حضرت یزید بن ہارون کی وفات
۳۶۲ھ میں ہوئی ہے۔ درمیان میں ۲۵ سال کا طویل زمانہ ہے لیکن درمیان کاراوی
صرف ایک ہے۔ خطیب بغدادی سے لے کر ایوب بن شاذ تک سند کی کمی کر لیاں اور
راوی غائب ہیں مگر مؤلف نتائج التعلیہ خیانت یا جہالت کی وجہ سے اس کو بسند صحیح کہہ رہا
ہے۔ اور غرض یہ کہ ان کے جملہ مصدقین اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ع

ناطقہ سرنگریاں کہ اسے کیا کہیے!

وثانیاً یہ روایت ایوب بن شاذ سے ہے نہ کہ یحییٰ واسطی سے جیسا کہ مؤلف نے
حنفیوں کو نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دینے کی خوشی میں یہ سمجھ رکھا ہے۔

وثالثاً مؤلف مذکور (اور اس کی جماعت) کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایوب بن شاذ کا حال
بتائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟ معروف ہے یا مجہول؟ کیونکہ اسماء الرجال کی معروف
کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

وذاًبعاً ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جن روایات سے علامہ خطیب بغدادی نے
ام صاحب کے مشابہ بیان کئے ہیں ان کے اکثر روایات متکلم فیہم ہیں۔

وخلفاً حضرت یزید بن ہارون سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کی فقہ اور کتابوں کی
فضیلت باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ پھر اسی سے باآسانی امام صاحب کے اصحاب

کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، آپ کی فقہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ جمعین کے جتنے بھی اعتراضات قدیم و حدیثاً نزلے گئے ہیں، ان میں بیشتر تعصب اور حسد پر مبنی ہیں اور جو دیانت اور اجتہاد پر مبنی ہیں تو ان میں بھی رائے قائم کرنے والے حضرات کی خطا ہے اور اپنے مقام پر ان کے صحیح جوابات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے بہت سی باتیں باحوالہ عرض کر دی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام علوم و فنون میں فقہ ایک شکل اور دقیق علم ہے اس میں ہر کہ دمہ کو رائے قائم کرنے اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت کہاں حاصل اور نصیب ہو سکتی ہے؟ اس کے ثبوت اور منفی پہلو پر اور اس کے مسائل کی حدود کو صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وافر نصیب اور فی الجملہ اجتہاد کا ملکہ مرحمت ہوا ہو اور فقہی مسائل کی خامیاں بھی صرف وہی ارباب علم بیان کر سکتے اور اس کے مجاز ہیں جو اس کی دقیق و عمیق گہرائیوں سے واقف ہیں محض ظاہری اور سطحی قسم کا آدمی اس میں کیا رائے دے سکتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ ساتھی دور ہے اور اس ترقی یافتہ دور میں اتنی اور ایسی ایسی کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن کا تصور بھی سلف صالحین کے سابق اذوار میں نہیں کیا جاسکتا اور اس لحاظ سے علم کا طول و عرض خوب بڑھ گیا ہے اور اسی وجہ سے بعض کوتاہ نظر اشخاص کو عملاً متقدمین کے مقابلہ میں اجتہاد اور خود بینی کے خواب آ رہے ہیں اور ہرچوماد دیگرے نیست کے چکر میں اُلجھے ہوئے ہیں لیکن اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ اگرچہ آجکل علم و فن میں طول و عرض تو خاصا ہے مگر افسوس کہ عمق اور گہرائی نہیں اور سلف صالحین کے علم میں گو بعض وجوہ سے ایسا طول و عرض تو نہ ہو مگر ان کو بڑا قوی ملکہ حاصل تھا اور ان کا علم عمیق اور بڑا مضبوط تھا اور وہی اعتبار سے اعتبار صرف انہیں کا ہو سکتا ہے نہ کہ ایسے متاخرین کا ہاں جو نئے حوادث اور مسائل دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور سابق زمانوں میں ان کا وجود نہ تھا ایسے مسائل میں ہر دور کے جید اور محقق علماء کی رائے معتبر ہوگی اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں ہے اور غلط بحث علماء کی شان نہیں اس صدی کے ممتاز اور متبحر عالم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۲ھ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جو اپنے علم و فضل، ذہانت و حافظہ، دقت نظر اور وسعت

مطالعہ کے لحاظ سے علما متقدمین کی زندہ یادگار تھے اور ان کے بعد علمی اور تحقیقی مقام کے اعتبار سے بلا مبالغہ ان کی کوئی نظیر پیدا نہیں ہوئی، فقہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :-

واعلم انہ ما من فن الا ولی فیہ راۃ غیر
تو جان لے کہ کوئی فن ایسا نہیں جس میں میری کوئی نہ
کوئی رائے نہ ہو مگر فقہ میں میں خالص مقلد ہوں اور اس میں
کسی کے پلے میں (رائے زنی کا) حق نہیں سمجھتا بجز
حقاً الامن حصل له الاجتهاد -

(فیض الباری ج ۲ ص ۲۱۷)

غور فرمائیے کہ موصوف نے کیا فرمایا؟ جب فقہ کا مقام اتنا مشکل اور باریک ہے تو اس میں بے اختیاراً
امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی غلطیاں نکالنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے
کیونکہ خود معترض کو اس فن کی باریکیوں تک سائی حاصل کرنے کی اہلیت حاصل ہو تو پھر اسکی بات
اور اعتراض کا کچھ وزن ہو سکتا ہے، اور نہ اس کی ایسی تنقید آفتاب پر چھوکنے کے مترادف ہے
اور مشہور ہے کہ جو آفتاب پر چھو کے گا وہ اس کے منہ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں سلطنت
صالحین کی محبت اور اتباع کا جذبہ پیدا فرمائے اور ان کے ساتھ سوئے ظن سے محفوظ رکھے آمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وجمع متبعیہ الی یوم القیمہ آمین

احقر العباد

ابوالزاہر محمد سرفراز خطیب جامع گلگٹ

مددس بمسئمة العلام گوہر انوال

۲۴ ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ ۲۹ مئی ۱۹۶۲ء

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوم	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ تحفہ الامام کی مدلل بحث طبع ہفتم	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبی ﷺ کی مدلل بحث طبع ہفتم	الکلام المفید مسئلہ تقلید پر مدلل بحث	ازالة الريب مسئلہ طریب پر مدلل بحث طبع ہفتم
راہ سنت رد بدعات پر جواب کتاب	آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضرہ نظر پر مدلل بحث	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی احادیث	طائفہ منصورہ تہات پائے اس کے گرد کی علامت	ارشاد الشیعہ شیعہ نظریات کا مدلل جواب
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبادات اکابر اکابر علماء دینیوں کی عبادات پر اعتراضات کے جوابات	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ بخاری کی مدلل بحث
راہ ہدایت کرامات و تجربات کے بارہ میں صحیح فقہ کی وضاحت	بانی دارالعلوم اودیوبند سید محمد رفیع دین علی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات	ینا بیع غیر مقلد عالم سوری کا تمام رسالوں کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ	چراغ کی روشنی سمرانی اٹمی کے بارہ میں فتویٰ دیوبند کے اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث
عیسائیت کا پس منظر عیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں	اتمام البرہان رد توحیح الیہیان	حلیۃ المسلمین داڑھی کا مسئلہ	توضیح المرام فی نزول صحیح علیہ السلام
آئینہ محمدی حیرت پر مختصر رسالہ	شوق حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	ملا علی قاری اور علم غیب و حاضر و ناظر	باب جنت بجواب راہ جنت	الکلام الحادی سادات کیلئے زکوٰۃ و خیرہ لیجے کی مدلل بحث
مودودی صاحب کا غلط فتویٰ	تفریح الخواطر بجواب تخریر الخواطر	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	الشہاب المبین بجواب الشہاب الثاقب	اظہار العیب بجواب اثبات علم العیب
سماع موتی چالیس دعائیں	مقالہ حنیفہ صرف ایک اسلام	عقد الاثاث تین طلاقیں کا مسئلہ	عقلمانی بجواب عقلمانی	شوق جہاد عقلمانی
اطیب الکلام مخلص احسن الکلام	انکار حدیث کے نتائج منکرین حدیث کا رد	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذب و بانہ واویللا	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے

خزائن السنن جلد دوم کتاب البیوع	جنت کے نظامے علامہ ابن قیم کی کتاب مادی الارواح کا اردو ترجمہ	حمیدیہ فن مناظرہ کی کتاب ترجمہ کا اردو ترجمہ	مسئلہ نیکو بیعت کا عادلانہ دفاع	غیر مقلدین کے متضاد فتوے
بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	عقلمانی صاحب سے اہل سنت کے مکتبہ پر اعتراضات کے جوابات وضو کا مسنون طریقہ	تین طلاقیں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ	الدروس الواضحة فی شرح الکافیہ	مرد چٹنائے عمری بدعت ہے

